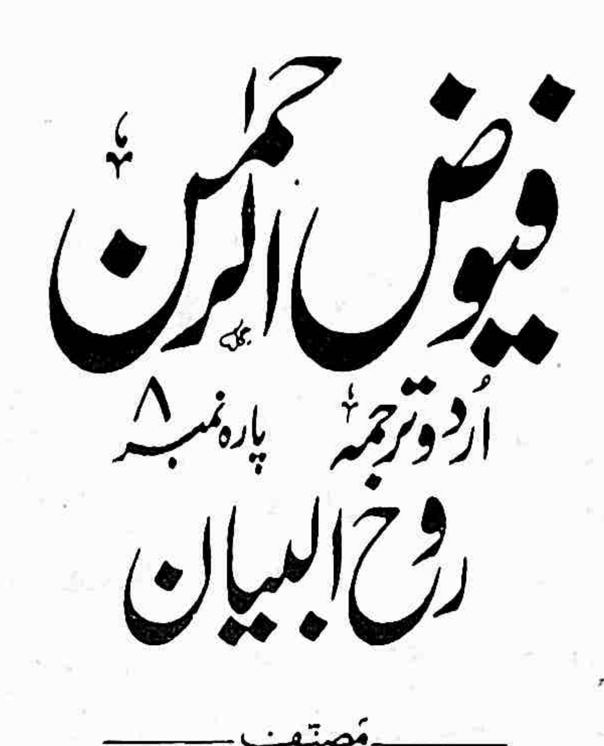


مصنف

سراج العلماء زبدۃ الفضلاء حضرت علامہ شیخ اسماعیل حقی رحمہ اللہ تعالیٰ

مترجم

شیخ التفسیر والحدیث مولانا ابوالصالح محمد فیض احمد اویسی مدظلہ

ناشر

مکتبہ اویسیہ رضویہ سیرانی روڈ بہاولپور

فہرست فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

پارہ نمبر ۸

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا
عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ
اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ
الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ
وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ
اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ
مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ
الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ؕ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ
رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ
صِدْقًا وَّعَدْلًا ؕ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾ وَاِنْ
تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ
اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ
يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ﴿۱۱۷﴾ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ

اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا
مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ
إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ
عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ
إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾
وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ
لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ
لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ع

ترجمہ: اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے اتارتے اور ان سے مردے باتیں کرتے اور ہم ہر چیز ان کے سامنے اٹھا لاتے جب بھی وہ ایمان لانے والے نہ تھے مگر یہ کہ خدا چاہتا لیکن اُن میں بہت بڑے جاہل ہیں [۱۱۱] اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن کئے ہیں آدمیوں اور جنوں میں کے شیطان کہ ان میں ایک دوسرے پر خفیہ ڈالتا ہے بناوٹ کی بات دھوکے کو اور تمہارا رب چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے تو انہیں ان کی بناوٹوں پر چھوڑ دو [۱۱۲] اور اس لئے کہ اس کی طرف ان کے دل جھکیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں اور اسے پسند کریں اور گناہ کمائیں جو انہیں کمانا ہے [۱۱۳] تو کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کا فیصلہ چاہوں اور وہی ہے جس نے تمہاری طرف مفصل کتاب اتاری اور جن کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ تیرے رب کی طرف سے سچ اُترا ہے تو اے سننے والے تو ہرگز شک لانے والوں میں نہ ہو [۱۱۴] اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور وہی ہے سنتا جانتا [۱۱۵] اور اے سننے والے زمین میں اکثر وہ ہیں کہ تو ان کے کہے پر چلے تو تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دیں وہ صرف گمان کے پیچھے ہیں اور نری اٹکلیں دوڑاتے ہیں [۱۱۶] تیرا رب خوب جانتا ہے کہ کون بہکا اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت والوں کو [۱۱۷] تو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا اگر تم اس کی آیتیں مانتے ہو [۱۱۸] تمہیں کیا ہوا کہ اس میں سے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا وہ تو تم سے مفصل بیان کر چکا جو کچھ تم پر حرام ہوا مگر جب تمہیں اس سے مجبوری ہو اور بے شک

۱۱۹
تیرا رب حد سے بڑھنے والوں کو خوب جانتا ہے اور چھوڑ دو کھلا اور چھپا گناہ وہ جو گناہ کماتے ہیں عنقریب کمائی کی سزا پائیں گے ۱۲۰ اور اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بے شک حکم عدولی ہے اور بے شک شیطان اپنے دوستوں کے دلوں میں ڈالتے ہیں کہ تم سے جھگڑیں اور اگر تم ان کا کہنا مانو تو اس وقت تم مشرک ہو۔ ۱۲۱

---

۱۱ وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ۔

تفسیر عالمانہ

(ربط) ۔ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۔ میں جسے اجمالاً ذکر کیا گیا تھا اب اسے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جا رہا ہے۔ فرمایا —

اور اگر ہم ان کی طرف ملائکہ کو نازل کریں ۔ جیسا کہ اُن کا سوال ہے کہ لَوْ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ فرادهم اگر ہمارے ہاں ملائکہ نازل ہوں تو ہم انہیں آنکھوں سے دیکھ لیں۔ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى اور اُن سے مُردے کلام کریں ۔ اور وہی آکر ایمان و اسلام کی حقانیت کی گواہی دیں ۔ یعنی وہ زندہ ہو کر کہیں کہ اسلام حق ہے جیسا کہ ان کا سوال تھا کہ فَاْتِ بِاٰيَةٍ

فائدہ : صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " پس ہم ان کے تمام مردگاں کو زندہ کریں اور وہ اُن سے کلام کریں اور آپ کی رسالت کی گواہی دیں " اگرچہ انہوں نے حضور علیہ السلام سے صرف اپنے دو کافروں (قصی بن کلاب اور جدعان بن عمرو) کے زندہ کرنے کا سوال کیا ۔ اس لئے کہ یہ دونوں اُن کی برادری کے سردار بھی تھے اور اُن کے نزدیک سچے تھے ۔ چنانچہ کہا کہ اگر آپ ان کو زندہ فرما دیں اور وہ آپ کی نبوت کی شہادت دیں تو ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے ۔

وَحَشَرْنَا (اور ہم جمع کر دیں ۔) عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا اُن پر ہر شے آمنے سامنے ۔ قُبُلًا قبیل کی جمع ہے بمعنی کفیل اور اس کا منصوب ہونا كُلَّ شَيْءٍ (مفعول بہ) سے حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی ہم ہر شے کو جمع کریں تاکہ وہ تمام چیزیں صحت امر اور حضور نبی پاک کی سچائی کی کفیل ہوں ۔ یا قُبُلًا قبیل کی جمع ہے جو کہ وہ بھی قبیلہ کی جمع ہے بمعنی جماعات یعنی ہم تمام مخلوق کے ایک ایک نوع اور فوج در فوج جمع کریں ۔

فائدہ : تیسیر میں ہے کہ اس سے مراد ہر قسم کے جانور (ہاتھی سے لیکر مچھر تک) مراد ہیں ۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم قیامت قائم کریں ۔ مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا کسی حال میں بھی ایمان نہیں لائیں گے ۔ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ چاہے ۔ یعنی ان کا ایمان لانا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے لیکن وہ تو ہمیشہ گناہوں میں

منہمک رہتے ہیں اور تمرد و طغیان میں یکتا ہیں پھر ان کے لئے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان لانے کی مشیت کس طرح ہو سکتی ہے۔

"وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ" اور لیکن اکثر ایمان سے بے خبر ہیں۔ یعنی مومن کافروں کے ایمان لانے سے بے خبر ہیں۔ جب اُن کے ہاں آیاتِ الٰہی کا نزول ہوتا ہے تو اہلِ ایمان کافروں کے ایمان لانے سے پُر اُمید ہو جاتے ہیں لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی مشیت سے بے خبری ہے۔ اس معنی پر اس جُملہ سے وَمَا يُشْعِرُكُمْ الخ کے مضمون کی تقریر و تاکید ہو گی۔

مسئلہ : معجزہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو وہ کسی کو ایمان پر مجبور نہیں کرتا۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اس کے متعلق ایمان کا ارادہ نہ ہو اور قیامت کے قائم ہونے سے اور کونسی اللہ تعالیٰ کی بڑی آیت ہو سکتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اُن کے لئے اگر قیامت بھی قائم ہو جائے تب بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ چنانچہ ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ۔

فائدہ : اللہ تعالیٰ کی مشیت بھی اس فطرت کو بدلتی ہے جس میں استعداد ہو۔ جس میں استعداد نہ ہو۔ اسے مشیت نہیں بدلتی۔ اس لئے اہلِ ضلال قہر و جلال میں رہتے ہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ : از وحشی نیاید کہ مردم شود
بسعی اندر او تربیت گم شود
تواں پاک کردن ز زنگ آئینہ
ولکن نیاید ز سنگ آئینہ

ترجمہ ۱ : وحشی کیلئے یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ انسان بن جائے کوشش سے اُلٹا تربیت ضائع ہو گی۔
۲ : آئینہ سے زنگ دور کرنا تو ممکن ہے لیکن پتھر آئینہ نہیں ہو سکتا۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

گر جان بد ہد سنگ سیہ لعل نگردد
با طینت اصلی چہ کند بد گہر افتاد

ترجمہ ۱۔ جان دیکر بھی کالا پتھر لعل نہ ہوگا۔ باطینت اصلی سے بدگو ہر کو کیا لگاؤ۔

سوال : حضرت مولانا روم قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں ؎

گر تو سنگ و صخرہ و مرمر شوی
چوں بصاحب دل رسی گوہر شوی

ترجمہ :۔ اگر تو پتھر اور سنگ مرمر ہے ۔ جب تو صاحب دل کے ہاں حاضر ہوگا تو گوہر ہو جائیگا
خلاصہ یہ کہ شیخ سعدی اور حافظ شیرازی قدس سرہما ہر دونوں متفق ہیں کہ بدگوہر کبھی اچھے نہیں ہو سکتے
اور حضرت مولانا روم قدس سرہ کے نزدیک بدگوہر اللہ والے کی نگاہ سے گوہر ہو سکتا ہے
جواب : شیخ سعدی و حافظ شیرازی قدس سرہ نے ذاتی استعداد کے گم کردہ انسان کیلئے فرمایا اور مولانا روم قدس سرہ نے عارضی استعداد کے گم کردہ کیلئے فرمایا اس لئے کہ جس کی عارضی استعداد گم ہوا سے تربیت نافع ہے اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے معجزات اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات سب کی سب بھی تربیت کا کام دیتی ہیں وہ معجزات و کرامات علمی ہو یا کونی جو لوگ ان معجزات و کرامات کے وقت موجود تھے انہیں ان کی تربیت سے فائدہ نصیب ہوا۔ کیوں کہ جس کے اندر استعداد ہوتی ہے وہ حق کی طرف جھک جاتا ہے اور ہدایت قبول کرتا ہے اور جس کا ازل سے مادہ فاسد تھا اس نے حق سے اعراض کیا اور گمراہ ہوا۔ بہت سے دھوکہ کھا کر اپنی طبائع خبیثہ کے موافق احکام کی پابندی کرتے ہیں اور جیسے انہیں نفوس متمردہ حکم کرتے ہیں اسے بجا لاتے ہیں۔ جیسے وہ جھوٹے طالبانِ حق جو کہتے ہیں کہ اگرچہ مرشدانِ کامل کا معمول یہی تھا اور ان کا طریقہ بجا لیکن ہم جسطرح سلوک طے کرتے ہیں اور جیسے ہم حقیقت کی راہ پہ گامزن ہیں یہی موزوں تر ہے۔ انہیں صرف اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ سورج کی حقیقت اپنے مقام حق ہے۔ لیکن اندھا نہ دیکھے تو اس کا اپنا قصور ہے اسی طرح شہد کی حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا۔ مگر جس کی زبان صفرا سے کڑوی ہے وہ نہ سمجھے تو اس کی اپنی غلطی ہے طالب حق وہ ہے جو اپنی خواہش کا پابند نہیں نہ ہی وہ اپنے اوقات عزیز ضائع کرتا ہے بلکہ وہ حتی المقدور محنت کرتا ہے اور طاعات میں لگا رہتا ہے اور طریق طلب میں قدم آگے بڑھاتا ہے اور سمجھتا ہے کہ کل حاصل نہیں ہو سکتا تو پھر کلی طور اسے ترک بھی نہ کرنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

گر گران و گر شتابندہ بود
آنکہ جوئندہ است یابندہ بود

ترجمہ : کمزور ہو یا تیز چلنے والا ۔ تلاش کرنے والا مطلب پالیتا ہے۔

سبق یہ استعداد اور طلب حق کا انشراح صدر اللہ تعالیٰ کا نور ہے وہ جس دل میں چاہتا ہے ڈالتا ہے۔ اس میں عمر کی کوئی قید نہیں نوجوان ہو یا بوڑھا جسے نصیب ہو جائے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔ جسے چاہے عنایت فرمائے۔ بہت سے عنفوان شباب میں غلبۂ حال میں مستغرق دیکھے اور سنے گئے۔

حکایت بعض بزرگ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ایک سال مجھے حج کی دولت نصیب ہوئی اور وہ سخت گرمی کے ایام تھے۔ ایک دن ہم ارضِ حجاز کے وسط میں پہنچے۔ لیکن میں اپنے ساتھیوں سے بچھڑ گیا اور ایسے جنگل میں پھنس گیا جس میں نہ دن کا پتہ چلتا نہ رات کا۔ اکیلا تو تھا ہی اچانک مجھے ایک شخص کا احساس ہوا کہ وہ میرے آگے چل رہا ہے۔ میں نے جلدی کرکے اسے پالیا۔ دیکھا تو وہ بے ریش لڑکا تھا اور حسین ایسا کہ اس سے چاند بھی شرماتا تھا اور سورج کی روشنی سے بھی زیادہ روشن۔ اس سے دولتمندی اور ناز و نعمت کے آثار محسوس ہوتے۔ میں نے السلام علیک یا غلام کہا۔ جواب دیا وعلیک السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ یا ابراہیم مجھے سخت تعجب ہوا اور کہا بیٹا میرا نام تجھے کس نے بتایا ہے حالانکہ اس سے قبل میرا آپ سے تعارف نہیں۔ جواب دیا میں آپ کو عرصہ سے جانتا ہوں۔ اور میری اور آپ کی دوستی لافانی ہے۔ میں نے کہا تیرا اس جنگل میں کیسے آنا ہوا جب کہ ان دنوں سخت گرمی پڑ رہی ہے۔ جواب دیا جب سے اس کریم سے تعلق ہوا ہے اب کسی کا وہم و خیال تک نہیں۔ اب میں صرف اسی کا ہو چکا ہوں اور مجھے اپنی عبودیت کا اقرار ہے میں نے کہا تیرے ہاں کھانے پینے کا کوئی انتظام بھی ہے۔ جواب دیا میرا محبوب میری کفالت کرتا ہے۔ میں نے کہا تیری اس تقریر سے مجھ پہ خاصہ اثر پڑا ہے۔ آنسو بہا کر مجھے جواب دیا ؎

۱: فلوا جوع فذکر اللہ یشبعنی
ولا اکون بحمدہ اللہ عطشانا

۲: وان ضعفت فوجد ینہ یحملنی
من الحجاز الی اقصی خراسانا

ترجمہ ۱: اگر مجھے بھوک لگتی ہے تو ذکرِ الٰہی سے بھوک مٹاتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی حمد سے میری پیاس بجھ جاتی ہے۔
۲: اگر تھک جاتا ہوں تو وہی مجھے حجاز سے خراسان میں پہنچاتا ہے۔

پھر میں نے اس سے پوچھا تیری عمر کتنی ہے کہا بارہ سال۔ میں نے کہا میرے لئے دعا کیجئے۔ میں اپنے قافلے کو پالوں۔ چنانچہ اُس کی دُعا کی برکت سے میں نے اپنے قافلہ کو پالیا۔ جب ہم عرفات سے فارغ ہو کر حرم شریف میں پہنچے تو میں نے اسی نوجوان کو دیکھا کہ وہ کعبے کے غلاف کو پکڑے ہوئے ہے اور روتا ہوا اللہ تعالیٰ سے

راز و نیاز کی باتیں کر رہا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد سر سجدہ میں رکھا اور اللہ کو پیارا ہو گیا۔ پھر میں نے اُسے خواب میں دیکھا تو میں نے اس سے پوچھا۔ تیرے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ کہا کہ میرے رب کریم نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے پوچھا تیرا مقصد کیا ہے۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین صرف تو ہی میرا مقصود و مطلوب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ تو میرا حقیقی بندہ ہے۔ اب میرا حق ہے کہ میں تجھ سے پردے ہٹا دوں۔ اس کے بعد پوچھا اب کیا چاہتا ہے میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین جتنا میرے ہمزمان ساتھی ہیں سب کے حق میں میری شفاعت قبول فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری شفاعت قبول کی۔ اس کے بعد اس نوجوان نے میرے ساتھ مصافحہ کیا اس پر میری جاگ ہو گئی۔ مجھے اب ہر شخص کہتا ہے اے ابراہیم تیرے ہاتھ میں کونسی خوشبو ہے جس سے لوگ معطر ہو گئے۔

فائدہ: بعض محدثین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کے ہاتھ سے خوشبو تادم زیست مہکتی رہی۔ (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃً)

۱۱۲ وَكَذٰلِكَ یعنی جیسے ہم نے آپ کا ابوجہل و دیگر کفار مکّہ کا دشمن جَعَلْنَا بنایا لِكُلِّ نَبِيٍّ آپ سے پہلے ہر نبی علیہ السلام کے لئے عَدُوًّا دشمن بنائے تھے۔ اس میں اپنے محبوب علیہ السلام کو تسلّی دی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی (کہ جس میں آپ پر جھوٹے الزامات اور آپ کے ساتھ غلط اور گندے کردار ادا کرتے ہیں) میں کسی قسم کی بھلائی نہیں فلہٰذا اُن کی یہ عداوت صرف آپ کے ساتھ نہیں بلکہ پہلے انبیاء علیہم السلام اور اُن کی اُمتوں سے بھی ایسے کرتے رہے۔ شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ انسانوں اور جنوں ہر دونوں فریقوں کے سرکش۔ یہ اضافت بیانیہ اور عدو اسے بدل ہے۔

شیاطین شیطان کی جمع ہے ہر متمرد سرکش کو کہتے ہیں۔ جن ہو یا انسان۔ جب کسی مومن کو جنات کا شیطان نہیں گمراہ کر سکتا تو پھر وہ انسانی شیطان کا سہارا لیتا ہے۔ اس لئے حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے جنات کے شیطان سے اتنا ڈر نہیں جتنا انسانی شیطان سے خطرہ ہوتا ہے کیوں کہ جب مجھے جنات کے شیاطین بہکاتے ہیں تو اُن سے اعوذ باللہ پڑھ کر چھٹکارا پا لیتا ہوں لیکن انسانی شیطان کسی شئے کو نہیں مانتے اس اس لئے جدوجہد کر کے مجھے برائیوں میں مبتلا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ یہ نیا جملہ ہے۔ دشمنوں کی دشمنی کے احکام بیان کرنے کیلئے لایا گیا ہے۔

فائدہ: وحی حقیقی اور وحی شیطان میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ وحی دراصل کلام خفی اور اس قول سریع کو کہتے ہیں جو کسی کے دل میں بطور راز کے ڈالی جائے۔ اب معنی یہ ہوا کہ شیاطین الانس و جن وسوسہ ڈالتے ہیں۔ اس کی دوسری صورت یہ ہے کہ جنات کے بعض شیاطین بعض کو وسوسہ ڈالتے ہیں۔ تیسری صورت یہ ہے کہ انسانی شیطان انسان

کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں۔

زُخْرُفَ الْقَوْلِ باطل سے سنگاری ہوئی باتیں۔ یعنی وہ باتیں کہ جن کا ظاہر بہتر اور اندرون باطل ہو۔ مثلاً کہا جاتا ہے " فلان زخرف کلامہ یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی شخص اپنے کلام کو جھوٹ اور باطل سے مزین کرکے بیان کرے۔ غرورًا یہ لوحی کا مفعول لہ ہے یعنی مزین کلام اس لئے بیان کرتے ہیں تاکہ وہ دوسروں کو دھوکہ دے سکیں۔

وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ اور اگر تیرا رب اُن سے عداوت وسوسہ ڈالنے کا امر نہ چاہے۔

مَا فَعَلُوهُ تو وہ نہ عداوت کر سکتے اور نہ وسوسہ ڈال سکتے۔

سوال : عداوت و وحی کیلئے تثنیہ کی ضمیر چاہیے تھی اور یہاں "مَا فَعَلُوهُ" میں واحد کی ضمیر ہے۔

جواب : ما ذکر سے مودل ہیں اس لئے اُن کے لئے ضمیر واحد کا لایا گیا ہے۔ فَذَرْهُمْ چونکہ مشیتِ باری تعالیٰ سے وہ آپ کے ساتھ عداوت وغیرہ رکھتے ہیں یاس لئے انہیں اُن کے حال پر چھوڑیے۔

وَمَا يَفْتَرُونَ اور ان کے افتراء یعنی کفر اور باقی تمام مکاریوں و غداریوں کو۔ کیوں کہ ان کے لئے ہم نے سخت ترین سزائیں تیار کر رکھی ہیں اور آپ کے لئے بہت بڑے اعلیٰ سے اعلیٰ مراتب مقرر ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مشیت میں لاتعداد حکمتیں مضمر ہیں۔

۱۱۳ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ اور تاکہ وہ بناوٹی اقوال کی طرف کان لگائیں۔ یہ شیاطین کے وحی کی دوسری علت اور اس کا غرورًا پر عطف ہے۔

سوال : غرورًا پر عطف ہے تو اسے مصدر لاکر منصوب کیوں نہیں لایا گیا۔

جواب : اس میں منصوب ہونے کی شرط مفقود ہے اس لئے کہ غرور (وحی) وسوسہ ڈالنے والے کا فعل ہے۔ اور (اصغار) کان لگانا موحیٰ الیہ (جس کے دل میں وسوسہ ڈالا گیا) کا فعل ہے۔ یعنی شیطان اُن کے دل میں اس لئے وسوسے ڈالتے ہیں کہ انہیں بہکائیں اور وہ ان کی طرف میلان رکھیں۔

" أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ " ان لوگوں کے دل جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اور اہل ایمان تو اُن کے بناوٹی اقوال کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے۔ اس لئے کہ انہیں معلوم ہے کہ یہ اقوال سراسر باطل اور ان کا انجام بھی بُرا ہے۔ وَلِيَرْضَوْهُ اور جب اُن کے دل اُن کی طرف جُھک جائیں۔ پھر وہ انہیں وہی اقوال باطلہ وغیرہ پسند ہوں۔ وَلِيَقْتَرِفُوا تاکہ ان باتوں سے خوش ہوکر اُن کا ارتکاب کریں مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ۔ وہ جو ان قبائح کا ارتکاب کرنے والے ہیں۔

سوال : ان قبائح کو اشارہ کنایہ سے واضح طور پر کیوں نہیں بیان کیا۔

جواب: وہ ایسے گندے امور ہیں کہ ان کا ذکر نہ کرنا ہی بہتر ہے ان سے اُن کے وہی قبائح مراد ہیں جو لوح محفوظ میں ان کی تقدیر میں لکھے گئے۔

حل لغات: اقترف فلان ذنبہ۔ یعنی فلاں نے فلاں برائی کا ارتکاب کیا اور کہا جاتا ہے۔ اقترف عملاً اور مال کمایا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ مصائب اللہ والوں کیلئے بمنزلہ سواریوں کے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت شماتت اعداء (دشمنوں کا گالی بکنا اور ایذاء دینا ہے) اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علیٰ نبینا وعلیہم السلام مراتب عُلیا کے مالک ہوتے ہیں اس لئے ان پر شماتت اعداء کا ذکر ہوتا ہے اور شماتت اعداء کی بہتات سے ترقی پاتے اور تجلیات ربانی حاصل کرتے ہیں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بچہ جورہا کہ کشیدند بُلبلان ازوی
ببوئے آنکہ دگر نوبہار باز آید

ترجمہ: بلبلیں کتنا کانٹے سے ظلم برداشت کرتی ہیں۔ اس خوشبو کے انتظار میں جو نئی بہار میں نصیب ہوگی۔

دوسری تقریر صوفیانہ شیطان الانس سے نفس امارہ مراد ہے انسان کا سب سے بڑا دشمن یہی ہے اس لئے یہاں پر الانس کو شیطین سے پہلے ذکر کیا گیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ شیاطین الانس اور اُن کے ساتھی شیاطین الجن اور اُن کے ساتھیوں سے عداوت میں اصعب واشد ہوتے ہیں۔ اس لئے کہ شیطان کا مکر و فریب بہ نسبت انسان کے مکر و فریب کے ضعیف ہے اور اہل دل دشمنوں کے اقوال کاذبہ کی طرف دھیان نہیں کرتے بلکہ جونہی ان کا مکر و فریب سخت تر ہوتا ہے۔ اللہ والوں کے ایمان میں تقویت اور مضبوطی ہے ؎

وفا کنیم و ملامت کشیم و خوش باشیم
کہ در طریقت ما کافریست رنجیدن

ترجمہ: ہم وفا کریں ملامت اٹھائیں اور خوش ہوں کیوں کہ ہماری طریقت میں رنج ہونا کافری ہے

شیطان کیسے بہکاتا ہے شیطان ابن آدم پر اس وقت مسلط ہوتا ہے جب انسان ضرورت سے زیادہ کھائے اور فضول باتیں اور لباس میں حد سے بڑھے اور لوگوں میں بلاوجہ نشست و برخاست رکھے۔ اس لئے جو لوگوں سے بلاوجہ نشست و برخاست رکھے گا وہ ان کی جھوٹی باتیں سنے گا۔ اس سے اس کے نفس میں ایسی گندی عادت کی طرف میلان ہوگا جس سے وہ پھر ایسی غلطیوں کا شکار ہوگا۔

اعجوبہ بعض بزرگانِ دین کا ارشاد ہے کہ جب انسان مرتا ہے تو اس کے گھر والوں سے شیطان بہت زیادہ روتا ہے اس لئے کہ وہ اس کے کہنے پر غلط کاریوں کا ارتکاب کرتا تھا۔ اب کون اس کے حکم پر چلے گا پھر جب اس کی روح کو ملائکہ آسمانوں پر جاتے ہیں تو ملائکہ کہتے ہیں کہ الحمدللہ اب یہ شیطان کی شرارتوں سے بچ گیا۔ دیکھیے شیطان کی دشمنی کتنی ہے۔

سبق انسان کو چاہیے کہ وہ شیطان کے وسوسوں اور اس کی فریب کاریوں سے بچنے کی کوشش کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ اور انسانوں کے سامنے کل قیامت میں شرمسار نہ ہو۔

اعجوبہ وہ شیطان کہ جس کا وسواس وخناس نام ہے انسان جو کچھ دل میں خیال کرتا ہے کہ یہ کرونگا وہ کرونگا تو یہی شیطان لوگوں میں ایسی باتیں عام پھیلاتا ہے۔

حکایت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک عورت کے متعلق دل میں خیال کیا تو اس کو شیطان نے عام لوگوں میں پھیلا دیا اور لوگ آپس میں اُن کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے تھے۔

فائدہ: انسان کا ہمزاد جن اگر مسلمان ہوجائے تو پھر اس کے شر سے حفاظت مل سکتی ہے۔

فائدہ: جنات میں بعض اہل ایمان بھی ہوتے ہیں جو نیک لوگوں اور اہلِ علم کے علوم سے استفادہ کرتے ہیں اگرچہ وہ ان سے پوشیدہ بھی رہتے ہیں۔

حکایت: حضرت ابراہیم الخواص رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ایک سال میں حج کیلئے سفر کررہا تھا کسی نے مجھے پوشیدہ طور کہا کہ علیحدگی میں مجھے آپ سے کام ہے آپ اپنے قافلہ سے ہٹ کر دوسرا راستہ اختیار فرمائیے تاکہ میں آپ سے چند باتیں پوچھ سکوں۔ میں اپنے قافلہ سے ہٹ کر دوسرے پر چل پڑا۔ تین دن رات تک نہ مجھے بھوک لگی اور نہ پانی کی خواہش ہوئی اور نہ ہی قضاء حاجت کی ضرورت پڑی۔ تیسرے روز کے بعد میں ایک جنگل میں پہنچا۔ جو نہایت سرسبز تھا۔ جس میں ہر قسم کے میوہ جات اور خوشبودار پھول تھے۔ اس جنگل کے وسط میں ایک جھیل تھی۔ ایسے معلوم ہوتا کہ گویا بہشت کا ٹکڑا ہے میں اس تعجب میں گھر گیا تھوڑی دیر کے بعد دیکھا کہ میرے سامنے ایک جماعت ہے۔ جن کے چہرے انسانوں جیسے تھے اور وہ بہترین لباس میں ملبوس تھے اور آکر میرے گرد حلقہ بنالیا۔ مجھ سے کہا۔ السلام علیک میں نے کہا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ میں نے دل میں سوچا کہ یہ جنات ہیں۔ اُن میں سے ایک نے کہا۔ ہمیں ایک مسئلہ میں اختلاف ہے اور ہم وہ جنات ہیں جنہوں نے لیلۃ الجن حضور نبی پاک محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اللہ تعالیٰ کا کلام سنا۔ اُن کے کلام اقدس کی یہ تاثیر تھی کہ اس وقت سے ہمارے دنیوی امور متروک ہوچکے ہیں اور اسی وقت سے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس جزیرہ میں متعین فرمایا۔ میں نے اُن سے پوچھا پہلے یہ بتاؤ کہ میرے ساتھی یہاں سے کتنا فاصلہ پر ہیں۔ اُن میں

سے ایک ہنس پڑا اور کہا کہ اے ابواسحاق جس مقام پہ آپ تشریف فرما ہیں اسمیں اللہ تعالیٰ کے اسرار ورموز اورعجائبات ہیں۔ یہاں پر کسی آدمی نے قدم نہیں رکھا آپ تشریف لائے ہیں یا آپ سے پہلے ایک نوجوان تشریف لایا۔جس کا یہاں وصال ہوگیا اور سامنے والی قبر انہی کی ہے۔ وہ قبر مبارک اس جزیرہ کے کنارے پرتھی جس کے گرد نہایت خوشبوناک باغیچہ تھا۔ اتنا معطر اور خوشنما کہ مجھے زندگی میں کبھی دیکھنے میں نہیں آیا۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ جہاں آپ ساتھیوں کو چھوڑ کر تشریف لائے ہیں یہاں سے ایک مہینہ کی راہ کی مسافت ہے۔میں نے اُن سے کہا کہ اس فوت شدہ نوجوان کے متعلق کچھ مجھے بھی بتاؤ انہوں نے کہا ہم اس جزیرہ کے گرد بیٹھے محبت کی باتیں کر رہے تھے کہ ایک نوجوان تشریف لایا۔ اس نے السلام علیکم کہا۔ ہم نے اس کے سلام کا جواب دیا۔ہم نے پوچھا کب سے وہاں سے چلے ہو۔ اُس نے کہا۔مجھے وہاں سے نکلے پورا ہفتہ ہوگیا ہے۔ہم نے کہا تجھے تیرے وطن سے کس بات نے نکلنے پر مجبور کیا ہے۔ اس نے کہا جب سے میں نے کلام الٰہی سنا ہے۔ وَاَنِیْبُوْا اِلٰی رَبِّکُمْ وَاَسْلِمُوْا لَہٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ یَّاْتِیَکُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ہم نے اُن سے پوچھا کہ الانابۃ کا کیا معنیٰ ہے اور اسلام کسے کہتے ہیں اور عذاب کیا شے ہے اس نے کہا الانابۃ یہ ہے کہ خودی کو مٹا کر صرف خدا کا بن جانا اور اسلام یہ ہے کہ اپنے آپ کو اُسی کے سپرد کر دینا اور یہ عقیدہ رکھنا کہ میرے سے وہی زیادہ لائق ہے کہ میں اپنے آپ کو اسی کے قبضہ میں دیدوں اور عذاب سے جدائی کا عذاب مراد ہے یہ کہہ کر ایک سرد آہ بھری اور مر گیا۔ پھر ہم نے اُسے اس جگہ پر دفن کر دیا اور یہ اس کی قبر ہے۔ میں اس کا حال سن کر متعجب ہوا اور اس کی قبر کی زیارت کیلئے چلا گیا۔ قبر کے سرہانے نرگس کا گلدستہ رکھا دیکھا اور اس کی لمبائی چوڑائی موٹائی ایک بہت بڑی چکی کے برابر تھی۔ اس پر لکھا ہوا تھا۔ ھٰذا حبیب اللہ قتیل الغیوۃ " یہ اللہ کا محبوب اور قتیل غیرت ہے نرگس کے پتے پر انابت کا معنیٰ لکھا تھا۔ جنات نے مجھ سے اُس کی تفسیر وتشریح پوچھی۔ جب میں نے انہیں انابت کی تفسیر سنائی تو انہیں وجد آگیا۔ جب ہوش میں آئے تو کہا یہی ہمارا سوال تھا۔ اور آپ نے ہمیں تسلی بخش جواب عنایت فرمایا۔ اُس کے بعد مجھے نیند آگئی۔ بیدار ہوا تو

میں اپنے آپ کو بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا کی مسجد میں پایا (جنات اٹھا کر یہاں پہنچا گئے) اور دیکھا تو اس مزار کا گلدستہ میرے سامان میں تھا۔ وہ ایک سال کامل میرے پاس رہا۔جس میں کسی قسم کا تغیر نہ آیا پھر چند دنوں کے بعد مجھ سے گم ہوگیا۔ رضی اللہ عنہم وعن جمیع الصالحین۔

۸۳ اَفَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْتَغِیْ۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کا فیصلہ چاہوں۔یہ ہمزہ انکاری اور فاء عاطفہ اس کا معطوف علیہ مقدر ہے اور غیر ابتغی کا مفعول اور حکماً حال ہے اور مفعول کی تقدیم میں اشارہ ہے کہ

انکار حرف غیر کو حکم کی طلب کا ہے نہ کہ مطلق طلب کا انکار مقصود ہے اور حکم حاکم سے زیادہ بلیغ اور رسوخ پر زیادہ دلالت کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کا اطلاق صرف عادل پر ہوتا ہے اور اس پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جس سے حکم بار بار صادر ہو بخلاف حکم کے کہ اس میں یہ باتیں ضروری نہیں۔ کلام میں قول مُراد ہے اور وہ مضمر ہے۔

شانِ نزول مروی ہے کہ مشرکین مکہ نے کہا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہمارے اور اپنے مابین یہودیوں اور نصاریٰ کے پادریوں کو حکم مقرر فرمائیے تاکہ وہ حق و باطل کا فرق بتادیں اس لئے کہ انہوں نے آپ سے پہلے نازل کردہ کتاب کو پڑھا ہے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور فرمایا کہ اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کیا میں حق سے منہ پھیر کر غیر اللہ کی طرف رجوع کروں۔ پھر وہی غیر اللہ میرا اور تمہارا فیصلہ کرے۔ یہ تو مجھ سے نہیں ہو سکتا۔

وھوالذی انزل الکتاب اور وہ اللہ تعالیٰ جس نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی۔ یہ ابتغی کے فاعل سے حال ہے یعنی میں غیر اللہ کو حکم کیوں طلب کروں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف کتاب نازل فرمائی اور تم اَن پڑھ لوگ تھے۔ تمہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ قرآن کے کس حصہ پر عمل کرنا ہے اور کتنا قدر چھوڑنا۔ حالانکہ قرآن سب کا سب حق اور صواب ہے۔ **مُفَصَّلًا** درانحالیکہ قرآن میں حق و باطل اور حلال و حرام اور دیگر جملہ احکام کو ایسا مفصل طور بیان کیا گیا ہے کہ دینی باتوں میں اب کسی بات کا شک و شبہ اور ابہام نہیں رہا۔ جب ہمارے ہاں ایسی کتاب موجود ہے تو پھر کیا ضرورت ہے کہ ہم غیروں کو اپنا فیصلہ پیش کریں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ قرآن صاف اور واضح الفاظ میں اعلان کرتا ہے کہ اس میں اتنے واضح اور روشن احکام بیان کئے گئے ہیں کہ اس کی توضیح و تفصیل کے لئے کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ پر اس کے باوجود بھی ہمیں حدیث کی ضرورت ہے۔ اسی طرح حدیث کو سمجھنے کے لئے فقہ کی ضرورت ہے

وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ ۔ اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی وہ جانتے ہیں کہ یہ تیرے رب تعالیٰ کی طرف سے حق نازل ہوا۔ یہ نیا کلام مستانفہ ہے قول مقدر کے تحت داخل نہیں اور بیان کرتا ہے کہ جن علماء پر انہیں اعتماد ہے اور ان کے حکم بنانے پر انہیں یقین ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ قرآن حق اور منزل من اللہ ہے درانحالیکہ متلبس ہے۔ **بِالْحَقِّ** حق و صدق سے فارسی میں حق ہے راستی اور صدق بمعنی درستی اور بالحق متلبس محذوف کے متعلق ہے اور منزل کی ضمیر سے حال ہے۔

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۔ پس نہ ہو جاؤ شک کرنے والوں سے اس بارہ میں کہ واقعی وہ قرآن کی حقانیت کو جانتے ہیں جب کہ اُن سے علم کے آثار نہیں ملتے اور احکام معرفت سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اس

معنی پہ فار اہل کتاب کے شانِ قرآن کو جاننے کی خبر دینے کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے اور انہیں معلوم ہے کہ یہ حق اور منزل من اللہ ہے اس اعتبار سے یہ جملہ کفار کے لئے توبیخ اور اہل اسلام کے یقین کو مضبوط اور پختہ کرنے کے لئے ہے جیسے فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔ یہ فار بھی اُن کے قرآن کریم کے حال کے نفس علم کی نہی کی ترتیب کے لئے ہے ۔

(ربط) جب اللہ تعالیٰ نے قرآن کا کمال مذکور بیان کیا اور اُسے اپنی طرف منسوب فرمایا کہ وہ منزل من اللہ ہے اور اس کی حقانیت بالحق سے واضح فرمائی تو اب اس کے ذاتی کمال کو بیان فرمایا ۱۱۵ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور مکمل ہے تیرے رب کا کلمہ ۔

سوال : قرآن مجید کو کلمہ سے کیوں تعبیر فرمایا ۔

جواب : صدق و عدل سے بالاصالۃ کلمہ موصوف ہوتا ہے اور اس سے ہی حکم کے آثار نمودار ہوتے ہیں ۔ صِدْقًا وَعَدْلًا یہ دونوں مصدر ہیں ۔ اور ہر دونوں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں یعنی درآنحالیکہ وہ کلمہ سچا اور عادل ہے ۔

فائدہ : قرآن مجید اتم واکمل باینمعنی ہے کہ مکلفین جن امور کے علماً و عملاً محتاج ہیں ان کی ضرورت پورا کرنے کیلئے قیامت تک ان کی کفایت کرتا ہے اور صادق باینمعنی کہ جتنی خبریں اس میں واقع ہوئی ہیں ۔ مثلاً ذات باری تعالیٰ کا وجود اور اس کے جملہ صفات ثبوتیہ وسلبیہ اور اس کے جملہ احکام وعدو عید اور ثواب و عقاب کی خبر اسیطرح گذشتہ لوگوں کے حالات اور آنے والے غیوب بتائے اور عادل باینمعنی ہے کہ جن و انسان مکلفین کے جملہ احکام اور فیصلے عدل و انصاف پر مبنی ہیں جیسے نماز اور روزہ اور زکواۃ و حج و دیگر جملہ تکلیفات شرعیہ وہ اوامر ہیں یا نواہی ۔

لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ج اور نہ ہی کوئی اس کے کلمات کے متبادل پیش کر سکتا ہے جو اس سے اصدق واعدل ہو یا کم از کم اس کے متساوی ہو ۔ جس کی یہ شان ہے پھر اللہ تعالیٰ کے غیر کو کیونکر حکم تلاش کیا جائے وَهُوَ السَّمِيْعُ ہر وہ اشیا جو سمع سے متعلق رکھتی ہیں سب کو سنتا ہے ۔ الْعَلِيْمُ ہر وہ شے کہ جس کا جاننا ممکن ہے اس کو جانتا ہے ۔ منجملہ ان کے متکلمین کے اقوال و احوال ظاہر ہوں یا باطن ۔ کوئی شے اس کے علم سے باہر نہیں ۔

خلاصہ تفسیر آیت کا خلاصہ یہ ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا حکم لوگوں کے مابین حجۃ بالغہ ہے کسی طرح سے بھی اس کے حکم کی عدولی نہیں ہو سکتی ۔ اس کا انکار سوائے منکر کے اور کوئی نہیں کر سکتا ۔ اس کا انکار عنادی ہو ۔ جیسے اُس کی حقانیت پر یقین کرنے کے باوجود انکار کرے یا تکذیبی ۔ جیسے اس کی

حقانیت کا انکار از روئے جہالت۔

تفسیر صوفیانہ جو قرآن کی حقانیت کا اقراری ہے اسے جذبۂ الٰہی اس کے عمل کی طرف لیجا کر درجاتِ علم و عرفان اور کمالِ ایقان میں پہنچاتا ہے اس لئے کہ وہ کلمہ حق و صدق ہے اور صدق جنۃ و قربت و وصلۃ کی طرف لے جاتا ہے۔

قاعدہ صوفیانہ بندہ جب تک عالم دنیا میں ہے اس سے احکام تکلیفیہ کبھی معاف نہیں ہوتے اگرچہ وہ کسی ذات تک بھی پہنچ جائے اس سے ان بدباطن جاہل صوفیوں کا رد ہوگیا جو کہتے ہیں کہ بندہ جب واصل باللہ ہوجاتا ہے تو اس سے احکام تکلیفیہ مرتفع ہوجاتے ہیں البتہ عالم آخرت میں جملہ احکام تکلیفیہ مرتفع ہوجائینگے۔ اس لئے کہ اس عالم میں صرف توحید ہوگی۔ اس سے ثابت ہوا کہ جمیع مراتب کمال میں شریعت کی رعایت ضروری اور لازمی ہے۔ اس لئے کہ کمال اسی کا نام ہے کہ شریعت کا دامن کسی حال میں نہ چھوٹے وہ ابھی ناقص ہے کہ کسی کمال کے حصول میں شریعت کا دامن چھوڑ دے جیسے مجاذیب کہ شریعت کے دامن چھوڑنے پر محققین نے انہیں ناقص کہا۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر سفر و جنون طاری نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے انہیں کامل ترین سمجھا گیا اور اس مردِ مولیٰ کو بھی کہ جسے حالت استغراق میں بھی دروازہ کھلنے اور مکھی کی آواز سے باخبر ہو۔

حکایت حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے اپنے مریدین سے پوچھا کہ کبھی تم نے مجھ سے خلاف شرع امر تو نہیں دیکھا سب نے کہا نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا الحمد للہ۔ پھر فرمایا کہ میں تیس سال سے حالت استغراق میں رہا ہوں لیکن بفضلہ تعالیٰ شریعت کا دامن کبھی نہیں چھوڑا۔

نکتہ : اشرف المخلوقات انسان ہے اور تمام انسانوں سے برگزیدہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اسی لئے آپ اللہ تعالیٰ کے مظہر اتم ہیں اور مبداء قدیم سے آپ کو مظہر بنایا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ہی اپنا حکم مقرر فرمایا تاکہ حق کو ثابت کریں۔ اور باطل کو مٹائیں۔

الا اے احمد مرسل شود ہر مشکل از تو حل
کنم وصف ترا مجمل توئی سلطان ہر مولیٰ

شریعت از تو روشن شد طریقت ہم بہین شد
حقیقت خود متعین شد زہے سلطان بے ہمتا

ترجمہ ۱: اے احمد مرسل آپ سے ہر مشکل حل ہوتی ہے آپکی تو میں مجمل وصف بیان کرتا ہوں کہ ہر ایک کے مولا ہیں۔
۲: شریعت آپ سے روشن ہے طریقت کے برہان و دلائل آپ سے ظاہر ہوئے حقیقت بھی معین ہوتی ہے تو آپ سے واہ واہ آپ کیسے بے مثل بادشاہ ہیں

دوسری تقریر صوفیانہ

یہ آیت مرتبۂ نفس اور اس کی اصلاح سے متعلق ہے غیراللہ کو حکم طلب کرنا خواہشات نفسانیہ سے پھر اُس کی اصلاح اتقیا و تسلیم سے ہوتی ہے جسے قرآن کریم کے ظاہر و باطن سے کچھ علم نصیب ہوا وہی حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا حقیقی وارث ہے اور حاکم بھی اسے ہونا چاہیے جو امورِ الٰہی کا علم رکھتا ہو۔ ورنہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا جو علم کے بغیر فتوٰی (حکم) دیتا ہے۔ اس پر زمین و آسمان کے فرشتے لعنت کرتے ہیں۔

حکایت علی بلخی کی لڑکی نے اپنے باپ سے قے کا مسئلہ پوچھا کہ کسی کو قے منہ بھر کر نہ آئے تو اس کا وضو ٹوٹ جائے گا یا نہ۔ علی بلخی نے فرمایا کہ اس کا وضو ٹوٹ گیا اسے وضو کا اعادہ ضروری ہے اس کے بعد علی بلخی خواب میں حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت سے مشرّف ہوا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اے علی بلخی تم نے مسئلہ غلط بتایا جب تک قے منہ بھر کر نہ آئے اس وقت تک وضو نہیں ٹوٹتا۔ حضرت علی بلخی فرماتے ہیں اس وقت مجھے یقین ہوا کہ ہر مسئلہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوتا ہے۔ میں نے تہیّہ کیا اور قسم کھائی کہ آئندہ کوئی فتوٰی نہیں دوں گا۔

حکایت حضرت شعبی سے کسی مسئلہ کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا لَآ اَعْلَمُ میں نہیں جانتا۔ آپ کو کسی نے کہا کہ اے شعبی تمہیں حیاء کرنی چاہیے۔ فتوے جانتے ہوئے نہیں بتاتے تم تو عراق کے بہت بڑے مفتی ہو۔ آپ نے فرمایا۔ میں اس ذات سے حیاء کرتا ہوں جس سے ملائکہ کرام نے حیاء کیا کہ کہا تھا۔ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا

سبق عوام پر لازم ہے کہ وہ امورِ ظاہرہ کے لئے شہر یا اپنے ہم زمان بہت بڑے عالم سے مسئلہ پوچھیں اور خواص پر لازم ہے کہ وہ اپنے احوالِ باطنہ کا بہت بڑے عارف سے استفسار کریں۔ اگرچہ وہ ان پڑھ اور علماء کے اصطلاحات سے بے خبر ہو۔ اس لئے کہ اُن کے ہاں ایک ایسی معنوی حکمت ہوتی ہے جسے اصطلاحات عالمانہ کی ضرورت ہی نہیں۔ درحقیقت حکیم وہی ہوتے ہیں اس لئے کہ علماء کرام کا اتفاق ہے کہ بندہ جب واصل باللہ ہوتا ہے تو اللہ تعالٰی اُسے علوم کا ماہر بنا دیتا ہے اور بذریعہ الہام اسے حق و باطل کی تمیز کرا دیتا ہے اس سے خلافِ شرع نہ کوئی بات صادر ہوتی ہے اور نہ اس کا کوئی عمل خلافِ شرع ہوتا ہے۔ اس لئے صوفیاء کرام رضی اللہ عنہم نے فرمایا کہ اللہ تعالٰی جاہل کو ولی نہیں بناتا۔ اگر اُسے ولی بناتا ہے تو پہلے اسے علومِ ظاہرہ سے نوازتا ہے جیسے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی کیفیت تھی کہ وہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی کے خلاف سرِ مو بھی نہیں ہٹتے تھے۔ کما قال تعالٰی فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ اور فرمایا وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗۤ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ کچھ یہی حالت سچے مریدوں کی ہے کہ وہ کبھی اپنے مرشدانِ کرام کے حکم سے سرِ مو نہیں ہٹتے۔ اس لئے کہ وہ حکم درحقیقت

اللہ تعالیٰ کا ہوتا ہے چنانچہ اس کا احادیث میں واضح ثبوت موجود ہے ۔ لیکن اُس کے ظاہر کرنے والے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اس لئے کہ آپ ہی اللہ تعالیٰ کے خلیفۂ اعظم ہیں ۔ اسی طرح وہ حضرات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث اور جانشین ہیں ۔

تفسیر عالمانہ ۱۱۶ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اگر آپ زمین والوں کی اکثر بات مانیں گے

شانِ نزول اہل مکہ مردار کا کھانا حلال سمجھتے بلکہ مسلمانوں کو بھی اس کی دعوت دیتے تھے ۔ دلیل یہ دیتے کہ جسے تم چھریوں سے ذبح کرتے ہو وہ حلال ہے تو پھر جسے اللہ تعالیٰ ذبح کرے وہ تو بطریق اولیٰ حلال ہوا ۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔ اب معنی یہ ہوا کہ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ کفار کی بات مان لیں گے ۔

فائدہ : ہم نے کفار سے اس لئے تعبیر کیا کہ اس وقت کفار بہت زیادہ تھے ۔

يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ تو تجھے اللہ تعالیٰ کے راستے سے بہکا دیں گے ۔ سبیل اللہ سے دین اور شریعت مراد ہے ۔ اس پر سوال ہوا کہ وہ کیسے گمراہ کریں گے ۔ اس کے جواب میں کہا گیا کہ اِنْ يَتَّبِعُونَ وہ اپنے دینی امور اور آپ کے ساتھ مردار کی بجائے حلال کھانے میں اتباع نہیں کرتے ۔ اِلَّا الظَّنَّ مگر گمان کی اور ان کا گمان یہی تھا کہ وہ سمجھتے کہ اُن کے آباء حق پر تھے اور یہ انہیں کے نقش قدم پہ چل رہے ہیں حالانکہ وہ اس وجہ سے بہت سخت گمراہ ہوئے اور یہ ظاہر ہے کہ جو گمراہ اپنی گمراہی کو رہبری سے تعبیر کرتا ہو تو وہ اپنے مسلک پر دوسروں کو گمراہ کرنے والا ہوگا ۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ حق کا راستہ گمان اور تقلید اور خواہشات پر مبنی نہیں بلکہ حق کا راستہ میں صدق اور تحقیق اور ہدایات ہے ۔ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُونَ اور وہ صرف اٹکل پچو سے کام چلاتے ہیں ۔ یعنی وہ مردار کو حلال کہہ کر اسی طرح دوسرے مسائل میں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہیں ۔

۱۱۷ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بے شک تیرا رب خوب جانتا ہے ۔ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۔ اس کو جو سیدھے راہ سے بہکاتا ہے اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں کو بھی بہتر جانتا ہے ۔ اس لئے ہر مستحق کو اس کے استحقاق پر جزا دے گا ۔

سبق : گروہ اوّل سے سالک کو احتراز کرنا لازم ہے ۔

فائدہ : حداوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے اعلم اس لئے فرمایا ہے کہ وہ ہر شے کو ہر جہات سے جانتا ہے ۔ بخلاف دوسروں کے کہ وہ اشیاء کو بعض وجوہ سے جانتے ہیں اور بعض سے بیخبر ہوتے ہیں

۱۱۸ فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ۔ پس کھاؤ اسے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہے ۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کے آیات پر ایمان رکھتے ہو ۔ اس میں ان گمراہ کرنے والوں کی اتباع سے انکار کا سبب بنایا گیا ۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے حلال کو حرام اور حرام کو حلال بتلاتے ہیں وہ گمراہ ہیں ۔

اب معنی یوں ہوا کہ اے مومنو! تم ان چیزوں کو کھاؤ ۔ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ۔ وہ نہ کھاؤ کہ جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا یا اس کے نام کے ساتھ دوسرے کا نام لیا گیا ۔ یا اس کی ناک بند کر کے اُس کی جان نکالی گئی ۔ اس لئے کہ آیات قرآنیہ پر ایمان لانے کا یہی تقاضا ہے کہ جن چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہے ان کا کھانا مباح ہے اور جنہیں حرام فرمایا ہے اُن سے اجتناب ضروری ہے ۔ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ تمہیں کونسا سبب مانع ہے کہ جن پر اللہ کا نام لیا گیا ہے اُسے نہیں کھاتے ۔

فائدہ : امام صاحب نے فرمایا کہ مشرکین کی عادت تھی کہ جن چیزوں پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا جاتا اس کے کھانے کو مباح سمجھتے لیکن جھگڑا اس میں تھا کہ وہ مردار کو حلال سمجھتے تھے اور اہل اسلام اسے حرام سمجھتے تھے لیکن اس تقریر پر اعتراض پڑتا ہے کہ اس سے تو ما ذکر اسم اللہ کی اباحت کی خصوصیت سے وارد ہونا فضول جاتا ہے ۔ اس لئے کہ جب وہ " ما ذکر اسم اللہ علیہ " کو بھی حلال مانتے تھے تو پھر انہیں تنبیہ کرنے کا کیا معنیٰ ۔ حالانکہ مذکورہ آیت کا تقاضا تو یہ ہے کہ جس میں انہیں اختلاف ہو اس کے لئے انہیں متنبہ کیا جائے ۔ اس کا جواب امام صاحب نے یہ دیا کہ کُلُوا کا معنیٰ ہے اجعلوا اکلکم مقصورا مما ذکر اسم اللہ ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف اسی پر مقصور رکھو کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ذکر کیا جائے اور ان لا تاکلوا الخ کا معنی ہے ان لا تجعلوا اکلکم مقصورًا علیہ ۔ یعنی اپنے کھانے کو صرف مُراد پر مقصور نہ کرو ۔ اس تقریر سے ثابت ہوا کہ آیت سے صرف مردار کے کھانے کی تحریم کا افادہ ہوا ۔ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حکم تفصیل وار بیان فرمایا ہے ۔ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ جو اشیاء تمہارے لئے حرام ہیں یا حرام نہیں ۔ چنانچہ اسی سورۃ میں مضمون آرہا ہے ۔ کما قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرما الآیۃ اس کے بعد باقی تمام اشیاء اپنے حال یعنی اباحت پر رہیں گی اس تفصیل سے حرمت علیکم المیتۃ والدم الآیۃ مراد ہے اس لئے کہ یہ آیت مدینہ اور سورۃ ہذا مکیہ ہے ۔

سوال : قل لا اجد الخ ابھی مذکور نہیں ہوئی اور قد فصل صیغہ ماضی ہے اس کا تقاضا ہے کہ تفصیل کا ذکر پہلے ہو ۔

جوابٌ : قل لا اجد الخ کا تاخرِ صرف تلاوت کے اعتبار سے ہے اور وہ تاخر النزول کو مستلزم نہیں۔
جوابٌ : ممکن ہے کہ یہ تفصیل وحی غیر متلو سے ہوئی ہو۔ چنانچہ سعدی چلپی مفتی نے فرمایا کہ میرے نزدیک یہی جواب اُولیٰ ہے " اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ "، ہاں جب تم حرام اشیاء کے استعمال کرنے پر سخت مجبور ہو جاؤ وہ حرام تمہارے لئے حلال ہے۔ بوجہ ضرورت کے یہ استثناء منفصل ہے اور مستثنیٰ منہ ماحرم ہے اور مامصدریہ بمعنی المدۃ ہے یعنی حالانکہ تمہیں وہ اشیاء جو تمہارے لئے حرام ہیں جمیع اوقات میں حرام ہیں مگر بوقت اضطرار اگر اسے ماموصولہ بنایا جائے تو یہ مستثنیٰ منفصل ہوگا۔ اس لئے کہ ما اضطر الیہ حلال ہوتا۔ اس بنا پر وہ ماحرم علیہم میں داخل نہ ہوگا۔ وَاِنَّ كَثِيْرًا اور بے شک بہت سے کافر لَيُضِلُّوْنَ۔ البتہ لوگوں کو گمراہ کریں گے۔ بِاَهْوَآئِهِمْ اپنی خواہشات سے یعنی وہ حرام کردہ اشیاء سے کہ جنہیں ان کے نفس چاہتے ہیں۔ مثلاً مردار وغیرہ کا حلال سمجھنا بغیر عِلْمٍ بغیر علم کے۔
فائدہ : اس سے وہ علم مراد ہے جو شریعۃ مطہرہ سے حاصل اور وحی سے مستند ہو۔
اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ بے شک تیرا رب حق سے باطل کی طرف اور حلال سے حرام کی طرف تجاوز کرنے والوں کو جانتا ہے۔
فائدہ : خواہشات نفسانی کے تابعدار کئی قسم کے ہیں۔ منجملہ ان کے معتزلہ (وہابیہ) شیعہ وغیرہما ہیں۔ اگرچہ یہ اہل قبلہ ہیں۔ لیکن قرآن وحدیث کی غلط تاویلیں کرکے اہل سنت کے خلاف وہ مسائل بناتے ہیں جو ان کی خواہشات نفسانی کے ترجمان ہوتے ہیں۔ وہ سبھی کافروں اور مشرکوں کی طرح لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔
سوال : صوفیاء کرام بھی آیات و احادیث میں اپنے مسلک کے مطابق تاویلیں کرتے ہیں پھر انہیں کیوں معتبر مانا جاتا ہے۔
جواب : صوفیاء کرام کی تاویلیں عین شرح شریف کے مطابق ہوتی ہیں۔ جن میں خواہشات نفسانیہ کو کسی قسم کا دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ عرفانی و وجدانی باتیں ہوتی ہیں۔
مثنوی شریف میں ہے۔

١ : تو ز قرآن اے پسر ظاہر مبین
دیو آدم را نہ بیند جز کہ طین

٢ : ظاہر قرآن چو شخص آدمیت
کہ نقوشش ظاہر و جانش خفیست

ترجمہ ١ : تو قرآن کے ظاہر کو نہ دیکھ شیطان آدم (علیہ السلام) کے صرف ظاہر کو دیکھتا ہے۔

۲ : قرآن کا ظاہر انسان کے ظاہری جسم کی طرح ہے کہ اس کے نقوش تو ظاہر ہیں لیکن اس کی جان مخفی (پوشیدہ) ہے۔
اصحاب اشارات یعنی صوفیاء کرام کی تقلید گمراہ لوگوں کی تقلید جیسی نہیں۔ اس لئے کہ صوفیاء کرام کے معانی عین الیقین پر مبنی ہوتے ہیں۔ بخلاف گمراہ لوگوں کی تاویلوں کے کہ وہ محض ظن و تخمین سے کام چلاتے ہیں۔
— **فائدہ :** اسی طرح اہل دنیا بہ نسبت طالبان آخرت کے اہل ہوی ہیں۔ اس لئے کہ اہل دنیا کے تمام امور خیالی ہوتے ہیں اور خیال کا عاشق عاقل نہیں ہو سکتا۔

حکایت حضرت بہلول دانا فرماتے ہیں کہ میں بصرہ کی کسی سڑک پر سفر کر رہا تھا۔ ایک مقام پہ دیکھا کہ لڑکے بادام اور اخروٹ سے کھیل رہے تھے۔ لیکن ایک لڑکا اس حسرت سے رو رہا تھا کہ دوسروں کے پاس بادام و اخروٹ ہیں اور وہ خالی ہاتھ ہے حالانکہ حقیقت کچھ اور تھی۔ میں نے اس کے قریب جا کر پوچھا بیٹا تو کیوں روتا ہے۔ اگر تیرے پاس بادام و اخروٹ نہ ہوں تو میں تجھے خرید کر کے دوں تاکہ تم بھی ان کے ساتھ کھیلو۔ لڑکے نے میری بات سن کر تیز نگاہ سے دیکھا اور کہا اے بے عقل ہم کھیل کود کے لئے نہیں پیدا کئے گئے۔ میں نے پوچھا تو پھر کس لئے پیدا کئے گئے ہو۔ جواب دیا کہ ہم علم اور عبادت کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ میں نے اس سے سوال کیا کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ اس نے جواب دیا کہ قرآن مجید میں واضح الفاظ میں فرمایا کہ اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰکُمْ عَبَثًا وَّ اَنَّکُمْ اِلَیْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ۔

ترجمہ :- کیا تمہیں گمان ہے۔ کہ تم کو ہم نے عبث پیدا کیا ہے تم ہماری طرف لوٹو گے۔

فائدہ : اہل عقبٰی بہ نسبت طالبان مولیٰ کے اہل ہوی ہیں اس لئے کہ طالبان مولیٰ ہر دو کون سے فارغ البال ہوتے ہیں انہیں وصل وصال اور جدائی اور مفارقت کا کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔ وہ اپنے محبوب حقیقی کے سوا کسی کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھتے۔ صاحب المحمدیہ نے فرمایا ؎

سالکان درگہت را ہر دو عالم یکنفس
والہاں حضرتت از حور جنت ملال

ترجمہ : سالک تیری درگاہ کے ہر دو عالم میں ایک ہی خیال میں ہے کہ وہ صرف تیرے ہی متوالے (عاشق) ہیں حوروں سے انہیں ملال ہے۔

تفسیر صوفیانہ اہل آخرت پر دنیا حرام ہے اور اہل دنیا پر آخرت حرام اور اللہ والوں کے لئے ہر دو حرام ہیں ہاں جو شخص دنیا کی اشیاء میں بقدر ضرورت کھاتا ہے اور بقدر ضرورت ستر پوشی کرتا ہے وہ اہل دنیا نہیں اس لئے کہ یہ تو ضروریات بشریہ سے ہے اور اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجازت بخشی ہے کہ زندگی

کو برقرار رکھنے کے لئے ضرورت کی اشیاء استعمال کی جائیں۔ فکلوا مما ذکر اسم اللہ الخ میں اشارہ ہے کہ طعام حکم شرع کے مطابق کھاؤ نہ جو طبیعت چاہے اور جو کچھ کھاؤ اسے اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو۔ یہی ایمان کی علامت ہے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا" طعام کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں صرف کرو اس لئے کہ ہر وہ طعام جو غفلت ونسیان اور گناہوں کی اعانت کے لئے کھایا جائے وہ دل کو موت کے گھاٹ اتارتا اور بہشت سے محرومی کا سبب بنتا ہے۔

مسئلہ: حدیث مذکور سے ذکر بالجہر کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ حدیث شریف میں لفظ اذابۃ ہے بمعنی پگھالنا اور وہ ذکر جہری سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کی تائید دوسری حدیث شریف سے بھی ملتی ہے وہ یہ کہ طعام کھانے کے بعد دو رکعت پڑھنے کا حکم ملتا ہے۔ یا طعام کے بعد قرآن مجید کی کم از کم دس آیتیں پڑھنا۔ اس لئے کہ حرکت بدنیہ سے طعام ہضم ہوتا ہے۔ طعام ہضم ہو جائے تو بدن کو طاقت حاصل ہوتی ہے اور بدن قوی ہو تو عبادت آسانی سے ہوتی ہے۔ نیز طعام کے بعد عبادت کرنا نعمت کیلئے ادائیگی شکر بھی ہے اور شکر کی ادائیگی قلب سے بھی ہوتی ہے اور زبان سے بھی۔ اسی طرح اعضاء سے بھی۔

تفسیر عالمانہ وَذَرُوْا اور اے ایمان والو چھوڑ دو ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ظاہری اور باطنی گناہ اس میں صفت کو موصوف کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ یہ دراصل" الاثم الظاہر والباطن" تھا۔ یہاں پر اثم سے وہ عمل مراد ہے جو گناہ کا سبب بنے۔ اسی طرح اس سے ہر قسم کے گناہوں کا ترک کرنا مراد ہے اور وہ ان دونوں سے خالی نہیں اس لئے کہ گناہ یا سراً ہوتے ہیں یا اعلاناً۔ وہ اعمال قلوب سے ہوں یا اعضاء سے۔ اعمال اعضاء کو ظاہراً کیا جاتا ہے۔ جیسے اقوال و افعال اور اعمال قلوب کو باطناً جیسے عقائد فاسدہ و عزائم باطلہ اور حقیقی ظاہرہ گناہ دنیا طلبی ہے اور باطنی گناہ عقبیٰ کی نعمتوں کی خواہش ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں بندے کو مولا سے دور کرنے والے ہیں ؎

ظاہر و باطن پاک کن از لوث گناہ
تا کہ پاکیزہ شوی در صف مردان الہ

ترجمہ: ظاہر و باطن کو گناہ کی آلائش سے پاک کر تا کہ مردانِ خدا کے آگے تو پاکیزہ ہو۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْسِبُوْنَ الْاِثْمَ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ سَیُجْزَوْنَ عنقریب آخرت میں سزا پائیں گے۔ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ۔ اس سبب سے جو دنیا میں گناہوں کا ارتکاب کرتے تھے۔ اس لئے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں سے اجتناب کرنا لازم ہے ؎

جملہ دانند ایں اگر تو نکروی
ہرچہ میکارش روزے بدروی

ترجمہ: تمام کو معلوم ہوگا اگر اس دنیا پر فریفتہ نہ ہوگا جو تو بوئے گا وہی اٹھائے گا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسے انسان کا ظاہر بنایا جسے بدنِ انسانی سے تعبیر کرتے ہیں اور اس کا باطن بھی جسے قلبِ روحانی کہا جاتا ہے۔ اسی طرح بعض گناہ باطنی بنائے۔ وہ یہ ہیں کہ انسان کے اندر مادہ حیوانی و سبعی و شیطانی رکھا کہ انہی عادات کا نفس خوگر ہے اسی بنا پر فرمایا "وذروا ظاہر الاثم و باطنہ" یعنی اعمال شرعیہ پر عمل کرکے افعال طبعیہ کو چھوڑدو۔ اسی طرح اخلاق ملکیہ روحانیہ کی عادت پیدا کرکے خصائل مذمومہ نفسانیہ کا ترک کرو۔ ان الذین یکسبون الاثم ظاهره و باطنہ۔ بے شک وہ لوگ جو ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ اس سے عام اعمال و اخلاق مراد ہیں۔ سَیُجْزَوْنَ بِمَا کَانُوْا یَقْتَرِفُوْنَ انہیں ان کے کردار کی سزا ملے گی جلدی یا دیر سے۔ وہ سزا جو جلدی ملے گی اس کی تفصیل یہ ہے کہ جو فعل و قول انسان اپنی طبیعت کے مطابق عمل میں لاتا ہے اس سے ایک ہی سیاہی پیدا ہوتی ہے جو دل کے شیشہ پر زنگ چڑھ جاتی ہے۔ جس سے اخلاق قلبیہ روحانیہ سے منحرف ہوجاتا ہے اور اس کے نفسانی ظلمانی اخلاق قوت پکڑ جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے اس پر نفسانی خواہشات اور دنیا کی محبت اور دنیوی ارادے غالب رہتے ہیں قاعدہ ہے کہ جو خواہش نفسانی کے مطابق سرزد ہو تو اس سے دل کی زنگ پیدا ہوتی ہے۔ بلکہ دل کی قساوت زور پکڑ جاتی ہے۔ جس سے بندہ اللہ تعالیٰ سے محجوب ہوجاتا ہے کما قال تعالیٰ کلا بل ران علی قلوبهم ما کانوا یکسبون" اور وہ سزا جو اسے دیر سے ملے گی اُس کی تفصیل یہ ہے کہ انہی موانع و حجابات (جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے) کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ سے بالکل جدا اور منقطع ہو جائے گا۔ پھر وہ دائمی طور پر محجوب اور عذاب یافتہ رہے گا اور اسے ہمیشہ کے لئے جہنم کے عذاب میں مبتلا رکھا جائے گا۔ (کما قال تعالیٰ) کلا انهم عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ۔ کذا فی التاویلات النجمیہ

مسئلہ: تمام مجرم اللہ تعالیٰ کی مشیت کے رحم و کرم پر گزار رہے ہیں بلکہ اسی کی مشیت کے ماتحت ہیں انہیں معلوم نہیں کہ خاتمہ کا کیا بنے گا۔

سبق: مجرم کو کسی دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتا۔ کسے معلوم ہے کہ وہ کریم کس پر لطف و کرم فرمائے۔ اُس نے جسے معاف کرنا ہے اس کے لئے پہلے لکھ دیا ہے اور وہ بہت قلیل ہیں۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے بصرہ میں ایک قوم کو دیکھا کہ ایک جنازہ لئے جا رہے ہیں۔ اُن کے ساتھ کوئی جنازہ کی متابعت کرنے والا نہیں۔ میں نے اُن سے پوچھا کیا وجہ ہے کہ اس کے ساتھ لوگ متابعت کے لیے نہیں چلے۔ انہوں نے کہا کہ یہ بہت بڑا مجرم ہے۔ موصوف فرماتے ہیں میں نے اس کے لیے دعائے خیر کی اور اپنے ہاتھ سے اسے قبر میں اُتارا۔ پھر آکر ایک درخت کے نیچے سو گیا نیند میں دیکھا کہ آسمان سے دو فرشتے نازل ہو کر اس کی قبر میں داخل ہو گئے۔ ایک فرشتہ نے اس کے قریب بیٹھ کر دوسرے کو کہا کہ اسے لکھئے کہ یہ جہنمی ہے اس لئے کہ اس کا کوئی عضو بھی گناہ سے خالی نہیں۔ دوسرے فرشتے نے کہا اس کے لئے عجلت نہ کیجئے اس کی آنکھوں کو دیکھئے ممکن ہے اس میں کوئی نیکی موجود ہو۔ اس نے کہا کہ میں نے آنکھوں کو بھی گناہوں سے پُر پایا ہے اس لئے کہ یہ ہر وقت غیر محرم کو بُری نگاہ سے دیکھا کرتا تھا۔ پھر کہا کہ اس کے کانوں کو دیکھ۔ اس نے دیکھا اس کے کان بھی برائیوں سے پُر ہیں۔ اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھو اُس نے کہا کہ زبان کو بھی دیکھا ہے۔ زبان بھی ہر بری بات کہنے اور ہر حرام کھانے اور اس کی لذت پانے سے پُر ہے اُس نے کہا اس کے ہاتھوں کو دیکھئے۔ اس نے کہا ہاتھ بھی نجاسات اور امور مذمومہ سے بھرے پڑے ہیں اس نے کہا اس کے پاؤں کو دیکھئے اس کے کہا پاؤں بھی خالی از معاصی نہیں۔ اس پر دوسرے فرشتے نے کہا۔ پھر بھی عجلت اچھی نہیں۔ مجھے بھی دیکھنے دے چنانچہ وہی دوسرا فرشتہ اس میت کے قریب آیا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائی تیرا ہر رگ و ریشہ جرم و خطا سے ملوث ہے یہ کہہ کر اُس کے دل کو ٹٹولا اور کہا کہ اس میں ایمان تو موجود ہے فلہٰذا اسے مرحوم و مسعود لکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم نے اس کے گناہ مٹائے اور اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ؎

عروسی بُود نوبت ماتمت
گرت نیک روزی بود خاتمت

یعنی اگر تیرا خاتمہ ایمان پہ ہوا تو تیرہ وہ دن عید اور خوشی کا ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عفو اور اس کی رحمت کا سوال کرتے ہیں ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

ترجمہ:۔ اے اللہ بنو فاطمہ (آل نبی) کے طفیل ایمان پر میرا خاتمہ فرما۔

تفسیر عالمانہ وَلَا تَاْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۔ [۱۲۱]

عمداً وہ نہ کھاؤ جس پر ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا جائے۔

مسئلہ: بھول کر بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑ دیا تو اس جانور کا کھانا جائز ہے۔ اس لئے کہ بھولنے والا مکلف نہیں۔ علاوہ ازیں ہر مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر ہر وقت موجود ہے۔

مسئلہ: عمداً بسم اللہ اللہ اکبر چھوڑے تو اس جانور کا کھانا حرام ہے۔ اس لئے کہ جس نے عمداً چھوڑا تو گویا اس نے دل والے ذکر کو بھی چھوڑ دیا اس لیے یہ جانور مردار کے حکم میں ہوگا۔ کیوں کہ یہ اس حکم میں داخل ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہیں ہوا۔

مسئلہ: ذبح کے وقت جس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا جائے وہ بھی حرام ہے۔

وَاِنَّهٗ: یہ ضمیر کھانے یا اللہ تعالیٰ کا نام نہ لینے کی طرف راجع ہے۔ لَفِسْقٌ اور البتہ وہ فسق ہے یعنی جو چیزیں حرام ہیں ان کی طرف جانا فسق ہے۔

مسئلہ: حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کے نزدیک جس جانور پر ذبح کے وقت عمداً بسم اللہ چھوڑی جائے وہ حرام ہے۔

شانِ نزول مشرکین نے اہلِ اسلام سے جھگڑا کیا کہ جس جانور کو تم قتل کرتے ہو وہ تو حلال ہے اور جسے اللہ تعالیٰ مارتا ہے وہ کیوں حرام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کے سوال کا جواب عمومی طور دیا کہ جس جانور پر اللہ تعالیٰ کا نام مذکور نہ ہوگا وہ حرام ہے۔ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ یعنی ابلیس اور اس کا سارا لشکر لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ البتہ وسوسہ ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کے دل میں یعنی مشرکین کے دل میں وسوسہ ڈالتے ہیں اور وحی بھی القاء المعنیٰ الی النفس مع الخفیہ یعنی پوشیدہ طور کوئی بات کسی کے دل میں ڈالنا۔ لِيُجَادِلُوْكُمْ اے مومنو! وساوس شیطانیہ سے مردار کے حلال قرار دینے میں تمہارے سامنے جھگڑتے ہیں۔ اِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اور اگر حرام کو حلال قرار دینے میں تم ان کے باطل خیالات کی موافقت کروگے۔ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ بے شک تم بھی مشرک ہوگے۔ اس لئے کہ جو طاعتِ الٰہی ترک کرکے غیر اللہ کی طاعت اختیار کرتا ہے۔ گویا اس نے دینِ حق کو چھوڑ دیا اور اس نے اللہ تعالیٰ سے شرک کیا اور غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ پر پسند کیا۔ اس لئے وہ بھی انہیں سے ہو گیا۔

قاعدہ صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ صرف حکمِ الٰہی کے تحت اور اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اسی کی طلب میں کھاؤ تاکہ نورِ ذکرِ الٰہی سے طعام کی تاریکی اور اس کی شہوت دفع ہو۔

کیونکہ مقام کی تاریکی اور اس کی شہوت فسق کی طرف لے جاتے ہیں۔ تصوف میں نور روحانی سے نکل کر ظلمت نفسانیہ کی طرف جانے کو فسق کہتے ہیں۔

حدیث شریف: شیطان ہر طعام کو حلال سمجھتا ہے۔ ہاں جس پر اللہ تعالیٰ کا ذکر آجائے تو وہ طعام اس پر حرام ہو جاتا ہے یعنی شیطان کا کام ہے کہ وہ طعام پر اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتا اور یہ بھی کہ ایک جب تک طعام کو کھایا نہ جائے اسے شیطان اپنے لئے حلال نہیں کر سکتا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکٹھے کھانے والوں میں سے کوئی ایک بھی بسم اللہ پڑھ لے تب بھی سنت ادا ہو جائے گی اگرچہ پڑھنے کا ثواب صرف پڑھنے والے کو ملے گا۔

مسئلہ: جو شخص ابتدائے طعام میں بسم اللہ نہیں پڑھ سکا۔ یعنی وہ بسم اللہ پڑھنا بھول گیا تھا تو اُسے چاہیے جب بھی یاد آجائے تو اس وقت کہے بسم اللہ اوّلہٗ و آخرہٗ۔ جب یہ کلمہ پڑھ لے گا تو اس کی غلطی معاف اور سنت ادا ہو جائے گی۔

مسئلہ: بخلاف وضو کے ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے اگر کوئی وضو کی ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا بھول گیا اب درمیان میں پڑھے سنت تو ادا نہ ہوگی اگرچہ پڑھنے کا ثواب ضرور مل جائے گا۔ اس لئے کہ وضو سب کا سب ایک عمل ہے۔ بخلاف طعام کے کہ اس کا ہر لقمہ علیحدہ علیحدہ عمل ہے۔

حکایت: ایک شخص طعام کھا رہا تھا۔ اسے ابتدا میں بسم اللہ پڑھنا یاد نہ رہا۔ درمیان طعام میں اسے یاد آیا تو پڑھا بسم اللہ اولہٗ و آخرہٗ۔ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے اس طریقہ سے ہنس پڑے اور فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ اس کے ساتھ شیطان طعام کو کھا رہا تھا۔ جب اس نے بسم اللہ پڑھی تو شیطان نے جتنا کھایا تھا سب قے سے نکال دیا۔

فائدہ: حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ شیطان بھی طعام کو چبا کر نگل جاتا ہے جیسا کہ ایک قوم کا مذہب ہے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان کا کھانا اگرچہ صحیح سنت سے ثابت ہے لیکن وہ صرف سونگھنے اور ہوا حاصل کرنے کے طور ہے اس لئے کہ چبانا اور نگلنا اس کے لائق ہے جو شے ذی جُثہ یعنی جسم والی ہو اور شیاطین ذی جسم ہیں لیکن نہایت لطیف۔

فائدہ: آکام المرجان میں ہے طعام اور پانی اور لباس اور دیگر وہ اشیاء کہ جن سے نفع حاصل کرنا مقصود ہے ان پر اللہ کا نام اگر نہ لیا جائے تو انہیں شیطان تصرف کرتا اور خود شریک ہو جاتا ہے یا تو سرے سے اس شے کو ضائع کر دیتا ہے یا کم از کم اس میں نحوست ضرور ڈالتا ہے۔

حکایت: حضرت ثعلبہ فرماتے ہیں میں نے اپنے لئے ایک شربت بنائی اسے تیار کر کے رکھ دیا اس نیت پر کہ اسے صبح کو پیوں گا۔ صبح کو اٹھا تو وہ شربت غائب تھی۔ بعد تلاش آخر نہ ملی۔ پھر دوسری شربت

تیار کی اور اس پر سورۃ یٰسین پڑھ کر رکھدی اور وہی ارادہ کہ صبح کو پیؤں گا۔ صبح کو اٹھ کر دیکھا کہ شیطان اندھا ہو کر گھر کے گرد پھر رہا ہے لیکن شربت تک پہنچنا تو کجا وہ اس گھر میں بھی نہ جا سکا۔

حدیث شریف شیطان شے کو محسوس کر لیتا ہے اور پھر وہ اسے چاٹنے کیلئے کوشش کرتا ہے۔ بنا بریں تمہارے لئے لازم ہے کہ سوتے وقت اپنے ہاتھ وغیرہ دھو کر سویا کرو۔ ورنہ اگر کسی کے ہاتھ وغیرہ کو کوئی دُکھ پہنچے تو پھر وہ اپنے نفس کو ملامت کرے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس طعام کو حرام کیا ہے کہ جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ اس لئے حرام کیا ہے کہ بندۂ عارف اللہ تعالیٰ کا حبیب ہے اور حبیب کا کام ہے کہ اپنے کھانے پینے اور لباس اور بسترہ غرضیکہ جو فعل بھی کرتا ہے اس میں اپنے حبیب کا نام لیتا ہے دیکھئے یعقوب علیہ السلام سے محبت تھی اس لئے وہ اُٹھتے بیٹھتے و دیگر جملہ امور میں یوسف علیہ السلام کا نام لیتے تھے۔

نکتہ : ذبح کے وقت اللہ تعالیٰ کا نام اس لئے لیا جاتا ہے کہ نزع کی گھڑی سخت کڑوی ہوتی ہے اور اللہ کا نام ہر شے سے میٹھا ہے بنا بریں ہمیں جانور پر اللہ کا نام لینے کا حکم ہے کہ نزع کے وقت جب جانور اللہ کا نام سنتا ہے تو اس کی سختی دُور ہو جاتی ہے۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا " لقنوموتاکم بشہادۃ ان لا الٰہ الا اللّٰہ" اپنے مُردوں کو کلمہ شہادت کی تلقین کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نام کی برکت سے مردے پر سکرات آسان ہو جاتی ہے علاوہ ازیں جب زندہ کرنا اور مارنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے تو پھر ذبح کے وقت بھی صرف اسی کا نام لیا جائے نہ کہ اس کے غیر کا۔

مسئلہ : حضور علیہ السلام نے ذبح کے وقت جن یعنی شیطان کا نام لینے سے رُوکا ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ اس کے لئے کوئی شے ذبح کی جائے۔

حکایت بعض خلفاء نے ایک کنواں کھدوایا۔ اس کے افتتاح کے وقت چاہا کہ ایک جانور جنات کے نام ذبح کیا جائے تاکہ کنویں کا پانی کم نہ ہو۔ چنانچہ جن کا نام لیکر وہ جانور لوگوں کو تقسیم کر دیا۔ یہ بات حضرت ابن شہاب کے ہاں پہنچی تو انہوں نے فرمایا جانور حرام کیا اور لوگوں کو حرام کھلایا۔

دریائے نیل کی رسم کو فاروق اعظم نے مٹایا مصریوں کی قبل اسلام یعنی دورِ جاہلیت میں عادت تھی کہ ایک نوجوان کنواری حسین لڑکی کو اچھے کپڑے پہنا کر دریائے نیل میں ڈال دیتے۔ اسلام کی برکت سے یہ رسم ختم ہوئی اور اس رسم کو اس نے مٹایا جس سے جنات ڈرتے تھے یعنی حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے۔ آپ نے دریائے نیل کو خط لکھ کر یہ رسم ختم کی اور قیامت تک دریائے نیل کو ایسا جاری کیا کہ اب کبھی بند ہونے کا نام نہیں لیتا۔

سبق اسی طرح اس دل کے چشمہ کو کوئی کھولنا چاہے تو پھر سوائے اللہ تعالیٰ کے حکم کے کسی کی پرواہ نہ کرے۔ اس طرح کرنے پر اسے کسی کی ضرورت بھی نہ رہے گی۔ یاد رہے کہ ہر زمانہ میں ایسے حضرات کی کمی نہیں یعنی ایسے حضرات ہر زمانہ میں ہوتے ہیں۔

نسخۂ روحانی جو شخص اللہ تعالیٰ کے اسم کا وظیفہ پر مداومت کرے تو پھر نہ اُسے آگ جلا سکتی ہے اور نہ اسے پانی ہی غرق کر سکتا ہے اور نہ ہی سانپ ڈس سکتا ہے اور نہ اس پہ زہر اثر کر سکتی ہے کہ ہر ضرر رساں شے اللہ تعالیٰ کے ڈرنے والے سے خوف کھاتی اور ڈرتی ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے مکمل طور ڈرتا ہے تو کائنات اس کے قبضے میں دی جاتی ہے۔

۱۔ تو گردن از حکم داور مپیچ
کہ گردن نہ پیچد ز حکم تو ہیچ

۲۔ محالست چوں دوست دارد ترا
کہ در دست دشمن گذارد ترا

ترجمہ: ۱۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے تو گردن نہ موڑ تیرے حکم سے کوئی گردن نہ موڑ یگا۔
۲: اگر وہ تجھ سے محبت کرتا ہے تو محال ہے کہ وہ تجھے دشمن کے قبضہ میں دے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی مکان میں جنات کے وہم سے دھونی دینا اور گلاب کا پانی چھڑکنا یا پانی کے چھینٹے مارنا (عملی) شرک ہے ایسے امور سے بچنا ضروری ہے۔

مسئلہ: کسی مرغ کے بے وقت اذان دینے کو منحوس سمجھ کر ذبح کرنا بھی (عملی) شرک ہے اس لئے کہ بعض مرغ سحر سے پہلے بے وقت اذان دے دیتے ہیں۔ تو بعض لوگ اسے مکان میں جنات کی تاثیر سمجھ کر اس مرغے کو جنات کے لئے ذبح کر دیتے ہیں۔ اس خطرہ سے کہ اگر اس طرح نہ کیا جائے گا تو جان و مال اور اہل و عیال کو جنات نقصان پہنچائیں گے یا کوئی بلا و آفت، نازل ہوگی۔

مسئلہ: مخلص مومن اس طرح کا عقیدہ نہیں رکھتا۔ بلکہ ایسے مرغے کو نہ منحوس سمجھتا ہے اور نہ ہی اُس کے کھانے سے انکار کرتا ہے بلکہ سرے سے ایسے توہمات میں پھنستا ہی نہیں۔

اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ
بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ
كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا
فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا
بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى
نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ
سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا
كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ
لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا
يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ؕ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا
يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ
لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ۚ يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ قَدِ
اسْتَكْثَرْتُمْ مِّنَ الْاِنْسِ ۚ وَقَالَ اَوْلِيٰٓؤُهُمْ مِّنَ الْاِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ
بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَّبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِيْٓ اَجَّلْتَ لَنَا ؕ قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ
خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۸﴾
وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ: اور کیا وہ کہ مردہ تھا تو ہم نے اسے زندہ کیا اور اس کے لیے ایک نور کر دیا جس سے لوگوں میں چلتا ہے

وہ اس جیسا ہو جائے گا جو اندھیروں میں ہے ان سے نکلنے والا نہیں۔ یونہی کافروں کی آنکھ میں ان کے اعمال بھلے کر دیئے گئے ہیں[۱۲۲] اور اسی طرح ہم نے ہر بستی میں اس کے مجرموں کے سرغنہ کئے کہ اس میں داؤں کھیلیں اور داؤں نہیں کھیلتے مگر اپنی جانوں پہ اور انہیں شعور نہیں[۱۲۳] اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آئے کہتے ہیں ہم ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہمیں بھی ویسا ہی نہ ملے جیسا اللہ کے رسول کو ملا اللہ خوب جانتا ہے جہاں اپنی رسالت رکھے عنقریب مجرموں کو اللہ کے ہاں ذلت پہنچے گی اور سخت عذاب بدلا ان کے مکر کا[۱۲۴] اور جسے اللہ راہ دکھانا چاہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے گمراہ کرنا چاہے اس کا سینہ تنگ خوب رکا ہوا کر دیتا ہے گویا کسی کی زبردستی سے آسمان پر چڑھ رہا ہے اللہ یونہی عذاب ڈالتا ہے ایمان نہ لانے والوں کو[۱۲۵] اور یہ تمہارے رب کی سیدھی راہ ہے ہم نے آیتیں مفصل بیان کر دیں نصیحت ماننے والوں کے لئے ان کے لئے[۱۲۶] سلامتی کا گھر ہے۔ اپنے رب کے یہاں اور وہ ان کا مولا ہے یہ ان کے کاموں کا پھل ہے[۱۲۷] اور جس دن ان سب کو اٹھائے گا اور فرمائے گا اے جن کے گروہ تم نے بہت آدمی گھیر لئے اور ان کے دوست آدمی عرض کریں گے اے ہمارے رب ہم میں ایک نے دوسرے سے فائدہ اٹھایا اور اپنی میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی تھی۔ فرمائے گا آگ تمہارا ٹھکانا ہے ہمیشہ اس میں رہو مگر خدا جسے چاہے اے محبوب بے شک تمہارا رب حکمت والا علم والا ہے[۱۲۸] اور یوں ہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں بدلا ان کے کئے کا۔[۱۲۹]

تفسیر عالمانہ

۱۲۲ أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا شانِ نزول: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ابو جہل بد بخت نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر گوبر پھینکے اس کا علم حضرت حمزہ کو ہوا۔ اس وقت حضرت حمزہ دولتِ ایمان سے نہیں نوازے گئے تھے ان کو ابو جہل کی اس بدبختی کا علم اس وقت ہوا۔ جب وہ شکار سے واپس آرہے تھے اور آپ کے پاس تیر و کمان بھی تھا۔ آپ سیدھے ابوجہل کے ہاں چلے گئے اور جاکر وہی کمان اس کے سر پہ مارا۔ ابو جہل نے کہا تم اس کی طرف داری کرتا ہے جس نے ہمیں تنگ کر رکھا ہے اور ہمارے معبودوں کو گالی دیتا ہے۔ آپ نے اسے فرمایا تمہارے جیسا پاگل اور بے وقوف اور کون ہوگا کہ پتھروں کے بت اپنے ہاتھوں سے خود گھڑتے اور پھر اُن کی پرستش کرتے ہو۔ سُن لو اب سے میں مسلمان ہوں۔ پھر آپ نے پڑھا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ وان محمدًا عبدہ ورسولہ اس پہ یہ آیات نازل ہوئیں۔ آیت میں ہمزہ انکاری نفی کے لئے اور واؤ عاطفہ ہے۔ جملہ اسمیہ کو اس کے اپنے جیسے جملہ پر عطف ڈالنا مطلوب ہے۔ چنانچہ فحوائے کلام سے معلوم ہوتا ہے۔ اب مطلب یہ ہوا کہ اے مومنو کیا تم مشرکین اور مردوں کی طرح ہو سکتے ہو۔ فَاَحْيَيْنٰهُ پس ہم نے انہیں زندہ کیا یعنی ہم نے انہیں زندگی اور دیگر قوائے

مدرکہ و متحرکہ عنایت فرمائے۔

وَجَعَلْنَا لَهٗ اور مذکورہ بالا اشیاء کے علاوہ ہم نے اُن کے لئے خارج سے بنایا۔ نُوْرًا بہت بڑا اور۔ یَمْشِیْ بِهٖ" جو اس کے سبب سے چلتا ہے۔ فِی النَّاسِ لوگوں میں۔ یعنی ایک دوسرے کو نقصان پہنچانے سے بچ کر چلتے ہیں۔ كَمَنْ مَثَلُهٗ۔ صفت عجیبہ میں اس کی مثال ہے ظلمات، میں یہ خبر ہے۔ اس کا مبتدا محذوف ہے۔ ای هُوَ فِی الظُّلُمَاتِ (لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا) اس سے وہ کسی حال میں نکلنے والا نہیں۔ یہ فی الظلمات ظرف کی ضمیر مُستتر سے حال ہے۔ پہلا مَنْ موصولہ ہے اور اس کی خبر كَمَنْ مَثَلُهٗ ہے اور یہ من موصولہ ہے اس کا صلہ وہ جملہ اسمیہ ہے جو اس سے پہلا اُس شخص کی مثال ہے جسے منجانب اللہ ہدایت ہوئی ہو اور اُسے اللہ تعالیٰ نے اس کو حجج و آیات، کے نور سے نوازا ہو اور وہ انہیں کے ذریعہ اشیاء میں عوروفکر کرکے حق و باطل اور حق والے کا امتیاز کرسکے۔ جیسے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو نصیب ہوا دوسرا مَن اس شخص کی تمثیل ہے جس کو گمراہی گھیر لے اور مرتے دم تک، اُسے نہ چھوڑے جیسے ابوجہل وغیرہ کا حال تھا۔ كَذٰلِكَ جیسے مومن کو ایمان کی (زُیِّنَ) زینت، دی جائے۔ یعنی منجانب اللہ بطریق تخلیق یا منجانب شیطان بطریق وسوسہ " لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ کافروں کے لئے وہ جو عمل کرتے ہیں یعنی فنونِ کفر اور معاصی میں اپنے عمل یعنی کفر و معاصی پر مداومت، کرتے ہیں۔ اس ظلمات، کفر اور گمراہی میں رہ کر نورِ ایمان وہدایت کی طرف راہ نہیں پاتے۔

تفسیرِ صوفیانہ ارباب حقیقت فرماتے ہیں کہ موت ہولئے نفس اور حیاتِ حق کا نام ہے۔ یا یُوں کہو کہ موت دُوری کو کہتے ہیں اور حیات معرفت اور حیات بشریت، میں یہی فرق ہے کہ عوام حیات بشریت سے زندہ رہتے ہیں لیکن وہ اپنی بشریت میں میّت ہوتے ہیں۔ یعنی جس طرح میّت کے جسم کا ڈھانچہ بے حس و حرکت ہوتا ہے اسی طرح عوام کی کیفیت ہے کہ وہ بھی اس حیات بشریت، میں بے خبر ہو کر گزارتے ہیں اور اہل اللہ کی حیات، معرفت کی زندگی ہوتی ہے۔ جب ان کی بشریت کی حیات ان سے زائل ہو جاتی ہے قال تعالیٰ كل نفس ذائقة الموت۔ حیات معرفت ان سے وہ زائل نہیں ہوتی۔ کما قال تعالیٰ لنحیینہ حیوۃ طیبہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا "المومن حیّ فی الدارین" مومن دونوں عالم میں زندہ ہیں ؎

نمیرد ہر کہ اجانش تو باشی
خوشا جانی کہ جانانش تو باشی

ترجمہ: وہ نہیں مرا جس کی جان تم ہو وہ خوش قسمت روح ہے جس کا تو محبوب ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ترجمہ : وہ نہیں مرتا جس کا دل عشق سے زندہ ہے لکھا ہے صحیفہ عالم پر ہمارا نام ہمیشہ۔

فائدہ : فارسی تفسیر میں ہے کہ شاہ کرمانی نے یہی آیت (اَوَمَنْ کَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰہُ) پڑھی اور فرمایا کہ اسی آیت کی تین نشانیاں ہیں۔ (۱) مخلوق سے علیٰحدگی (۲) خالق سے خلوت (۳) دل اور زبان کے ذکر پر مداومت کرنا۔ کسی بزرگ نے اس آیت کا معنی اشعار میں یوں بیان کیا ہے ؎

بر روئے خلائق در صحبت بکشائے
می باش بکلی متوجہ بخدائے
غافل مشو از ذوق دل و ذکر زبان
تا زندۂ جاوید شوی در دو سرائے

ترجمہ : مخلوق پر صحبت کا دروازہ نہ کھول مکمل طور اللہ کی طرف متوجہ ہو۔
: غافل نہ ہو ذوق دل اور ذکر زبان سے جب تک تو زندہ ہے تو دونوں جہانوں میں تجھے ہمیشگی نصیب ہوگی۔

فائدہ : حقیقی زندہ وہی ہے جو نہ مرتا ہے اور نہ اس پر کبھی موت آ سکتی ہے اور وہ ایک ذات ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُس کے ماسوا باقی سب مردہ ہیں اس لئے کہ وہ پہلے بھی معدوم تھے اور پھر بالآخر وہ مٹ جائیں گے حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا : ؎

من ہماندم کہ وضو ساختم از چشمۂ عشق
چار تکبیر زدم یکسر تر ہر چہ کہ ہست

ترجمہ : میں نے اس وقت سے چشمۂ عشق سے وضو کیا پھر ہر موجود پر کلی طور چار تکبیر کہہ ڈالی ہے۔
یعنی تمام مخلوق کو میں نے مُردہ پایا بوجہ وصال اور مقام عشق و فنا کے نسخہ روحانی حضرت شیخ اکبر قدس سرہ نے فرمایا کہ وہ انسان جو مخلوق کے لیے یوں عقیدہ رکھے کہ انکا اپنا کوئی فعل نہیں تو وہ کامیاب ہو گیا اور جس نے مخلوق کیلئے یوں عقیدہ رکھا کہ اسے فنا ہی فنا ہے۔ تو واصل باللہ ہو گیا۔

حکایت : حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں ایک راہب سے گزرا۔ اس سے میں نے پوچھا کہ آپ یہاں کتنا عرصہ سے رہتے ہیں اس نے کہا بیس سال سے میں نے پوچھا کوئی ساتھی بھی ہے فرد صمد۔ اللہ تعالیٰ ساتھ ہے تو اور ساتھی کی کیا ضرورت ہے۔ میں نے کہا کہ وہ تو ہر ایک کا ساتھی ہے میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی مخلوق سے بھی ہے کہا وحشت میرا ساتھی ہے میں نے پھر پوچھا کھاتے کیا ہو۔ کہا ذکر اللہ سے بھوک

مٹ جاتی ہے میں نے کہا آخر آپ انسان ہیں بتقضائے بشریت کچھ تو آپ کھاتے ہوں گے۔ کہا درختوں کے پتے اور ان کے میوے اور زمین کی انگوریاں۔ پھر میں نے سوال کیا آپ کو کسی کے ملنے کا شوق بھی ہوتا ہے کہ ہاں قلوب العارفین کے محبوب کا ہر وقت شوق دامنگیر رہتا ہے میں نے کہا مخلوق میں سے کسی کا بھی تو ہوگا۔ اُس نے کہا جس کا لگاؤ ذات حق سے ہو اسے کسی کی ضرورت نہیں رہتی۔ میں نے کہا آپ تنہائی میں کیوں رہتے ہیں فرمایا کہ لوگ عقل کے ڈاکو بلکہ راہِ ہدایت چھیننے والے چور ہیں۔ میں نے اُن سے عرض کیا فرمایئے کہ بندے کو راہِ ہدایت کس طرح نصیب ہوتی ہے۔ فرمایا جب ماسوی اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کا ہو جائے اور اس کے ذکر کے سوا کسی کے ذکر کا خیال تک نہ لائے۔

قاعدہ : ہر سالک کا سلوک کا آخری قدم مالک الملک کے ہاں ہوتا ہے۔

حکایت حضرت عبدالواحد بن زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں بیت المقدس کی زیارت کیلئے روانہ ہوا ایک جگہ راستہ بھول گیا۔ کچھ آگے بڑھا تو ایک بڑھیا کو دیکھا۔ مجھے محسوس ہوا کہ وہ بھی میری طرح راستہ بھول گئی ہے۔ اُس نے فرمایا عارف باللہ کبھی مسافر ہوتا ہی نہیں پھر اس کے لئے راستہ بھولنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ جب وہ اللہ تعالیٰ جیسے مالک سے محبت رکھتا ہے تو راستہ کیوں بھولے یہ کہہ کر مجھے فرمایا کہ میرے عصا کا سرا پکڑ کر میرے آگے آگے چلتے جایئے۔ چنانچہ میں نے اُن کے فرمان پر اُن کے عصا کو پکڑ کر آگے چل پڑا صرف پانچ چھ قدم ہی چلا تھا کہ بیت المقدس میں پہنچ گئے۔ میں سمجھا کہ شاید میری غلطی ہو ورنہ کہاں بیت المقدس اور کہاں ہم۔ مائی بڑھیا نے فرمایا۔ بندہ خدا تم زاہدوں کی رفتار کے خیال میں ہو اور میں تمہیں عارفوں کی رفتار پر یہاں لے آئی ہوں۔ زاہد پاؤں سے چلتا ہے اور عارف پروں سے اُڑتا ہے۔ چلنے اور اڑنے میں بہت بڑا فرق ہے یہ کہہ کر وہ بی بی مجھ سے غائب ہو گئی اور پھر تا حال مجھے اس کی زیارت نصیب نہیں ہوئی۔

سبق اس سے ثابت ہوا کہ عارف کامل اللہ تعالیٰ کے نور سے چلتا ہے اور جہاں اور جیسے چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ لیکن جاہل ہمیشہ حیران و سرگردان رہتا ہے اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملتا جہاں اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم رہبری کرے تو پھر اس کی قسمت۔

فائدہ : عارف اور جاہل کی مثال نابینا اور بینا کی ہے۔ جیسے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے ایسے ہی عالم وجاہل ہم مرتبہ نہیں ہوسکتے۔ خواہ عالم شریعت ہو یا عالم طریقت و معرفت و حقیقت۔ اسی طرح اہل حال اور اہل قال کا فرق سمجھئے۔

قاعدہ : نور کی عظمت وسعت قلب کے نور کے مطابق ہوتی ہے۔ قلب اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ جس طرح اس کا تبدل و تغیر چاہتا ہے کرتا ہے اس لئے اہلِ ایمان کیلئے نیکیاں اور طاعات مزین

فرمائی ہیں اور اہل کفر کو برائیاں اور شرور اچھے لگتے ہیں۔

مسئلہ: یاد رہے کہ بندہ مجبور محض نہیں بلکہ اسے اختیار ہوتا ہے کہ برائیوں سے دور رہے اور نیکیاں کرے۔ ہاں جب وہ اپنی استعداد کو صرف برائی میں لگا دیتا ہے تو پھر دائمی طور برائیوں میں پھنس کر نفس کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔

یہ تقریر ظاہری احکام کے مطابق ہے ورنہ حقیقت یہ ہے کہ لفظ احیا و جعل سے تو ثابت ہوتا ہے کہ تمام اللہ تعالیٰ کا کام ہے مگر یہ ان لوگوں کے متعلق ہے جو فانی فی اللہ ہو کر بحر توحید میں غوطہ زن ہیں۔ ان کا عقیدہ ہے کہ کل شیٔ اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے اور ہر شے میں اسی کی تاثیر ہے۔

سبق سالک پر لازم ہے کہ اسے بھلائی نصیب ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر کرے کہ اس کریم نے اپنی کریمی سے بھلائی کی توفیق بخشی۔ اس پر مداومت کرنے سے دائرہ تحقیق میں قدم رکھنے کا موقعہ نصیب ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ بہت سے امور متقلدانہ طور کرنے سے محقق بنا دیتے ہیں۔ (و اللہ الہادی)

۱۲۳ وَكَذٰلِكَ اور جیسے مکہ میں اُن کے لیڈروں نے انہیں گمراہ کیا۔ ایسے ہی جَعَلْنَا فِیْ كُلِّ قَرْيَةٍ ہم نے ہر دیہات میں بنائے ہیں۔ فِی كُلِّ قَرْيَةٍ جَعَلْنَا سے متعلق ہے۔ اَكٰبِرَ بمعنی لیڈر۔ یہ جعلنا کا مفعول ثانی ہے اور اکبر بمعنی عظیم کی جمع ہے۔ مُجْرِمِيْهَا یہ مفعول اوّل اور مجرم کی جمع ہے فارسی میں بمعنی گنہگار۔ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ وہ اس دیہات میں مکر و فریب کا جال بچھائیں۔ اس لئے کہ ان لیڈروں کو عوام کو بہکانے پر قدرت حاصل ہوتی ہے اور انہیں مکر و فریب اور دھوکہ دہی پر ہر طرح کے اسباب مہیا ہوتے ہیں اور عوام کو پھنسانے اور غلط طریقوں پر چلانے کا حربہ استعمال کر سکتے ہیں۔

فائدہ: قریش کے سرداروں کا کام تھا کہ وہ مکہ کے بڑے بڑے چوکوں اور مشہور شاہراہوں پر چار چار آدمی بیٹھا دیتے جو آنے جانے والے لوگوں کو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے متنفر کرنے کی باتیں کرتے اور مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کے منکر کرنے پر بہت بڑی جد و جہد کرتے اور ہر جانے والے سے اپیل کرتے کہ جہاں جاؤ جس سے ملو یہی مشہور کرو کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ساحر و کذاب ہیں۔ (معاذ اللہ)

فائدہ: بغوی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ وہ ہر پیغمبر علیہ السلام کے تابعدار جن دیہاتوں میں پیدا فرمائے تو غریب اور مالی لحاظ سے کمزور۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ میں ہے کفار نے کہا اَنُؤْمِنُ لَكَ وَاتَّبَعَكَ الْاَرْذَلُوْنَ۔ اور ان کا ہر مخالف دنیادار اور ہر لحاظ سے بہت بڑا طاقتور ہوتا ہے تاکہ دینِ حق کے خلاف وہ اپنی ہر طرح کی طاقت و قوت کو استعمال کر سکے۔

قاعدہ قرآنی اصطلاح میں مکر زمین پہ خفیہ طور فساد پھیلانے اور شر اور فساد کو فروغ دینے کو کہا جاتا ہے۔

فائدہ: آیت میں حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کو مخالفین کی شرارت سے ملال نہ کرنی چاہیے اس لئے کہ آپ سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بھی لوگ اسی قسم کی شرارتیں کیا کرتے تھے وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ۔ اور یہ مکر و فریب اپنے ساتھ کر رہے ہیں اس لئے کہ اس کا وبال بالآخر انہیں کو پہنچیگا۔ وَمَا۔ یہ واو حالیہ اور ما نافیہ ہے۔ يَشْعُرُوْنَ ° حالانکہ وہ اسے سمجھتے ہی نہیں اس لئے وہ اس گمان میں ہیں کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا رہے ہیں ۵[۱۲۴] وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اور جب انکے ہاں آئی۔

ربط: جب سابقہ پیغمبروں کے منکرین کی باتیں بتائی گئیں۔ اب ضروری ہوا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفین کی علامات بھی بتائی جائیں۔ چنانچہ فرمایا کہ آپ کے مخالفین کی عادت ہے کہ جب اُن کے ہاں آتی ہیں وہ (آیۃ) آیتیں جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ۔ کہتے ہیں کہ ہم نہیں ایمان لاتے جب تک کہ ہمیں وہ نہ ملے جو سابقہ پیغمبروں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دیا گیا۔ یعنی وحی و کتاب۔

شانِ نزول مروی ہے کہ ابوجہل نے کہا ہم بنی عبد مناف سے بالمقابل رہے۔ اب شرافت و بزرگی میں وہ اور ہم برابر ہو چکے ہیں۔ اب اُن کے قبیلہ سے ایک ایسا ہے جو نبوت کا دعویٰ کر کے کہتا ہے کہ میرے ہاں اللہ تعالیٰ کی وحی آتی ہے لیکن ہم اس وقت تک راضی نہیں ہوں گے جب تک کہ ہمارے ہاں بھی وحی نہ آئے۔ گویا ان کا یہی ارادہ تھا کہ انہیں بھی نبوت و رسالت حاصل ہو جیسے کہ رسول پاک حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوئی ہے ہم سردار بن کر رہ سکتے ہیں کسی کے تابعدار ہو کر نہیں رہ سکتے۔

فائدہ: صاحب تیسیر فرماتے ہیں کہ یہ اُن کی انتہائی بے وقوفی تھی اس لئے کہ کسی کو کہا جائے کہ ایمان قبول کر لو وہ جواب دے کہ میں اس وقت ایمان لاؤں گا جب کہ مجھے بھی نبوت ملے۔

فائدہ: امام ثعلبی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہاں رُسُلُ اللّٰہ سے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس مراد ہے۔ چنانچہ دوسرے مقام پہ جمع کا صیغہ ہے۔ لیکن مراد حضور علیہ السلام ہیں وہ مقام یہ ہے قال تعالیٰ یا ایہا الرسل کلوا الخ اور یہ جمع تعظیم کی ہے۔

فائدہ: شرح تعرف میں لکھا ہے کہ جمیع انبیاء علیہم السلام کے جملہ صفات کسی نبی علیہ السلام میں جمع نہیں ہوتے یہ صرف ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ صفات جمع ہیں ؎

ہر چہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

ترجمہ: وہ جو محبوبوں کو تمام حسن ملا ہے تو اکیلا اپنے پاس رکھتا ہے۔

فائدہ: منجملہ ان اماکن کے کہ جہاں دُعا مستجاب ہوتی ہے ایک مقام یہی ہے جو کہ سورۃ ہذا کے دو بڑی عظمت والی آیتوں کے درمیان میں واقع ہوا ہے۔ اللّٰہ اعلم۔ اللّٰہ تعالیٰ خوب جانتا ہے، یعنی ہر جاننے والے سے بہت زیادہ جانتا ہے۔ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ۔ جس جس جگہ پر رسالت و نبوت رکھنا چاہتا ہے رکھتا ہے اور یہ لوگ اس کے اہل نہیں ہیں۔ اس لئے کہ اللّٰہ تعالیٰ کے نزدیک اہلیت فضائل نفسانیہ کا نام ہے نہ کہ نسب اور مال کو اہلیت کہا جائے۔

ترکیب: حیث الخ فعل مقدر یَعْلَمُ کا مفعول بہ ہے اور یہ ظرف میں وسعت کی وجہ سے جائز ہوتا ہے۔ سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا عنقریب ان مجرمین کو مصائب میں مبتلا کیا جائے گا۔ بجائے اس کے کہ وہ نبوت و رسالت کے بہت بڑے منصب کی تمنا کرکے عزت کے طالب ہیں انہیں ذلت و خواری کا منہ دیکھنا ہوگا۔ عند اللّٰہ۔ اللّٰہ تعالیٰ کے ہاں یعنی قیامت کے دن۔ یہ سیصیب کی وجہ سے منصوب ہے اور اس سے قیامت کے دن کی ذلت و خواری مراد ہے۔ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ اور بوجہ ان کے مکر و فریب کے انہیں سخت عذاب ہوگا۔ چونکہ ان کا یہی بہت بڑا جرم تھا جو مذکور ہوا۔ اس لئے ان کو عذاب شدید کا سبب واضح طور بتایا گیا۔

مرزائیوں کی تردید اس آیت سے ثابت ہوا کہ نبوت و رسالت عطیہ الٰہی ہے۔ اس کی مرضی جسے چاہے عطا کرے یہ سلطنت و حکومت کی طرح کسبی نہیں (جیسا کہ مرزائیوں نے سمجھا ہے) فلہذا نبوت کسی کی جدوجہد سے حاصل نہیں ہو سکتی اگرچہ اس میں جمیع اسباب و شرائط (نبوت) بھی پائے جائیں۔

ازالہ وہم ولایت بھی اسی طرح ہے اس لئے کہ ولایت نبوت کے لئے بمنزلہ وزارت کے ہے اس لئے یہ جدوجہد سے حاصل کی جا سکتی ہے لیکن اس کے لئے بھی ضروری نہیں کہ ہر جدوجہد کرنے والا واصل باللّٰہ ہو بلکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ یہ دولت (ولایت) مجاہدہ کے بغیر بھی نصیب ہو جاتی ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی استعداد اور فضل الٰہی بھی شامل حال ہو۔

حکایت منقول ہے کہ یمنی شیخ سیاحت کے لئے زبید سے اہواز کی جانب تشریف لے گئے آپ کے ساتھ ایک شاگرد (خلیفہ) بھی تھا۔ ان کا ایک کھیت سے گزر ہوا جس میں کماد کی موٹی چھڑیاں تھیں۔ آپ نے شاگرد سے فرمایا اس سے ایک بڑی اور موٹی چھڑی اٹھا لے۔ مرید نے حکم بجا لا کر ایک بڑی چھڑی اٹھا لی اور چل پڑے۔ شیخ ایک ایسے مقام پر پہنچے جہاں کے لوگ اتنے بے دین تھے کہ نہ انہیں نماز کا پتہ نہ دیگر عبادات کا۔ مردار کھانا ان کا کام

تھا۔ شراب پینے کے خوگر تھے۔ جب یہ دونوں پیر و مرید پہنچے تو انہیں شراب میں مست پایا۔ لہو و لعب میں مصروف اور گانے بجانے میں غرق تھے۔ شیخ نے اپنے مرید سے فرمایا کہ اس مجلس کے سرغنہ کو جو کہ طنبور بجا رہا تھا بلاؤ۔ مرید نے جا کر اُسے کہا کہ تجھے فلاں بزرگ بلا رہے ہیں۔ اس نے طنبور گلے میں لٹکایا اور شیخ کی طرف چل پڑا جب شیخ کے ہاں پہنچا تو شیخ نے مرید سے فرمایا کہ اس کا طنبور ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔ مرید نے طنبور توڑ دیا۔ شیخ نے اس مست سے فرمایا۔ چل ہمارے آگے اُس نے چلنا شروع کر دیا۔ جب دریا کے کنارے پہنچے تو شیخ نے فرمایا کپڑے اُتار کر اور انہیں پاک کر اور خود بھی نہا دھو لے۔ اُس نے شیخ کا حکم پورا کیا۔ اس کے بعد شیخ نے اسے وضو کا طریقہ بتایا اور نماز سکھائی۔ ظہر کی نماز کے وقت شیخ نے ان دونوں کو نماز پڑھائی۔ فراغت کے بعد شیخ نے مصلے اٹھا کر دریا میں ڈال دیا۔ اس نووارد مرید سے کہا کہ اس دریا والے مصلیٰ پر قدم رکھ کر چلتا جا۔ چنانچہ اُس نے دریا میں مصلیٰ پر قدم رکھا اور روانہ ہو گیا۔ جب نظروں سے اوجھل ہوا تو پرانے مرید نے واویلا شروع کر دیا کہ حضرت مجھے عرصہ ہوا آپ کے جوتے صاف کرتے ہوئے لیکن کچھ نہ ملا اور یہ بدمعاش ابھی آیا اور کامل ولی بن کر چلا گیا۔ شیخ نے رو کر فرمایا بیٹے میرے بس کی بات نہیں اور نہ ہی میں نے اُسے کامل ولی بنایا ہے میں نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانا ہے۔ اس لئے کہ مجھے حکم ہوا کہ فلاں علاقہ کا ابدال فوت ہو گیا ہے آپ فلاں شخص کو اس کے قائم مقام مقرر فرما دیجئے۔ میں نے حکم مانا جیسے کہ خدام آقاؤں کا حکم مانتے ہیں۔ بلکہ میں تو خود بھی ایسا نہیں جیسے وہ دریا میں جانے والا مراتب لے کر چلا گیا ہے۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ ولایت بھی اللہ تعالیٰ اپنی مرضی سے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چوں حسن عاقبت نہ بہ رندی و زاہدیست
آں بہ کہ کار خود بعنایت رہا کنند

ترجمہ:۔ جب تو حسن عاقبت و زاہدی از خود نہیں لے سکتا تو بہتر ہے کہ اپنے تمام امور اسی کو سپرد کر دے۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ قریہ سے انسان کا ڈھانچہ مراد ہے اور اس کے مجرمین سے وہ چیزیں مراد ہیں جو اس کے حُسن کی استعداد ضائع کر کے اسے بدبختی کا خوگر بنا لیتے ہیں۔ جیسے نفس اور خواہشات نفسانی اور شیطان۔ یمکرون فیہا سے شرع کی مخالفت اور طبع نفسانی کی موافقت مراد ہے۔ وَمَا یَمْکُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِھِمْ۔ کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے جب اپنی حسن استعداد کو ضائع کیا تو اس کا وبال اُن کی طرف عود کرے گا۔ کہ سوائے بدبختی کے انہیں اور کچھ حاصل نہ ہو گا کہ وہ دائمی طور سعادت سے محروم ہو جائیں گے وَمَا یَشْعُرُوْنَ سے مراد ہے کہ انہیں اپنے کرتوت کا پتہ نہیں چلتا۔ یہ انہیں اس وقت معلوم ہو گا جب

جہنم کی آگ میں ڈالے جائیں گے۔ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ قَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ۔ اس سے نفس وشیطان اور خواہشات نفسانی مراد ہیں اس لئے کہ ان کا طریقہ یہ ہے کہ وہ آیات الٰہی کو دیکھ کر انکار کر جاتے ہیں۔ کیوں کہ سرکشی اور انکار اُن کی فطرت میں ہے بنا بریں وہ زبانِ حال سے کہہ دیتے ہیں کہ لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِیَ رُسُلُ اللّٰهِ یہاں رسل اللہ سے قلب اور سرّو روح مراد ہیں اس لئے کہ اسرار حق اور الہامات الٰہی کے کی جلئے درود یہی ہیں۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اور اللہ تعالیٰ کے پیغامات صرف قلب اور سرّو روح اور انہیں ارجعی الی ربک کے پیغام سے نوازا جاتا ہے۔ سَیُصِیْبُ الَّذِیْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ اس سے نفس امادہ والے لوگ مراد ہیں۔ کہ صرف انہیں ذلت وخواری حاصل ہوگی کہ اللہ تعالیٰ سے دائمی طور دور ہو جائیں گے اور عذابٌ شدید سے فرقت و انقطاع مراد ہے۔ بِمَا كَانُوْا یَمْكُرُوْنَ بوجہ اس کے کہ انہوں نے حسن استعداد کو ضائع کر دیا۔ اس مکر و فریب اور شر و فساد کی انہیں یہی سزا ملے گی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۱۲۵ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ جس کیلئے اللہ تعالیٰ چاہے اسے ہدایت دینا یعنی اسے طریق حق بتلائے اور اسے ایمان کی توفیق عطا فرمائے۔ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ۔ تو اس کا سینہ اسلام کیلئے کھول دیتا ہے یعنی اس میں وسعت اور کشادگی پیدا فرماتا ہے اس سے نفس کا حق کو قبول کرنے کی استعداد مراد ہے کہ وہ استعداد نفس کے اندر حلول کر جاتی ہے اور تزکیہ سے صاف ستھرا ہو جاتا ہے اور جو امور اسے ترقی سے مانع اور منافی ہیں سب سے فارغ ہو جاتا ہے۔

خلاصہ تفسیر: آیت کا معنی یہ ہے کہ جس کے لئے اللہ تعالیٰ ایمان سے سرفراز کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو کفر سے دوری اور ایمان قبول کرنے کے اسباب اس کیلئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے اسباب اس کے لئے مضبوط کر دیتا ہے اور اس کے دل کو ایمان قبول کرنے کے لئے تیار فرماتا ہے تاکہ دل صرف ایمان کی دولت کیلئے مستعد ہو اور جتنا امور ایمان سے مانع اور اس کے منافی ہیں۔ اُن سے یکسر خالی ہو جائے۔

حدیث شریف جب یہ آیت نازل ہوئی تو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرح صدر کے متعلق سوال ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ مومن کے دل میں ڈالتا ہے پھر وہ سینہ واسع اور کشادہ ہو جاتا ہے آپ سے عرض کیا گیا کہ کیا اس کی کوئی علامت بھی ہے تو آپ نے فرمایا ہاں اس کی علامت یہ ہے کہ بندے کا رجوع دار الخلد (آخرت) کی طرف ہو جائے اور دار غرور (دنیا) سے اسے نفرت ہو اور موت کے لئے ہر وقت تیار ہے۔

فائدہ: علم دو قسم ہے (۱) علم معاملہ (۲) علم مکاشفہ۔ پہلا علم بندے کو اللہ تعالیٰ سے ملاتا ہے اور دوری کے جملہ اسباب کو مٹاتا ہے۔ یہی وجہ ہے دوسرے علم کے حصول سے پہلے اسے حاصل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ

دوسرا علم وہ ہے جو دل میں ظاہر ہوتا ہے جس کے ذریعے بندے کو غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اس لئے کہ علم اوّل علم ثانی کے لئے شرط ہے کما قال تعالیٰ " والذین جاھدو فینا لنھدینھم سُبُلنا ۔ اور اتنا ضروری کہ وہ اس سے جدا نہیں ہو سکتا۔ کیوں کہ حدیث شریف مذکور میں تصریح کی گئی ہے کہ انابت و تجافی اور استعداد علم معاملہ سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ اسی نور کی علامات سے ہیں۔

فائدہ : مکاشفہ کے فضائل میں سے ایک فضیلت یہ جو کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فضل العالم علی العابد کفضلی علیٰ اُمتی عالم دین کی فضیلت عابد پر ایسے ہے جیسے میری فضیلت ادنیٰ اُمتی پر ہے نیز مکاشفہ کے سوا باقی تمام امور عمل کے تابع ہیں اس لئے کہ ان کے ثبوت کیلئے عمل شرط ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جتنا حجابات رقیق تر ہوتے ہیں اتنا ایمان قوی تر اور دل روشن اور صاف تر ہوتا ہے یہاں تک کہ حجابات اٹھ جانے پر ایمان یقین سے بدل جاتا ہے اور دل کی نورانیت میں جونہی اضافہ ہوتا ہے تو وہ یقین عیان سے بدل جاتا ہے لیکن اُن میں حجابات کا اٹھنا شرط ہے پھر جب دل پر حق کے جمال کا جلوہ ہوتا ہے تو عیان سے عین ہو جاتا ہے لیکن اس میں جمال کے ساتھ جلال کے جلوہ کا ہونا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ ۔ اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے یعنی اس کے اندر گمراہی پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے تو اس بندے کے اپنے اختیار کے تقاضے یوں ہو جاتے ہیں کہ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا

تو اس کا سینہ تنگ کر دیتا ہے۔ ضیق بمعنی تنگ ہے۔ حَرَجًا اور ایسا تنگ کہ وہ ایمان قبول کرنے سے حرج محسوس کرتا ہے اس طرح اُس کے اندر ایمان داخل نہیں ہو سکتا۔ یعنی جس کے لئے اللہ تعالیٰ کفر کا ارادہ کرتا ہے تو اس کیلئے ایمان سے دوری اور کفر کے قرب کے اسباب تیار فرماتا ہے۔ الحرج بالفتح مصدر ہے مبالغہ کے طور اسے صفت کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور بالکسر بمعنی اسم فاعل یعنی زائد تنگی والا۔ یہ ضیق سے اخص ہے۔ اس معنی پر ہر حرج ضیق ہوتا ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر ضیق حرج ہو۔

فائدہ : بعض کے نزدیک حرج درخت کی گھنی دار جگہ کو کہا جاتا ہے۔ اب مطلب یوں ہوا کہ کافر کے دل میں ایمان کا پہنچنا ایسے مشکل ہو جاتا ہے جیسے درخت کی گھنی دار جگہ پر چڑھنے والا جانور کا پہنچنا دشوار ہے۔

كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ گویا وہ آسمان پر چڑھتا ہے۔

فائدہ : کافر کو آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دینے کی دو وجہ ہیں۔

(۱) جیسے انسان کو آسمان پر چڑھنے کے لئے کہا جائے تو اُسے آسمان پر چڑھنا سخت دشوار محسوس ہوتا ہے

اور اسے یہ فعل ایک عظیم مصیبت نظر آتی ہے تو وہ اس کام سے سخت نفرت کرتا ہے ایسے ہی کافر کو ایمان لانا سخت ترین امر نظر آتا ہے اس وجہ سے اسے ایمان سے نفرت ہوتی ہے۔

(۲) کافر کا دل ایمان سے دور ہو چکا ہے بلکہ قبول اسلام سے اس کے دل کو زمین و آسمان کی نسبت ہے اِس بنا پر اس بُعد کو زمین سے آسمان پر چڑھنے سے تشبیہ دی گئی۔ چنانچہ کاشفی صاحب اپنی فارسی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ گوئی بالا می رود دَر آسمان یعنی می گریزد از قبول حق میخواہد کہ با آسمان رَود۔ گویا کہ وہ آسمان پہ جاتا ہے۔ یعنی قبول ایمان سے آسمان کی طرف بھاگنا چاہتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ

دِل کئی قسم کے ہیں۔

(۱) بعض وہ ہیں کہ جن پر ایمان کا قبول کرنا نہایت ہی شاق ہے یہ کافروں کے دِل ہیں۔

(۲) بعض وہ ہیں جنہیں ایمان شاق تو نہیں ہوتا لیکن ایمان کے ذوق سے ناآشنا ہوتے ہیں جیسے ناقص مومن۔

(۳) بعض ان میں وہ ہیں جو کلمات عرفانیہ سے محروم بلکہ عارفین کے احوال کے بھی منکر ہیں۔ یہ وہ ہیں جو صفات حیوانیہ میں زیادہ منہمک ہیں اور ان پر صفات سبعیہ (درندگی) سوار ہیں۔ اور وہ صفات، شیطانیہ سے مغلوب ہیں۔ اِس وجہ سے انہیں رُوحانی مشارب سے روحانیت کا قطرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس وجہ سے اللہ والے اغیار سے اسرار مخفی رکھتے ہیں ؎

چرا صدف نکند چاک سینہ را صائب
دریں زمانہ کہ جوہر شناس نایاب است

ترجمہ: اے صائب صدف اپنا سینہ چاک کیوں نہیں کرتی اس لیے کہ اس زمانہ میں جوہر شناس نہیں رہے۔

كَذَٰلِكَ جعل مذکور کیطرح يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ اللہ تعالیٰ بناتا ہے رجس کو رجس سے عذاب یا رسوائی یا لعنت یا شیطان مراد ہے یعنی ان میں کسی کو مُسلّط کرتا ہے

عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ، یہاں پر علیہم کہنا چاہیے تھا لیکن مظہر کے بجائے اسم مظہر لایا گیا ہے تاکہ معلوم ہو کہ اسم مظہر کا صلہ ان پر لعنت وغیرہ کا سبب بنا یعنی اللہ تعالیٰ نے اُن پر شیطان وغیرہ کو اس لیے مسلط کیا کہ انہوں نے ایمان قبول نہ کیا اور کفر و طغیان پر اصرار کیا ۱۲۹ وَهَٰذَا اور یہ بیان جسے قرآن مجید لایا ہے۔ صِرَاطُ رَبِّكَ تیرے ربِّ کریم کا راستہ ہے یعنی یہ وہی راہ ہے جس سے وہ راضی ہے درآنحالیکہ وہ مُسْتَقِيمًا سیدھا ہے اس کے لئے جو اس پر چلتا ہے تو اُسے ٹیڑھا پن نظر نہیں آتا بلکہ یہاں تک کہ وہی راستہ اسے بہشت میں لے جاتا ہے۔

قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ، ہم نے آیات بیان کی ہیں۔ یعنی انہیں واضح اور کھلے طور بیان کیا ہے کہ اس کا

ایک مضمون دوسرے سے مخلوط نہیں ہو جاتا۔ لِقَوۡمٍ یَّذَّکَّرُوۡنَ ان لوگوں کے لئے جو نصیحت پذیر ہوتے ہیں
ان کی تخصیص اس لئے ہے کہ صرف وہی اُن سے فیض یاب ہوتے ہیں ۝۱۲۷ لَھُمۡ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے
سوال یہ ہے کہ گویا کہا گیا کہ جو لوگ قرآنی آیات سے نفع پاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے کتنا انعام تیار کیا ہے اس
کے جواب میں کہا گیا کہ اُن کے لئے دَارُ السَّلَامِ ۔ ایک ایسی سلامتی کی دار تیار کی گئی ہے جس سے ہر قسم کے دکھ اور درد
اور تکالیف دور رکھے گئے ہیں۔ یعنی ان کے لئے بہشت ہے۔ عِنۡدَ رَبِّھِمۡ ۔ یہ دار السلام سے حال ہے
یعنی اُن کے لئے بہشت میں اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کی مہمانیاں ہیں یہ ایسے ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ نحن الیوم عند فلانٍ
ہم آج فلاں کے ہاں ہوں گے یعنی اس کی مہمانی اور کرم نوازی سے سرشار ہوں گے۔ بعض کے نزدیک عندیہ سے اس کا وعدہ
کریمہ مراد ہے کہ قیامت میں ایسے لوگوں کا اللہ تعالیٰ کفیل ہوگا۔ وَھُوَ وَلِیُّھُمۡ وہی ان کا مالک و محب اور ان
کے دشمنوں پر وہی ان کو مدد دینے والا ہے۔ بِمَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ان کے اعمال صالحہ کی وجہ سے۔

خلاصہ تفسیر

آیت مذکورہ میں مندرج ذیل امور کا بیان ہوا ہے

(۱) ایمان کا حسن

(۲) کفر کا قبح

(۳) سعادت مند اور بدبخت کا انجام

(۴) انبیاء و اولیاء کے طریقوں پر چلنے کی ترغیب

(۵) وہ عمل صالح جو صرف رضائے الٰہی کی خاطر کیا جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی محبت
کا سبب بنتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت دار السلام یعنی بہشت کے داخلے کا ٹکٹ ہے اور دار السلام امن و قرار و
اطمینان کا گھر ہے کہ جو اس میں داخل ہوگا وہ ہر طرح کے عذاب سے مامون و محفوظ ہو جائے گا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ
اہل ایمان کا ولی ہے اور انہیں ظلمات سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے۔

حکایت

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے دیار عجم کے ایک قلعے کو فتح کرنے کے لئے ایک لشکر بھیجا۔ جس میں
چار ہزار گھوڑ سوار تھے ان کا امیر لشکر اپنے صاحبزادے حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ کو مقرر فرمایا اہل لشکر
چلتے رہے یہاں تک کہ اس قلعہ کے قریب پہنچے وہ ایک بلند پہاڑی پر تھا۔ اہل لشکر فرماتے ہیں کہ ہم نے اس کا محاصرہ
کر لیا لیکن وہاں تک ہتھیار پہنچانے کا کوئی سبب نہ تھا۔ اس قلعہ کے اندر کفار کا لشکر تھا اور امیر لشکر ایک عورت
تھی جو نہایت حسینہ و جمیلہ اور شکیلہ تھی۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم اس قلعہ کے محاصرہ سے
بہت تھک گئے کیوں کہ کفار پر ہتھیار استعمال کرنے کا موقع نہیں ملتا تھا۔ ایک دن کفار کی امیر شکر نے ہمارے لشکر کی

طرف ایک دریچہ سے جھانک کر دیکھا تو اس کی نظر ایک نوجوان عربی پر پڑ گئی جو وہ بھی حسین و جمیل اور شکیل تھا۔ جنگی مہارت بھی اسے خوب حاصل تھی۔ وہ ایک گھوڑے پر سوار تھا۔ کفار کی امیر شکر ہمارے نوجوان کو دیکھتے ہی اس پر فریفتہ ہو گئی اور روز بروز اس کے عشق میں پگھلنے لگی۔ اس کی محرم راز نوکرانی نے سبب پوچھا اور کہا کہ آپ ہماری ملکہ ہیں اور قلعہ کے اندر محصور ہیں۔ آپ پر فوجوں کا زبردست پہرہ ہے پھر بھی آپ آہیں بھرتی ہیں۔ اُس نے کہا میرا خیال آتا ہے کہ اس قلعہ کو فلاں نوجوان فتح کرے گا۔ نوکرانی نے کہا وہ کیسے۔ اُس نے کہا دیکھ لے اب چند منٹوں کی بات ہے کہہ کر ملکہ نے اپنا ایلچی اس نوجوان کے ہاں بھیجا اور کہا کہ کوئی ایسی صورت بھی ہے کہ تیری میری ملاقات ہو جائے۔ اس کے بعد تم میرے اور میں تیری ہو جاؤں۔ نوجوان نے ایلچی کو جواب دیا کہ اسے جا کر کہہ دو۔ دو شرطوں پر تیری میری ملاقات ممکن ہے۔

(۱) باہر والا قلعہ ہمیں دیدے

(۲) اندر والا اُس کو

ملکہ کو جواب پہنچا تو اس نے دوبارہ ایلچی بھیج کر وضاحت چاہی کہ باہر والا قلعہ تو میں سمجھ گئی ہوں کہ میں اپنی شاہی تمہارے سپرد کر دوں لیکن اندر والے قلعہ سے کیا مراد ہے اور وہ کس کو دینا ہے۔ اس نوجوان نے سمجھایا کہ اندر والے قلعے سے تمہارا دل مراد ہے اور اُسے اللہ تعالیٰ کے سپرد کرنا ہے ملکہ نے یہ سن کر جواب بھیجا کہ نوجوان سے کہو کہ اپنا لشکر اندر قلعہ میں لائیے۔ میں یہ قلعہ تمہارے قبضہ میں دے چکی ہوں۔ جب اسلام کا لشکر اندر پہنچا تو اس نوجوان نے ملکہ کو اسلام پیش کیا۔ اُس نے کہا کہ چونکہ میں ایک بڑی ملکہ ہوں اس لئے میں اسلام اس کے سامنے قبول کروں گی جو تمہارا امیر ہو۔ اس نوجوان نے کہا کہ اس وقت تو ہمارا امیر لشکر حضرت عبد اللہ جو ہمارے خلیفہ کا بیٹا ہے۔ ملکہ حضرت عبد اللہ کے ہاں حاضر ہوئی اور انہیں بھی یہی سوال کیا۔ اُس نے کہا اس وقت ہمارے بڑے میرے والد گرامی ہیں ملکہ نے کہا مجھے اُن کے ہاں بھیج دو۔ جب وہ ملکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوئی تو وہاں بھی یہی سوال کیا۔ آپ نے اس سے فرمایا کہ ہم سب کے بڑے نبی حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یہ اُن کی قبر انور ہے ملکہ نے کہا میں انہی کے حضور میں اسلام قبول کروں گی چنانچہ یہ کہہ کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اطہر کی طرف چلی اور آکر سلام عرض کیا اور نہایت ہی باادب اور پُرسکون ہو کر بیٹھ گئی اور پڑھا اشھد ان لا الٰہ الا اللّٰہ و اشھد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ۔ اور کہا کہ اب میں ظلمات سے نکل کر نور میں داخل ہو گئی۔

یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) مجھے خوف ہے کہ ایمان قبول کرنے کے بعد گناہوں میں ملوث نہ ہو جاؤں فلہذا میری درخواست ہے کہ آپ میرے لئے دُعا فرمائیے چونکہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے سچا رسول بنا کر بھیجا ہے آپ اپنے رب تعالیٰ سے سوال کیجئے تاکہ مجھے گناہ کے ارتکاب سے پہلے ہی موت دیدے یہ کہہ کر رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی چوکھٹ پر سر رکھ دیا اور وہیں پر وفات پا گئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اُس کے حُسنِ خاتمہ کو دیکھ کر رو پڑے اور

اس کی تجہیز و تکفین کا حکم دیا۔ اس کی تجہیز و تکفین وغیرہ کر کے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان جنۃ البقیع میں دفن کیا گیا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

بروز واقعہ تابوت من ز سرد کشید۔

کہ میروم بہوا بلند و بالا

ترجمہ: موت کے دن میرا تابوت سرو کے بنانا تاکہ میں ہوا میں بہت اونچی پرواز کر سکوں

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیرے سیدھے راہ پر چل کر قلب سلیم کے ساتھ تیرے حضور میں پہنچ کر عذاب الیم سے نجات پاتے ہیں۔ (آمین یا کریم یا رحیم)

تفسیر عالمانہ ۱۲۸ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اور یاد کیجئے اے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ وغیرہ کو جس دن اللہ تعالیٰ ثقلین وغیرہ سب کو اٹھا کر قیامت کے میدان میں جمع کرکے انہیں توبیخاً فرمائے گا۔ يَامَعْشَرَ الْجِنِّ اے شیطانوں کی جماعت۔

فائدہ: المعشر اس جماعت کو کہا جاتا ہے جو یک جہت مضبوط ہوں اور ان کے ایک دوسرے سے مل کر گزاریں اور ان کا ایک ہی معاشرہ ہو۔ اس کی جمع معاشر آتی ہے۔ بعض کے نزدیک معشر اس جماعت کو کہتے ہیں جو غایت کثرت کو پہنچ جائے۔

فائدہ: دس کامل عدد اور کثیر ہیں اس لئے کہ اس کے بعد اور کوئی عدد نہیں اگر ہیں تو اس سے مرکب ہو کر مثلاً احد عشر اثنا عشر وغیرہ سب کہیں کہ معشر تو اس کا معنی ہو گا۔ عشر یعنی کثرت کاملہ کا محل۔

فائدہ: لوگوں سے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے جنات کو جن کہا جاتا ہے۔ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ بے شک بہ نسبت انسانوں کے اغواء و اضلال میں کثیر ہو یعنی تم انسانوں کو بہت زیادہ گمراہ کرتے ہو۔

وَقَالَ أَوْلِيَاؤُهُمْ شیاطین کے دوستوں نے کہا یعنی جنہوں نے ان کا کہا مانا ورانحالیکہ من الانس وہ انسانوں سے ہیں یہ أَوْلِيَاؤُهُمْ سے حال ہے۔ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ ہمارے بعض نے بعض سے نفع پایا ہے یعنی انسانوں نے جنات سے اور جنات نے انسانوں سے۔ انسانوں کو جنوں سے یہ فائدہ پہنچا کہ جنات نے انسانوں کو شہوات کے قواعد وضوابط بتلائے۔ انہیں شہوات کی باتیں جنات کے بتانے سے آسان ہوئیں اور جنات نے انسانوں سے یہ فائدہ پایا اور انسانوں پر سرداری نظام قائم کیا اور دستور ہے کہ ہر سردار اپنے چودھراہٹ سے اپنے تابعدار سے نفع پایا۔

وَبَلَغْنَا أَجَلَنَا الَّذِي أَجَّلْتَ لَنَا اور ہم اس میعاد کو پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لئے مقرر فرمائی یعنی ہم مقرر کردہ میعاد یعنی قیامت کے دن کو پہنچ گئے ہیں۔

فائدہ: مجرمین اپنی غلطیوں کے اعتراف کے طور قیامت میں اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ واقعی ہماری غلطی ہے کہ

ہم نے شیاطین اور شہوات کی اتباع اور قیامت کی تکذیب کی۔ اُن کا یہ اعتراف بطورِ اظہار اظہار ندامت ہوگا اور اپنے حال پر حسرت کھاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سرِ تسلیم خم کرکے عرض کریں گے ؎

کنوں باید ای خفتہ بیدار بود

چو مرگ اندر آرد زخوابت چہ سُود

چہ خوش گفت باکودک آموزگار

کہ کارے نکردیم و شد روزگار

ترجمہ: (۱) ابھی سے اے سونے والے جاگو جب موت نے تجھے خواب سے بیدار کیا تو کیا فائدہ

(۲) کیا خوب فرمایا استاد نے شاگرد کو کہ افسوس ہم نے کوئی کام نہ کیا اور وقت گزر گیا۔

سوال: حسرت بھری باتیں گمراہ شدگان تو کہہ رہے ہیں گمراہ شدگان گمراہ کنندگان سے ایسی باتیں کیوں نہیں بیان ہوئیں

جواب: گمراہ کنندگان کو جب ایک بار لاجواب کرکے خاموش کرا یا گیا اب انہیں بولنے کی ہمت نہیں ہوگی اور اُن کے لاجواب ہونے کا بیان دوسرے مقام پہ مذکور ہوا ہے۔

قَالَ یہ سوال مقدر کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب مجرموں نے بطور اعتراف مذکورہ بالا بیان دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں کیا فرمایا تو اس کے جواب میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا۔ اَلنَّارُ مَثْوٰكُمْ جہنم تمہارا ٹھکانہ ہے المثویٰ بمعنی الاقامت خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

فائدہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ قیامت میں ہمیشہ بہشت و دوزخ میں رہنے والی مخلوق چار قسم کی ہے۔

(۱) ہمیشہ بہشت میں رہنے والے ملائکہ کرام

(۲) ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے شیاطین

(۳) بعض وہ جن و انس بہشت میں جن کے اعمال اچھے۔

(۴) ان کے وہ بعض دوزخ میں جن کے اعمال بُرے۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ

(۱) تاویلات نجمیہ کی توجیہات میں ہے کہ اِلَّا ماشاء اللہ سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے سچے دل سے توبہ کی اور خلوص سے اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کیا۔ اس معنی پر یہ استثناء لوگوں کے لئے ہے جنہوں نے دنیا میں اپنی غلطیوں سے سچے دل سے توبہ کی نہ کہ اہلِ خلود سے استثناء ہے اس لئے کہ اہلِ خلود قابلِ استثناء نہیں ہیں۔

(۲) بعض مفسرین نے فرمایا کہ ماشاء اللہ کا مصدریہ ہے اور اس کا مضاف محذوف ہے جیسے اتیک خفوق النجم میں مضاف یعنی وقت محذوف ہے اور یہ استثناء سابقہ جملہ کے مضمون سے ہے یعنی النار مثواکم خالدین فیہا

سے ۔ اب معنی یوں ہوگا کہ وہ لوگ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے ۔ مگر ان اوقات میں دوزخ سے نکالے جائیں گے ۔ جن وقتوں میں اللہ تعالیٰ چاہے گا یعنی اوقات ابداسے استثنار ہے اور وہ مستثنیٰ شدہ اوقات اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہیں ۔ چنانچہ مروی ہے کہ دوزخیوں کو بعض اوقات جہنم سے نکال کر زمہریر (برف خانے) میں ڈالا جائے گا ۔ وہ زمہریر اُن کے چیڑے ادھیڑے گا ۔ سخت سردی سے چیخ کر عرض کریں گے ہمیں جہنم میں رہنا منظور ہے اس سختی سے ہمیں نکال لیا جائے اس بنا پر یہ استثنار اُن کے لئے تہکم واستہزاء کے طور ہو گا ۔

(۳) تفسیر جلالین میں ہے کہ اِلّا ماشاء اللّٰہ کا استثنار وقت کے لئے ہے کہ انہیں بعض اوقات جہنم سے نکال کر کھولتے ہوئے گرم پانی میں ڈالا جائے گا ۔ اور چونکہ وہ دوزخ کے احاطہ سے باہر ہے اس لئے ان اوقات کو دوزخ کے دوام سے مستثنیٰ کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِ۟لَى الْجَحِيْمِ ۔ پھر ان کا رجوع جحیم (گرم پانی کی طرف ہو گا ۔

(۴) بعض مفسرین لکھتے ہیں کہ دوزخیوں کو دُور سے بہشت کا دروازہ کھول دیا جائے گا وہ طمع کر کے بہشت میں داخل ہونے کے لئے للچائیں گے تو بہشت کا دروازہ بند کر دیا جائے گا ۔

(۵) بعض کہتے ہیں کہ یہ استثناء ان اوقات کے لئے ہے جنہیں دوزخ کے داخل ہونے سے پہلے انہیں حساب وکتاب تک مہلت ملی تھی ۔ گویا کہا گیا کہ تم دوزخ میں ہمیشہ رہو گے صرف ان اوقات میں تمہیں مہلت ہو گی جن میں تم ابھی دوزخ میں داخل نہیں ہوئے تھے پھر خلود کا قاعدہ ہے کہ جیسے اُس کے آخر میں استثنار کیا جا سکتا ہے اس کے اوّل میں بھی کیا جا سکتا ہے یہ توجیہات علمائے ظاہر نے بیان فرمائی ہیں ۔ اگرچہ مذکورہ بالا توجیہات ابھی حضرت نجم الدین قدس سرہ نے بیان فرمائیں لیکن انہوں نے شریعت مطہرہ کی پاسداری فرمائی ہے ۔

تفسیر صوفیانہ

علمائے باطن یعنی صوفیاء کرام نے اس استثنار یعنی اِلّا ماشاء اللّٰہ کی عجیب وغریب توجیہات بیان فرمائی ہیں ۔ جن سے عوام کے عقول واذہان اور علوم وافہام چکرا جاتے ہیں ۔ ہم چند ایک کا ذکر کرتے ہیں اور ساتھ ہی وصیت کرتا ہوں کہ انہیں صرف اپنے تک محدود رکھنا ۔ یہ عوام میں بیان کرنے کی باتیں نہیں ہیں حضرت مولانا رمضان شرح عقائد میں لکھتے ہیں کہ دوزخ والے نجات سے ناامید نہیں ہوں گے یہاں تک کہ جب موت کو ذبح کرنے کے بعد اعلان ہوگا کہ اب دائمی طور بہشتی بہشت میں اور دوزخی دوزخ میں رہیں گے اُس کے بعد دوزخی جب دوزخ میں واپس لوٹیں گے تو اُن کو عذاب جہنم بجائے دکھ اور درد کے بجائے انہیں لذت پہنچائیگا ۔ ایسی لذت کہ اگر انہیں نسیم جنت عنایت ہو تو بھی انکار کر دیں گے بلکہ الٹا انہیں ہی نسیم جنت عذاب محسوس ہو گی جیسے سیاہ بھنور کو گوبر کی بدبو خوشبو سے زیادہ معطر محسوس ہوتی ہے اگر اسے گلاب سونگھایا جائے تو اُس سے اُلٹا اسے تکلیف ہوتی ہے یہی تقریر حضرت الشیخ الاکبر والمسک الاذفر والکبریت الاحمر قدس سرہ سے بھی منقول ہے انہوں

نے فرمایا کہ جہنم دکھ اور درد سے خالی کردی جائے گی اور اس کا عذاب عذب یعنی میٹھے پانی کی طرح ہوگا۔ اُن کے نزدیک عذاب کا مادہ (میٹھا پانی) ہے لیکن عوام کو اس سے دھوکہ نہ کھانا چاہیے کہ حضرت اکبر قدس سرہ اور دوسرے اکابر صوفیار کرام اجماع اُمت کے خلاف ہو رہے ہیں۔ اسلئے کہ علمار ظاہر و باطن ہر دونوں متفق ہیں کہ جہنم کا عذاب دائمی ہے اور جہنم سے انقطاع ناممکن ہے۔

تطبیق از صاحب روح البیان

صاحب رُوح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے شیخ کامل قدس سرہ جن کو اللہ تعالیٰ نے کمالات دینی اور شرافت توصف سے نوازا ہے نے فرمایا شیخ اکبر و دیگر اکابر صوفیار کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ارشادات میں کسی قسم کا تضاد نہیں اس لئے کہ دار جمال (بہشت) کے مکینوں پر جمال الٰہی کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں بلکہ وہ صرف انہی اثرات جمال سے ہمیشہ تلذذ پاتے ہیں۔ اگرچہ اس جمال میں جلال اور اس کا اثر بھی ہے لیکن غلبہ جمال سے جلال کے اثر کو نہ محسوس کرتے ہیں اور نہ ہی اسے دیکھتے ہیں اور نہ ہی نہ جلال کے اثرات کا انہیں درد محسوس ہوتا ہے اس طرح جو دار جلال (جہنم) میں سکونت پذیر ہے تو اسمیں عرصہ دراز گذارنے پر جلال کے جمال کا اثر ظاہر ہو جاتا ہے۔ جس کا وہ ہمیشہ ذائقہ چکھتا ہے۔ جلال کے جمال کے اثر کے ظہور کے بعد نار الجلال کے آثار چھپ جاتے ہیں کہ پھر اسے محسوس نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اُسے درد و الم پہنچتا ہے۔ لیکن جلال کے جمال کا اثر بڑے عرصہ دراز کے بعد نمود دار ہوگا۔ یعنی اس وقت جب کہ نار جلال جہنمیوں کے بواطن ظواہر کو جلا کر راکھ بنا دیگی اور اس کے لئے مدت مدید اور عرصہ بعید چاہیے جسے احقاب سے تعبیر کیا جاتا ہے اور حقبہ کی مدت آخرت کے پچاس ہزار سال کا ہے یہ اُن کے دنیا میں ایک دن کے شرک کی سزا ہے اسی طرح اس کی زندگی کے ایک ایک دن کے شرک کی سزا ایک ایک حقبہ ہوگا۔ جب اس کی زندگی کے تمام حقبات ختم ہونگے تب کہیں اس پر جلال کے جمال کا ظہور ہوگا۔ پھر جس طرح اُن کا ازل میں حالت اور کیفیت تھی ان حقبات کے انقطاع کے بعد وہی ازلی حالت وکیفیت نصیب ہوگی ازل وابد درمیانی عرصہ اس کیلئے آزمائش کا دور ہے اور ظاہر ہے کہ یہ آزمائشیں کے حادث ہیں اور حوادث منقطع ہوتے ہیں اور آزمائشوں کے حادث ہونے کی دلیل یہ ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ونبلوکم بالشر والخیر فتنہ والینا ترجعون۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو دار البوار سے بچائے۔ آمین۔ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ بے شک، تیرا رب حکیم ہے وہ اپنے افعال کی حکمتوں کو خوب جانتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی اس کی حکمت ہے کہ اولیائے شیطان کو دائمی طور جہنم میں ڈالے گا۔ عَلِيمٌ وہ ثقلین یعنی انس وجن اور اُن کے اعمال اور پھر اُن کے اعمال جزار وسزا کو خوب جانتا ہے ۱۲۹ وَكَذٰلِكَ اور جیسے ہم نے جن وانس کو رسوا کیا۔ یہانتک کہ انہوں نے ایک دوسرے سے نفع پایا۔ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا۔ ہم ظالمین کے بعض کو بعض پر مسلط کرتے ہیں یعنی ظالم کو ظالم سے پٹائی

کراتے ہیں۔ بِمَا كَانُوا يَكْسِبُوْنَ بسبب اس کے وہ اپنے اعمال کفر و معاصی پر مداومت کرتے ہیں۔
مسئلہ: مَروی ہے کہ جو ظالم کی مدد کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مدد کرنے والے پر بھی کسی ظالم کو مُسلّط کر دیتا ہے۔

ظالم حاکم شامتِ اعمال

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی قوم کیلئے بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اُن پر اچھے حاکم مقرر فرماتا ہے اور جب کسی قوم سے برائی کا ارادہ کرتا ہے تو ان پر ظالم حاکم مُسلط کرتا ہے۔

(۲) سابقہ کتب سماویہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ بادشاہوں کے قلوب میرے قبضۂ قدرت میں ہیں جو قوم میری اطاعت کرتی ہے میں بادشاہوں کو اُن کے لئے رحمت بنا دیتا ہوں اور جو قوم میری بے فرمانی کرتی ہے میں اس پر اُن کے حاکموں کا عذاب بنا دیتا ہوں جو اُن کے اعمال کی انہیں سزا دیتے ہیں۔ فلہٰذا اے اللہ کے بندو! اپنے نفسوں کو بادشاہوں کا مشغلہ نہ بناؤ بلکہ توبہ کرو تاکہ میں تمہارے حال پر رحم فرماؤں۔

(۳) حدیث شریف میں ہے کہ ظالم انسان زمین پر اللہ تعالیٰ کا عدل ہے۔ وہ لوگوں سے اُن کے گناہوں کا بدلہ لیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اُس سے اُس کے ظلم کا بدلہ لے گا۔

(۴) مرفوع حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں اپنے مبغوض بندے سے مبغوض بندے کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر دونوں کو جہنم میں بھیجوں گا۔

(۵) زبور میں ہے کہ میں منافقوں سے منافقین کے ذریعے بدلہ لیتا ہوں پھر ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ بدلہ لوں گا۔

سوال: اللہ تعالیٰ کی طرف ظلم کی نسبت کیوں حالانکہ اس سے عدل ہی عدل ہوتا ہے؟

جواب: یہاں پر عدل سے فضل کے بالمقابل مُراد ہے اور عدل کا حقیقی معنی یہ ہے کہ ہر فاعل سے اس کے فعل کا معاملہ کیا جائے۔ اگر اس کا فعل اچھا ہے تو اُسے نیک جزا دی جائے۔ اگر اس کا فعل بُرا ہے تو اُسے سزا دی جائے اور فضل یہ ہے کہ بُرے کو معاف کر دیا جائے۔ یہ اہل سنّت کا عقیدہ ہے اور معتزلہ کہتے ہیں کہ بُرے کو سزا دینا اللہ تعالیٰ پر واجب ہے وہ اسے عدل کہتے ہیں۔ اس بنا پر وہ اپنا نام اہل عدل رکھتے ہیں، اہل سنت کی تائید اس آیت سے ہوتی ہے۔ قال تعالیٰ، وقل رب احکم بالحق" یعنی ظالم کو مہلت نہ دی جائے اور نہ ہی اس سے تجاوز کیا جائے۔ بلکہ اس کی سزا میں جلدی کرنا چاہیے لیکن اللہ تعالیٰ جس کے لئے مہلت دینا یا تجاوز کرنا چاہے تو وہ مالک ہے اور جسے جو چاہے عطا کرے۔ وہ جو کچھ کرتا ہے۔ اس سے کسی کو سوال کرنے کا حق نہیں۔ دکذا فی المقاصد الحسنہ للامام السخاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱ چونکہ بد کردی بترس ایمن مباش
زانکہ تخست وبر دیاند خداش

۲ چند گا ہے اور بپوشاند کہ تا
آیدت زاں بد پشیمان و حیا

۳ بارھا پوشد پئے اظہار فضل
بازگیرد از پئے اظہار عدل

۴ تاکہ ایں ہر دو صفت ظاہر شود
آں مبشر گردد ایں منذر شود

ترجمہ ۱۔ جب تجھ سے برائی سرزد ہوئی بےخوف نہ ہو اس لئے کہ یہ سچ ہے جو اسے اللہ تعالیٰ اُگائیگا
۲۔ بہت بار تیرے عیب ڈھانپتا ہے تاکہ مجھے پشیمانی اور حیاء آئے۔
۳۔ فضل وکرم کے پیش نظر تیرے عیب چھپاتا ہے پھر گرفت کرتا ہے تو وہ اس کا عدل ہے
۴۔ تاکہ اسکی یہ دونوں صفتیں ظاہر ہوں ایک صفت مبشر ہے دوسری منذر ہے۔

تفسیر صوفیانہ ظالم مطلقاً اپنی روحانی فطری استعداد کو ضائع کرتا ہے جو فیض ربانی کے قابل تھی یہی وجہ ہے کہ ظالم پر کلام حق کا اثر نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ارباب ریاست کو قدرت وغلبہ زائد دیا جاتا ہے۔

حدیث شریف :۔ میں ہے کہ قیامت کے علامات میں سے ہے کہ لوگ نمازیں ضائع کردیں گے۔ اور شہوات کے تابع ہو جائیں گے۔ اس وقت کے امیر خائن ہوں گے اور وزیر فاسق۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ چونک پڑے اور عرض کی کیا ایسے لوگ پیدا ہوں گے حضور علیہ السلام نے فرمایا ہاں اے سلمان ضرور ایسے ہو گا اس وقت مومن ذلیل ترین انسان سمجھیں جائیں گے وہ لوگوں کے سامنے چلے گا تو اسے خوف ہوگا کہ اگر کوئی بات کرے تو اُسے کچا کھا جائیں گے۔ اگر چپ رہتا ہے تو غصہ سے مرے گا (کذا فی روح الاخبار) حضرت شیخ سعدی نے فرمایا ؎

۱۔ خبر داری از خسروان عجم
کہ کردند زیر دستاں ستم

۲۔ نہ آں شوکت و پادشاہی بماند
نہ آں ظلم بر روستائی بماند

(باقی ص ۵۰ پر)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ
يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰۤى اَنْفُسِنَا وَ
غَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿١٣٠﴾
ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿١٣١﴾
وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٣٢﴾ وَرَبُّكَ
الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ
مَّا يَشَآءُ كَمَاۤ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿١٣٣﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ
لَاٰتٍ ۙ وَّمَاۤ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿١٣٤﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ
لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿١٣٥﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ
نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ
فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ
مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿١٣٦﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ
شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا
فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٧﴾ وَقَالُوْا هٰذِهٖۤ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا
يَطْعَمُهَاۤ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا
يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿١٣٨﴾

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَٰذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ
أَزْوَاجِنَا ۖ وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ ۚ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ ۚ إِنَّهُ
حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٣٩﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَ
حَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ ۚ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٠﴾

ترجمہ: " اے جنوں اور آدمیوں کے گروہ کیا تمہارے پاس تم میں کے رسول نہ آئے تھے تم پر میری آیتیں پڑھتے اور تمہیں یہ دن دیکھنے سے ڈراتے کہیں گے ہم نے اپنی جانوں پر گواہی دی اور انہیں دنیا کی زندگی نے فریب دیا اور خود اپنی جانوں پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے[۱۳۰] یہ اس لئے کہ تیرا رب بستیوں کو ظلم سے تباہ نہیں کرتا کہ ان کے لوگ بے خبر ہوں[۱۳۱] اور ہر ایک کے لئے ان کے کاموں سے درجے ہیں اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں[۱۳۲] اور اے محبوب تمہارا رب بے پرواہ ہے رحمت والا۔ اے لوگو وہ چاہے تو تمہیں لے جائے اور جسے چاہے تمہاری جگہ لائے جیسے تمہیں اوروں کی اولاد سے پیدا کیا[۱۳۳] بے شک جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم تھکا نہیں سکتے تم فرماؤ اے میری قوم تم اپنی جگہ پر کام کئے جاؤ میں اپنا کام کرتا ہوں تو اب جاننا چاہتے ہو کس کا رہتا ہے آخرت کا گھر بے شک ظالم فلاح نہیں پاتے[۱۳۴] اور اللہ نے جو کھیتی اور مویشی پیدا کئے ان میں انہیں ایک حصہ دار ٹھہرایا تو بولے یہ اللہ کا ہے ان کے خیال میں اور یہ ہمارے شریکوں کا تو وہ جو ان کے شریکوں کا ہے وہ تو خدا کو نہیں پہنچتا اور جو خدا کا ہے وہ ان کے شریکوں کو پہنچتا ہے کیا ہی برا حکم لگاتے ہیں[۱۳۵] اور یونہی بہت مشرکوں کی نگاہ میں ان کے شریکوں نے اولاد کا قتل بھلا کر دکھایا ہے کہ انہیں ہلاک کریں اور ان کا دین ان پر مشتبہ کردیں اور اللہ چاہتا تو ایسا نہ کرتے تو تم انہیں چھوڑ دو وہ ہیں اور ان کے افترا[۱۳۶] اور بولے یہ مویشی اور کھیتی روکی ہوئی ہے اسے وہی کھائے جسے ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال سے اور کچھ مویشی ہیں جن پر چڑھنا حرام ٹھہرایا اور کچھ مویشی کے ذبح پر اللہ کا نام نہیں لیتے یہ سب اللہ پر جھوٹ باندھنا عنقریب وہ انہیں بدلا دے گا ان افتراؤں کا[۱۳۷] اور بولے جو ان مویشیوں کے پیٹ میں ہے وہ نرا ہمارے مردوں کا ہے اور ہماری عورتوں پر حرام ہے اور مرا ہوا نکلے تو وہ سب اس میں شریک ہیں قریب ہے اللہ انہیں ان باتوں کا بدلا دے گا بے شک وہ حکمت علم والا ہے[۱۳۸] بے شک تباہ ہوئے وہ جو اپنی اولاد کو قتل کرتے ہیں احمقانہ جہالت سے اور حرام ٹھہراتے ہیں وہ جو انہیں اللہ نے روزی دی اللہ پر جھوٹ باندھنے کو بے شک وہ بہکے اور راہ نہ پائی "[۱۳۹]

تفسیر عالمانہ ۱۳۰۔ یٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ یَاْتِکُمْ قیامت میں ثقلین یعنی جن اور انسانوں سے فرمائے گا کیا تمہارے ہر دونوں گروہوں کے ہاں سے معین رسول (علیہ السلام) مِنْکُمْ یہ رسل کی نہیں آیا۔ رُسُل اللہ تعالیٰ کی طرف صفت ہے یعنی جو تمہاری جنسوں سے تھے۔

مسئلہ: بالاتفاق انسان اور جن ہر دونوں احکام الٰہیہ کے مکلف ہیں۔ صرف اس میں احتمال یہ ہے کہ ان دونوں کی طرف جتنے رسول تشریف لائے اُن کے ہمجنس یا ہمجنس پرواز ادر ہمجنس سے استفادہ اور انس لینا موزوں تر ہوتا ہے نیز جنات کے لئے یہ بھی احتمال ہے کہ ان کے لئے رسل ان کی غیر جنس سے تشریف لائے مثلاً جنات کے رسول بشر ہوں۔ اس میں کسی قسم کا اشکال بھی نہیں کہ جنات بشر سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کریں کہ اُن کے خواص اُن سے استفادہ کرکے اپنے عوام تک پیغامات پہنچائیں۔ جیسے خواص بشر ملائکہ کرام سے استفادہ کرتے ہیں۔

مسئلہ: اس پر امت کا اجماع ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ثقلین یعنی جن وانسانوں کے رسول ہیں آپ نے ہر دونوں گروہوں کو ایمان باللہ و بالیوم الآخر کی دعوت دی۔

مسئلہ: سابقہ پیغمبران عظام علیٰ نبینا و علیہم السلام صرف انسانوں کے نبی تھے۔

سوال: سلیمان علیہ السلام کی جنات پر بھی حکومت تھی تو کیا وہ نبی نہیں تھے۔

جواب: وہ جنات پر حکومت کرتے تھے لیکن اُن کی اُن پر صرف سلطنت و حکومت و سیاست عامہ تھی

جنات کی نبوّت کی تحقیق رُسُلٌ مِّنْکُمْ کے عموم سے ثابت ہوتا ہے کہ جنات میں بھی رسول اور پیغمبر ہوں یہی ضحاک اور اس کے تابعین کا مذہب ہے اُن کی دلیل یہ ہے کہ جب آیت میں عموم ہے تو پھر اس کے ظاہری معنیٰ سے عدول نامناسب ہے جب کہ ظاہری معنیٰ

بقیہ صہ ۴۷

۳۔ مکن تا توانی دل خلق ریش
دگر میکنی میکنی بیخ خویش

ترجمہ: ۱: تمہیں معلوم ہے کہ شاہان عجم نے رعایا (عاجزوں) پر ظلم کیا۔
۲: پھر نہ شاہی رہی نہ شوکت نہ وہ عاجزوں پر ظلم۔
۳: حتی الامکان مخلوق کا دل زخمی نہ کر۔ اگر کرتا ہے تو اپنی جڑ اکھیڑتا ہے۔
اے اللہ ہمیں ظلم و فساد سے محفوظ فرما۔ اسلئے کہ تو حافظ العباد والبلاد ہے۔

لینے میں شرعاً قباحت بھی نہیں ۔

ضحاک نے اپنی دلیل کی تائید سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے قول سے پیش کی ہے انہوں نے "ومن الارض مثلھن" الخ کی تفسیر میں فرمایا کہ

فی کل ارض نبی مثل نبیکم و آدم کآدمکم و نوح کنوح و ابراھیم کابراھیم و عیسیٰ کعیسیٰ

: اس حدیث کو آکام المرجان میں صحیح بتایا ہے اور ابن عباس سے کیسے خلاف کیا جا سکتا ہے جب کہ آپ سلطان المفسرین ہیں اور سخاوی کا قول غیر معتبر ہے جب کہ انہوں نے کہا کہ یہ حدیث ابن عباس نے اسرائیلیات سے لی ہے نیز ضحاک نے اپنی تائید اس قول سے بنائی ہے جو کہ مشہور ہے کہ ہر آسمان میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جسے اُس آسمان کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔ اسی طرح ہر زمین میں اس کعبہ کے بالمقابل کعبہ ہے جسے اُس کے مکین اس کا طواف وغیرہ کرتے ہیں ۔) بات وہی مناسب ہے جو حضرت الشیخ الشہیر بافنادہ آفندی قدس سرہ فرما گئے ۔ انہیں حضرت الہدائی کا خطاب بھی ملا اور عالم دنیا میں ہر ایک کے محمود اور افتادہ کے نام سے مشہور ہیں وہ یہی کہ جنات میں کوئی نبی نہیں (ھذا ہو الحق) اُس دوسرے معنی پر اُمت کا اجماع ہے ۔

مسئلہ : اس سے بشر کی جنوں پر فضیلت ثابت ہوئی اس لئے کہ انبیاء بشروں سے تشریف لائے اور چونکہ جنات بھی احکام میں بشروں کے شریک ہیں اس لئے انہیں اُن کے ساتھ خطاب کیا گیا اور ایسا عرب میں عام ہے اس کی نظیر قرآن مجید میں ہے قال تعالیٰ "یخرج منھما اللؤلؤ والمرجان" ہما کی ضمیر سے ظاہر ہے کہ مرجان ملح اور ملیح) دریا مراد ہوں ۔

ف : بعض مفسرین نے اس کی توجیہ یہ کی ہے کہ لفظ " رسل" عام ہے وہ حقیقی رسول پر مشتمل ہوتا ہے اور رسول کے رسول پر بھی اور

حدیث شریف میں ہے کہ جنات کی ایک جماعت حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئی اور آپ سے قرآن سنا اور پھر واپس جاکر اپنی برادری کو احکام الٰہیہ کی تلقین کی ۔ یہ تحقیق فقیر نے پیش کی ہے ۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے ۔ (وھو یقول الحق ویھدی الی الصواب)

یَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ پڑھتے تھے تمہارے سامنے میری کتابیں وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ اور میری ملاقات کے اس دن یعنی قیامت کے دن سے تمہیں ڈراتے تھے ۔

قَالُوْا وہ اس شدید توبیخ کو سن کر جواباً عرض کریں گے ۔ شَهِدْنَا عَلٰٓي اَنْفُسِنَا ہم اپنے نفسوں پر شاہد ہیں کہ ہمیں تیرے احکام پہنچے اب وہ اپنے کفر اور عذاب کے مستحق ہونے کا اعتراف کریں گے وَشَهِدُوْا

یہ بُعِثَ وَ اشْتُرِیَتْ کی طرح جملہ انشائیہ ہے۔ لفظ ماضی سے شہادت کا متقدم ہونا ضروری نہیں۔
وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اور انہیں حیوٰۃ دنیا نے دھوکہ دیا اس لئے ایمان نہ لاسکے
وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ۔ اور آخرت میں اپنے نفسوں پر گواہی دیں گے۔ اَنَّهُمْ كَانُوْا بے شک
وہ دنیا میں تھے كٰفِرِيْنَ اللہ تعالیٰ کے احکامات و آیات جنہیں رسل کرام لائے تھے اُن سے کفر کرنے والے
تھے۔ یہ اُن کے غلط نظریات کی تردید ہے اور واضح کرنا ہے کہ اُن کی رائے سراسر غلط تھی۔ اس لئے کہ وہ
حیوٰۃ دنیویہ اور لذات نفسانیہ سے دھوکہ کھا بیٹھے اور آخرت سے روگردانی کرلی بالآخر انجام وہی نکلا کہ وہ
خود بخود معترف ہوگئے کہ کفر بھی کیا اب وہ دائمی عذاب کے مستحق بھی ہیں۔ اس میں سامعین کو اُن کا حال
سناکر انہیں ڈرانا مقصود ہے ۝ ذٰلِكَ یہ رسل کرام کا بھیجنا۔ اَنْ یہاں لام مقدر اور ان مخففہ من المثقلہ ہے در اصل
لانہ تھا یعنی اس لیے کہ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ تیرا رب بستیوں کو ان کے ظلم کے سبب سے تباہ نہیں
کرتا۔ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ اور ان کے اہل بے خبر ہوں کہ اُن کے ہاں کوئی پیغمبر علیہ السلام نے بھیجے کہ انہیں احکامات
الٰہیہ بیان کرے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے کہ کسی کو غلطی کے بغیر سزا نہیں دیتا اور بندہ اس وقت غلط کار سمجھا
جاتا ہے جب اُسے کسی کام کا حکم دیا جائے اور وہ نہ کرے اور کسی فعل سے روکا جائے تو وہ اس کا ارتکاب کرے
اور یہ اس وقت ممکن ہے کہ پیغمبران عظام تشریف لائیں اور احکامات الٰہیہ سنائیں (تفسیر فارسی) میں ہے کہ
استیصال ہیچ قوم نباشد الا بعد از تقدم وعید و اگر نہ ایشاں را بر حق حجت باشد کہ لالو ارسلت الینا رسُولا
فنتبع آیاتک۔ کسی قوم کی بیخ کنی نہیں ہوتی جب تک اسے پہلے وعید نہ سنائی جائے ورنہ قیامت میں اللہ تعالیٰ
کے ہاں حجت پیش کریں گے کہ اگر ہمارے ہاں رسول تشریف لاتے تو ہم ضرور تیرے آیات کی تابعداری کرتے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ بچپن میں حظ حیوانی سے استعداد روحانی نہیں مٹتی۔ ہاں جب بالغ
ہوتا ہے تو اس وقت اس میں دونوں استعدادیں ہوتی ہیں (۱) فیض عقل (۲) فیض الہام حق"
بلوغت کے بعد جو بندہ الہام حق کی مخالفت کرکے خواہشات نفسانیہ کی اتباع کرتا ہے تو اس کی فیض الٰہی کے قبول کرنے
کی حسن استعداد فنا ہوجاتی ہے " كما قال " وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوٰى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اور حدیث شریف میں ہے
کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو عذاب نہیں دیتا جب تک اُن میں رسول علیہ السلام نہ بھیجے اور جب لوگ اپنے رسول علیہ السلام
کی مخالفت کرتے ہیں تو پھر عذاب میں مبتلا کیا جاتا ہے جیسے شریعت نے یوں بیان فرمایا کہ انسان قبل بلوغ اور
امر و نواہی کا مکلف نہیں ہوتا اس لئے کہ یہ وہ وقت ہے کہ اُن میں اگر مامورات کا پابند ہوگا تو اس کی روحانیت
کو ترقی ہوگی۔ اگر منہیات پر عمل کرے گا تو تنزل ہوگا۔

سبق ؛ دانا پر لازم ہے کہ اپنے حال کی اصلاح کرے اور قیامت کے قہری خطاب سے بچنے کی جد و جہد کرے ؎

گر بمحشر خطاب قہر کند
انبیاء را چہ جائے معذرت ست؛

ترجمہ ؛ اگر محشر میں قہر کا خطاب فرمائے تو انبیاء علیہم السلام معذرت کا کونسا موقعہ ہو گا۔

فائدہ ؛ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس دنیا میں انسان پانچ قسم ہیں

(۱) علماء کرام ۔ یہ ورثۃ الانبیاء ۔
(۲) زہادیہ ؛ یہ نیکی کی خبر دلال ہیں ۔
(۳) غازی ؛ یہ اللہ تعالیٰ کی تلواریں ہیں ۔
(۴) تاجرین ؛ یہ اللہ تعالیٰ کے امین ہیں
(۵) بادشاہ ؛ یہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے نگران ہیں ۔ جب علماء دنیار کے طالب اور مال کے جمع کرنے لگیں تو پھر کس کی اقتدار کی جائے ؎

شیخ چوں مائل بمال آید مرید او مباش
مائل دینار ہرگز مالکِ دیدار نیست

ترجمہ ؛ پیر جب مال کی طرف مائل ہو تو اس کا مرید مت ہو دینار (مال) کا عاشق مالک کے دیدار کے لائق نہیں۔

اور جب زاہد کارِ خیر کے خود خلاف کرے تو پھر کون اس سے رہبری حاصل کرے گا ؎

از زاہدانِ خشک رسائی طمع مدار
سیل ضعیف واصل دریا نمی شود

ترجمہ ؛ خشک زاہدوں سے رسائی کی امید نہ رکھ ۔ کمزور سیلاب دریا تک نہیں پہنچ سکتا ۔

اور جب غازی صرف نمائشی طور لڑائی کرے اور ریاکار کا کوئی عمل صحیح نہیں ہوتا ۔ پھر دشمنوں پر فتح کس طرح حاصل کی جا سکتی ہے ؎

عبادت باخلاص نیت نکوست،
وگرنہ چہ آید زبے مغز پوست

ترجمہ ؛ عبادت اخلاص نیت سے اچھی ہے ورنہ بے مغز پوست سے کیا حاصل ہو گا

اور جب تاجر خیانت کرے تو پھر اس پر کون اعتبار کرے گا ؎

دریں زمانہ مگر جبرئیل امین باشد

اس وقت شاید صرف جبریل علیہ السلام ہی امین ہوں۔

اور اگر بادشاہ خود بھیڑیا ہو جائے تو پھر بکریوں کی رکھوالی کون کرے گا ؎

بادشاہے کہ طرح ظلم افگند
پائے دیوار ملک خویش بکند
نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی

ترجمہ: (۱) وہ بادشاہ جو ظلم کا طریقہ جاری کرے اپنے ملک کی جڑ خود کاٹتا ہے
(۲) کسی بادشاہ کو ظلم کا طریقہ نہیں کرنا چاہیے کیونکہ بھیڑیئے سے نگرانی نہیں ہوگی۔

فائدہ: مخفی نہ رہے کہ ملک و ملت کو تباہ کرنے والے علماء سُوٗ اور زاہد دنیاپرست اور غازی ریاکار اور تاجر خائن اور بادشاہ ظالم ہیں۔ عنقریب ظلم کرنے والے جان لیں گے کہ کس کروٹ پر پلٹا کھائیں گے۔

فائدہ: بفضلہ تعالیٰ احکام الٰہیہ زمین کے چپہ چپہ پر پہنچے از آدم علیہ السلام تا ایندم ہر شاہد نے غائب کو پہنچائے اور ایک ایک حق کی آواز پہنچی اسے ہر امیر وزیر سے لے کر غریب۔ اچھے اور بُرے نے سُنا۔ کسی کے ہاں کوئی عذر باقی نہیں چھوڑا گیا کہ کل قیامت میں پیش کرسکے اور کوئی مجرم اپنی بچاؤ کی خاطر قہار جبار رب کے سامنے معذرت کرے ہر غافل اور عاقل کو عمل سے پہلے تنبیہہ کی جاتی ہے۔ ملکوں کی تباہی اور ظلمات کے اصول و فروع کا ظہور انسان کی غفلت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

سبق ان امور کے صدور کے وقت انسان اپنے آپ کو ملامت کرے اور یہ امور اس وقت صادر ہوتے ہیں جب اُسے ذاتِ حق سے دوری ہو جاتی ہے ورنہ اُس نے تو انسان کے لئے ہر طرح کا برہان اور حجت قائم فرمائی اور سالکین راہ کے لئے ہر قسم کے دلائل واضح فرمائے۔ چنانچہ فرمایا "فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ" اس سے سالک کو غور کرنا چاہیے کہ اس کا انجام کار کیا ہوگا۔ اُسے چاہیے کہ ہر غلطی سے دور رہ کر تکالیف سے بچے اور غضب الٰہی سے نجات پائے۔ سب سے پہلے اپنے نفس پر نگرانی رکھے ورنہ پھر نفس اُسے ایسے گڑھے میں پھنسائے گا کہ جس سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔

۱۳۲ وَلِكُلٍّ اور ہر ایک مکلفین کے لئے یعنی وہ جنات ہوں یا انسان مومن ہوں یا کافر دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا مراتب ملیں گے۔ ان کے اعمالِ صالحہ یا سیئہ کی وجہ سے نیکوں کو بہشت کے درجات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے بلند و بالا ہیں اور مشرکوں کو جہنم میں درکات نصیب ہوں گے جو ایک دوسرے سے عذاب میں سخت ترین

فائدہ: درجات کو مراتب سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ درجات کی اکثر استعمال خیر اور ثواب میں ہوتی ہے اور کفار کے لئے اس لئے خیر و ثواب نہیں اور آیت میں ہر دونوں مراد ہیں۔

وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ اور تیرا رب اُن کے اعمال سے غافل نہیں کہ اُس پہ اُن کے اعمال مخفی ہوں نیکی ہو یا برائی اس سے مقصد یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کے عمل پہ جزا و سزا دے گا۔[۱۳۳] وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ اور تیرا رب بندوں اور اُن کی عبادت سے بے نیاز ہے۔

فائدہ: غنی وہ ہے جس کے لئے کسی شے کا ہونا نہ ہونا برابر ہو اور اللہ تعالیٰ غیر غنی ہو سکتا ہی نہیں ہاں اُسے غنی کہنا جائز ہے جو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے ہاں ضرورت پیش نہ کرے۔ اس لئے کہ غیر اللہ کو اُلٹی خود ضرورت ہوتی ہے کیوں کہ وہ وجود و عدم میں غنی حقیقی کا محتاج ہے ذُو الرَّحْمَةِ صاحبِ رحمت ہے اور انہیں احکام کا مکلف بنا کر اُن پہ رحم فرماتا ہے بندوں کو مکلف بنانے میں اُن کی تکمیل ہوتی ہے۔ اور مجرموں کو گناہوں کی سزا میں مہلت دیتا ہے یہ بھی اس کا رحم ہے۔

تفسیر صوفیانہ یعنی اللہ تعالیٰ کو باوجودیکہ مخلوق کی ضرورت نہیں لیکن پھر بھی اُن پہ رحم فرماتا ہے اور انہیں اس لئے نہیں پیدا فرمایا کہ اُن سے کچھ نفع کمائے بلکہ اس لئے پیدا فرمایا کہ وہ اس سے نفع پائیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱: چون خلقت الخلق کے یربح علیّ
لطف تو فرمود اے قیوم و حیّ

۲: لا لان اربح علیہم جود تست
کہ شود زو جملہ ناقصہا درست

۳: عفو کن ایں بندگانِ تن پرست
عفو اے دریائے عفو اولیٰ تر ست

۴: عفو خلقاں ہمچو جُو و ہمچو سیل
ہم بداں دریائے خود تازند خیل

ترجمہ ۱: میں نے مخلوق پیدا کی تاکہ مجھ سے نفع پائے ہی لطف کیا ہے اے حی و قیوم
۲: یہ نہیں کہ میں ان سے نفع پاؤں اے اللہ تیرا جود و سخا ہے کہ اسی سے تمام ناقص درست ہونگے
۳: تن پرست بندوں کو معاف فرما۔ دریائے عفو سے معافی ہی بہتر ہے۔
۴: مخلوق کو معاف کرنا نہر اور سیلاب کی طرح ہے تاکہ وہ اپنے دریا میں ہی لشکر لے جائے۔

اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اے عاصیو! تم سب کو اگر لے جائے یعنی ہلاک وتباہ اور برباد کر ڈالے وَيَسْتَخْلِفْ فارسی میں ہے خلیفہ وجانشین شما سازد۔ تمہارے خلیفے اور جانشین بنادے۔ مِنْۢ بَعْدِكُمْ تمہارے لے جانے اور تباہ وبرباد کرنے کے بعد مَا يَشَآءُ وہ جو چاہے یعنی دوسری ایسی مخلوق پیدا کرے جو بہ نسبت تمہارے اللہ تعالیٰ کی زیادہ مطیع ہو۔

سوال: یہاں پر مَا کے بجائے مَنْ یشاء ہونا زیادہ موزوں ہے۔

جواب: اللہ تعالیٰ کی کمال کبریائی کا اظہار لہٰذا یہی موزوں تر ہے کہ ان باغیوں بے فرمانوں اور منکروں کو ذوالعقول کے درجہ سے بھی ساقط کرکے اُن سے خطاب فرمایا ہے۔ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ؕ جیسے تمہیں ایسی قوم سے پیدا فرمایا جو تمہاری طرح نہ تھی۔ اس سے نوح علیہ السلام کی کشتی والے مراد ہیں۔ اُن سے تمہارے اُوپر رحم فرماتے ہوئے تمہیں بچالیا۔ تفسیر فارسی میں ہے۔ ہمچنانکہ شمارا پیدا کرد از دریۃ قومے دیگر کہ پدراں شما بود۔ جیسے تمہیں دوسری قوم سے پیدا فرمایا جو تمہارے آباء و اجداد۔

۱۳۴ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ بے شک وہ جو تم وعدہ کئے جاتے ہو۔ یعنی قیامت میں اٹھنے اور اس میں عذاب کے متعلق لَاٰتٍ ضرور واقع ہوگا۔ اس میں کسی قسم کا خلاف نہیں۔ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ۔ اور تم عاجز کرنے والے نہیں یعنی اس سے کسی صورت میں تم بچ نہیں سکتے اگرچہ کتنا ہی جدوجہد کرکے دُور بھاگو۔

۱۳۵ قُلْ اے پیارے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم اہل مکہ سے فرمائیے۔ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اے میری قوم تم اپنی قوت پر قائم رہو۔ اَلْمَكَانَةِ تمکّن وقوت واقتدار مراد ہے یعنی تم طاقت وقوت کو آزمالو اور جتنی جدوجہد ہوسکتی ہے کرلو اور اپنے کفر وعداوت پر ڈٹے رہو۔ اِنِّیْ عَامِلٌ بے شک میں بھی عمل کرتا ہوں یعنی صبر کرکے اور ثابت قدم رہتا ہوا۔ عمل صالح پر مداومت کرتا ہوں۔

فائدہ: یہ تہدیدی امر اور استعارہ کے قبیل سے ہے۔ مہدد علیہم یعنی کفار کے شر کو مامور بہ سے تشبیہ دی ہے اور واضح کیا گیا ہے کہ وہ ہو کر رہے گا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اعملوا علی مکانتکم الخ اس کے مطابق عمل کرو جو تمہاری جبلّی عادت ہے چنانچہ دوسرے مقام پر فرمایا، قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۔ مَنْ یہ من استفہامیہ یا موصولہ ہے۔ یعنی عنقریب تمہیں معلوم ہوجائے گا کہ کس کیلئے تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ عاقبت محمود ہوتی ہے یعنی دار جو اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی ہے وہ کسے نصیب ہوتی ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ تم معلوم کرلوگے کہ کس کے لئے نیک انجام ہوتا ہے۔ اس تقریر پہ دار سے دنیا اور عاقبۃ سے عاقبت اصلیہ مراد ہوگی جسے عاقبت بالخیر سے تعبیر کیا جاتا ہے اور عاقبۃ السوء فجار کے انجام کا نام ہے اِنَّهٗ بے شک شان

یہ ہے کہ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ۔ ظالمین کو ۔ اس سے کفار مراد ہیں ۔ یعنی کفار اپنی مراد کے حصول میں کامیاب نہیں ہوں گے "۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہو گا ۔ کہ پیروزی و رستگاری نیابند ۔ ستمگاراں ۔ یعنی کفار چھٹکارا نہیں پائیں گے ۔

فائدہ : صاحب کشف الاسرار فرماتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے کہ قیامت میں تمہیں معلوم ہو گا کہ دنیا کدھر گئی اور آج فلاح کسے نصیب ہوتی ہے ۔ اس وقت معلوم ہو گا کہ ضعیفوں کمزوروں درویشوں کو کرامت و شرافت نصیب ہو گی ۔ انہیں بہشت کے بنگلوں میں نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ لے جائیں گے اور دنیا دار سرکشوں کو ذلت و خواری کے ساتھ جہنم کو لے جائیں گے ۔ پھر اُن کی ندامت دیکھنی ہو گی ؎

۱ ۔ باش تا کل بینی آنہا راکہ امروز ندجزو
باش تا گل یابی آنہا کہ امروز ند خار

۲ ۔ تاکہ از دار الغروری ساختن دار السرور
تاکہ دار الغروری ساختن دار القرار

ترجمہ : ۱ : اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے جو آج لوگ جز ہیں ۔ اچھا ہو تا کہ کل دیکھو گے انہیں جو آج خار ہیں ۔
۲ : دار الغروری میں دار السرور کیسی اور دار الغروری میں دار القراری کیسی ۔

فائدہ : فلاح اور کامیابی صرف علم و عمل اور ترک دنیا اور عاجزی و انکساری میں ہے ۔

حکایت ۱ : بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں ایک درویش تشریف لایا اور ہمارے گھر کو مال و متاع سے خالی پا کر کہا کہ تمہارے ہاں کوئی شے نہیں ہے ۔ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا سب کچھ ہے اس نے کہا وہ کیا ہے میں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ نے دو بنگلے عطا فرمائے ہیں ۔ ایک کا نام دار الامن ہے دوسرے کا دار الخوف ہمیں جو کچھ مال و منال حاصل ہوتا ہے اسے ہم دار الامن میں جمع کر دیتے ہیں ۔ یعنی آخرت کے لئے اس درویش نے کہا اس دنیا کے ضروریات کے لئے بھی تو کچھ ہونا چاہیے ۔ میں نے کہا گھر والا ہمیں اس میں کچھ رکھنے نہیں دیتا ۔ چونکہ یہ گھر عاریت پر لئے ہوئے ہیں اس لئے یہاں ہم کچھ رکھ نہیں سکتے ۔ کیوں کہ عاریت کا مکان دوسرے کا ہوتا ہے ۔ اب اس کی مرضی جب چاہے سنبھال لے ۔ اس لئے ہم تو صرف دار الآخرۃ میں اپنا سب کچھ جمع کرا دیتے ہیں ۔ اور بفضلہ تعالیٰ شب و روز اللہ تعالیٰ کے لئے نیکیوں میں مصروف اور ہر گھڑی اس کی طرف متوجہ رہتے ہیں ۔

حکایت ۲ : ایک نوجوان رات دن عبادت میں لگا رہتا تھا ۔ اس سے وجہ پوچھی گئی اُس نے کہا میں نے خواب میں دیکھا کہ مجھے بہشت میں لایا گیا ۔ اس میں میں نے ایک بنگلہ دیکھا جو سونے و چاندی سے تیار کیا گیا ہے اور اس کے بالاخانہ میں بھی سونے کے ہیں اور ہر بالاخانے پر ایک ایک حوریں بیٹھی ہیں اور ایسی حسین

وجمیل ہیں کہ عالم دنیا میں آپ جیسی کی نظیر ملنا مشکل ہے اور وہ اپنی زلفیں لٹکائے بیٹھی تھیں اُن میں سے ایک نے مجھے دیکھ کر تبسم فرمایا ۔ کہ تبسم سے تمام بہشت منور ہوگئی، اس نے مجھے کہا، اے نوجوان اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جتنا ہو سکے جدوجہد فرمایئے تاکہ تیرے مرنے کے بعد میں تجھے ملوں اور تیری ہو جاؤں اور تو میرا۔ اس کے بعد میں جاگ اٹھا اور اس وقت سے لمحہ بھر بھی مجھے قرار نہیں۔

سبق جو ایک حور دیکھنے سے یہ کیفیت ہوگئی ۔ اگر حور کے مالک خالق کی خاطر عبادت کرے تو پھر اس کی کیا شان ہوگی ؎

فدائے دوست نکردیم عمر و مال دریغ
کہ کار عشق زما ایں قدر نمی آید

ترجمہ : ہم نے دوست پر عمر و مال قربان نہ کیا افسوس ہے کہ عشق کے بارہ میں ہم سے یہ بھی نہ ہوا۔

سبق اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں جدوجہد سے انجام بخیر ہوتا ہے اور وہی صلہ و قربت کا سبب بنتی ہے جس کا اثر آخرت میں ظاہر ہوگا۔

تفسیر صوفیانہ جن ظالموں نے گناہ کرکے اپنی استعداد کو ضائع کردیا تو وہ اس جیسی سعادت سے نہیں نوازے جائیں گے بلکہ انہیں دارالبوار جہنم کی طرف دھکیلا جائے گا دنیا میں انہیں بہت خسارہ نصیب ہوا اگرچہ زندگی بہت شان و شوکت کے ساتھ بسر کرتے رہے لیکن کیا حاصل جب کہ باطل ابھرتا ہے تو فوراً مٹ جاتا ہے دنیا میں دنیا والوں کے دنیا و دولت کا ہونا ان کے تنزل کی علامت ہے اور نجات ایمان کی وجہ سے نصیب ہوتی ہے اور جو شخص ایمان و قوت یقین کے قلعہ میں آجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ جتنا چاہتا ہے تو وہ بلند درجات کی طرف ترقی کرتا ہے اگرچہ قلعہ کے باہر کتا شیطان بھونکتا رہتا ہے تو اسے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

حدیث شریف میں ہے جددوا ایمانکم ایمان کی تجدید کرو۔ اس سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف ترقی کرنا مراد ہے ۔ ورنہ ایمان کی تکمیل کا کیا معنی وہ پہلی بار مکمل ہوگیا۔ لیکن مراتب کے لحاظ سے اس کے اٹھارہ مرتبے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے جسے نصیب ہوجائیں۔

فائدہ : یاد رہے کہ ہر شخص کی توحید کا مرتبہ اس کے یقین کے مطابق ہوتا ہے اور وہ کبھی ملک وجود میں یقین کے مطابق ہوتی اور کبھی نہیں بھی ہوتی ۔ جو لوگ اپنے دعویٰ کا اظہار کرتے ہیں تو اُن کی توحید صرف ملک وجود میں ہوتی ہے اگر اس سے تجاوز کرتا ہے تو اس سے ندامت اٹھاتا ہے اور مراتب سے گر جاتا ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دین کے امور میں تکاہل و تساہل سے کام نہ لے بلکہ حصول یقین کے لئے جدوجہد کرے اس لئے کہ جدوجہد اس کے حصول کا بہترین ذریعہ بلکہ اس کی تکمیل کے لئے نہایت اعلیٰ وسیلہ ہے اگرچہ حقیقی طور اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے بندے کی تکمیل کرنے والا ہے اور تمام امور میں اس کی تاثیر کو دخل ہے

اے اللہ! ہم سب کو توحید حقانی عطا فرما اور ایمان عیانی کا شرف بخش اس لئے کہ تو غنی ہے اور ہم فقراء۔

تفسیر عالمانہ [۱۳۶] وَجَعَلُوْا اور مشرکین عرب نے کیا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ اللہ تعالیٰ کے لئے اس میں سے جو اُس نے پیدا کیا مِنَ الْحَرْثِ کھیتی سے۔ لِلّٰہِ بِزَعْمِہِمْ اللہ تعالیٰ کے لئے ہے یہ صرف ان کا اپنا دعویٰ تھا انہیں اللہ تعالیٰ سے کوئی حکم نہیں۔ وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا اور یہ ہمارے بتوں کے لئے ہے یعنی اُن کے وہ معبود جنہیں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شریک سمجھ رکھا تھا کہ اپنے اموال اور تجارتی اُمور اور کھیتیوں اور جانوروں میں انہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ شرکۃ سے مشتق ہے نہ کہ شرک سے اور اپنے مفعول کی طرف مضاف ہے۔

فائدہ: مروی ہے کہ کھیتوں اور جانوروں کے بچوں سے کچھ اللہ تعالیٰ کے مخصوص کر کے مہمانوں اور مسکینوں پر خرچ کرتے ہیں اور اُن میں سے کچھ حصّہ اپنے معبودوں کے لئے مقرر کر کے اُن کے خدام پر خرچ کرتے بلکہ وہ جانور ان کے تھانوں پر ذبح کرتے اور کبھی یوں بھی کر دیتے کہ جو شے اللہ تعالیٰ کیلئے نامزد ہوتی اور وہ بتوں کے لئے مقرر کردہ سے بہتر ہوتی تو اللہ تعالیٰ کی نامزد شئے کو بتوں کے لئے مقرر کر دیتے اور ردّی شے اللہ تعالیٰ کے لئے مقرر ہو جاتی اور اگر اللہ تعالیٰ کی نامزد شے ناقص ہوتی تو اس میں تبدیلی نہ کرتے اور اس کی دلیل یہ پیش کرتے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ کو کسی قسم کی ضرورت نہیں اس لئے اس کے لئے ردّی شے ہو یا اچھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ یہ صرف اپنے بتوں کی محبت کی وجہ سے کرتے تھے۔ عَمَّا مَا یَحْکُمُوْنَ بُرا ہے ان کا وہ حکم جو فیصلہ کرتے ہیں کہ بتوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے زائد محبت کرتے ہیں جس کا انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی حکم نہیں [۱۳۷] وَکَذٰلِکَ اور اسی طرح یہ زینت جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور بتوں کے درمیان تقسیم کر رکھی ہے۔

زَیَّنَ لِکَثِیْرٍ مِّنَ الْمُشْرِکِیْنَ قَتْلَ اَوْلَادِھِمْ شُرَکَآؤُھُمْ ان کے شرکاء نے ان کی اولاد کو قتل کرنے کی زینت دی ہے۔

فائدہ: شرکاء سے اُن کے وہ دوست مراد ہیں جو جنات میں سے تھے۔ بطور وسوسہ کے زینت دیتے تھے یا اُن کے بتوں کے خدام۔ قتل اولادہم زیّن کا مفعول ہے اور اس کا فاعل شرکاؤہم۔

شانِ نزول جاہلیت کے لوگوں کی عادت تھی کہ اپنی لڑکیوں کو زندہ دفن کر دیتے فقر کے خوف سے یا اس خیال سے کہ ہم کیوں داماد بنا کر اپنا ہمسر بنائیں۔ یا قید کے خطرہ سے۔ ان میں کسی کو اولاد نہ ہوتی وہ قسم کھاتے کہ اگر اُسے اتنے لڑکے پیدا ہوئے تو ایک کو ان میں سے اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرے گا جیسے حضرت عبدالمطلب نے اپنے صاحبزادہ حضرت عبداللہ (رضی اللہ عنہما) کے لئے قسم کھائی تھی۔

حضرت عبداللہ کو ذبیح بنانے کا تفصیلی واقعہ

حضرت عبدالمطلب نے خواب دیکھا کہ وہ زمزم کا کنواں کھود رہے ہیں خواب میں اس کی نشاندہی بھی کرائی گئی۔ صبح ہوتے ہی انہوں نے چاہ زمزم کھودنا شروع کر دیا۔ اس وقت آپ کی سوائے حارث کے اور کوئی اولاد نہ تھی۔ آپ نے وہاں منت مانی کہ اگر مجھے دس بچے پیدا ہوئے تو اُن میں سے ایک کو اللہ تعالیٰ کے نام پر قربان کروں گا۔ چنانچہ جب دس بچے پیدا ہوئے تو اپنے بچوں کو اپنی منت کا پتہ دیا۔ سب نے سُن کر سر تسلیم خم کیا۔ لیکن آپ نے قرعہ اندازی کے طور پر مسئلہ سلجھانا چاہا۔ چنانچہ تمام بچوں کا نام لکھ کر قرعہ ڈالا تو حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ آپ نے ذبح کرنا چاہا لیکن قریش کے سرداروں نے کہا عجلت نہ کیجئے۔ ہمیں مشورہ کرنے دیں۔ یہ مسئلہ عرافہ مکہ کے ہاں پیش کیا گیا تو اس نے کہا ہر قرعہ اندازی پر دس اونٹ بدلے کے طور مقرر رکھو۔ جتنے بار اُن کے نام قرعہ آتا جائے۔ دس اونٹ بڑھاتے جاؤ۔ جب تک اونٹوں کے نام قرعہ نہ نکلے اسی طرح دس اونٹ بڑھاؤ چنانچہ ہر بار حضرت عبداللہ کے نام قرعہ نکلا۔ یہاں تک کہ سو اونٹوں تک نوبت پہنچی۔ آپ نے اُن کے بدلے سو اونٹ ذبح کئے جنہیں کسی انسان نے نہ اٹھایا۔ اور نہ ہی ان کو درندہ کھا سکا۔ اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا انا ابن الذبیحین میں دو ذبیحوں کا صاحب زادہ ہوں۔ ان سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت عبداللہ[1] مراد ہیں۔

لِيُرْدُوْهُمْ تاکہ وہ انہیں گمراہ کر کے ہلاک کر دیں۔ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ اور تاکہ ان پر ان کا دین ملا دیں یعنی انہیں دین اسماعیل علیہ السلام سے ہٹا کر نئے دین پر چلا دیں۔ پھر انہیں معلوم نہ ہو سکے کہ وہ کس دین پر ہیں اور یہ لام تعلیل کی ہے۔ اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو یا لام عاقبت کی ہے اگر زینت کی نسبت شیطان کی طرف ہو اس لئے کہ بتوں کے خدام کا نہ اُن کے گمراہ کرنے کا ارادہ تھا اور نہ دین میں التباس مطلوب تھا۔ بلکہ یہ تو شیطان کے ارادے تھے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ اور اگر اللہ تعالیٰ چاہے مَا فَعَلُوْهُ تو مشرکین وہ کام نہ کرتے۔ یعنی شیطان کے وسوسہ سے بچوں کا قتل نہ کرتے۔

فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ۔ یہ فاء فصیحہ ہے یعنی جب ان کا یہ فعل اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے تو پھر آپ انہیں چھوڑ دیجئے اور انہیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کرنے دیجئے جب کہ کہتے ہیں کہ بچوں کو زندہ دفنانے کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالانکہ یہ ان کا جھوٹ تھا اور اللہ تعالیٰ باوجودیکہ انہیں تباہ و برباد کرنے پر قدرت رکھتا ہے لیکن انہیں کچھ نہیں کہتا۔ آپ بھی انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیجئے اس لئے کہ ان کے لئے حساب کا ایک وقت

---

[1] ہمارے نزدیک حضرت عبداللہ یعنی حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی مومن موحد تھے۔ تفصیل کے لئے فقیر اویسی غفرلہٗ کی تصنیف "ابوین مصطفٰے" کا مطالعہ کیجئے۔ ۱۲

مقرر کیا گیا ہے۔ اُس وقت اُن سے پورا پورا حساب لیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جس طرح چاہتا ہے کرتا ہے وہ اپنے امور میں ہزاروں حکمتیں رکھتا ہے ۱۳۸ وَقَالُوا هٰذِهٖ اور انہوں نے کہا یہ اشارہ اس کی طرف ہے جو انہوں نے اپنے بتوں کے لئے مقرر کیا۔ اَنۡعَامٌ وَّحَرۡثٌ حِجۡرٌ جانور اور کھیتی حرام ہے لَّا یَطۡعَمُهَاۤ اس کا ترجمہ فارسی میں ہے نچشند ونخورد آنرا اسے نہ کوئی چکھے گا اور نہ کوئی کھائے گا۔ اِلَّا مَنۡ نَّشَآءُ مگر جسے ہم چاہیں اس سے بتوں کے خدام اور دیگر مرد مراد ہیں نہ ان کی عورتیں کیوں کہ ایسی قربانیاں صرف مرد کھاتے یا وہ بتوں کے خدام کو دیتے تھے بِزَعۡمِهِمۡ درانحالیکہ وہ اپنے گمانِ باطل پر متلبس تھے اُن کے ہاں کوئی دلیل نہیں تھی۔

وَاَنۡعَامٌ یہ خبر ہے مبتدا محذوف کی اور اس جملہ کا عطف ہذا انعام پر ہے اور ان دوسرے جانوروں کی طرف اشارہ کر کے کہتے کہ یہ وہ جانور ہیں کہ "حُرِّمَتۡ ظُهُوۡرُهَا" ان کی پیٹھیں حرام ہیں۔ اس لئے بحائر و سوائب اور حوامی مراد ہیں۔ (اور ان سب کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے) و انعامٌ اس سے وہی جانور مراد ہیں جن کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ لَّا یَذۡكُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰهِ عَلَیۡهَا یہ انعام کی صفت ہے لیکن یہ ان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بیان کیا گیا ہے تاکہ موصوف معین ہو کر دوسرے جانوروں سے متمیز ہو جائیں۔ اس کی نظیر یہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا جیسا کہ بعض تفاسیر میں تصریح کی گئی ہے اب عبارت یوں ہوگی۔ انعام ذبحت علی الاصنام الخ یعنی یہ وہ جانور ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کئے جاتے ہیں اس لئے کہ ان کی عادت تھی کہ انہیں ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کے نام کی بجائے بتوں کا نام لیتے تھے۔

افۡتِرَآءً عَلَیۡهِ اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے یعنی اللہ تعالیٰ پر بہتان تراشتے تھے کیوں کہ ان کا کہنا تھا کہ اسی طرح ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔ سَیَجۡزِیۡهِمۡ فارسی میں اس کا معنی یوں ہو گا۔ زود باشد کہ خدا جزا دہد ایشاں را یعنی اللہ تعالیٰ انہیں جلد تر سزا دے گا۔ بِمَا كَانُوۡا یَفۡتَرُوۡنَ۔ اُن کے افتراء کرنے کے سبب ۱۳۹ وَقَالُوۡا مَا فِیۡ بُطُوۡنِ هٰذِهِ الۡاَنۡعَامِ اور کہتے کہ ان جانوروں کے پیٹ کے اندر جو کچھ ہے ان جانوروں سے بحائر و سوائب کے پیٹ کے بچے مراد ہیں خَالِصَةٌ لِّذُكُوۡرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤی اَزۡوَاجِنَا وہ ہمارے مردوں کیلئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر اُن کا کھانا حرام ہے یعنی اُن کے گوشت صرف ہمارے مردوں کیلئے حلال ہیں اور ہماری عورتوں کیلئے حرام اور خالصۃ کا مونث ہونا لفظ ما کے معنی اور محرم کا مذکر ہونا اس کے لفظ کی وجہ سے ہے یہ انہوں نے اپنی طرف سے بنا رکھا تھا اور کہتے کہ بحائر و سوائب کے بچے زندہ پیدا ہوئے تو مرد کھائیں گے اور عورتوں پر ان کا کھانا حرام ہے۔ وَاِنۡ یَّكُنۡ مَّیۡتَةً اور کہتے اگر اُن سے مردے بچے پیدا ہوئے فَهُمۡ فِیۡهِ تو وہ ان بحائر و سوائب کے بچوں میں شُرَكَآءُ عورتوں کے شریک ہوں گے یعنی اُن مردہ بچوں کو مرد بھی کھائیں گے اور عورتیں بھی سَیَجۡزِیۡهِمۡ وَصۡفَهُمۡ

عنقریب اللہ تعالیٰ انہیں ان کی وصف یعنی افتراء کی سزا دے گا جو کہتے ہیں کہ اس کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے حالاں کہ یہ اللہ تعالیٰ پر صریح جھوٹ تھا اس لئے کہ یہ حلال و حرام کا حکم خود گھڑتے تھے اِنَّہٗ حَکِیۡمٌ عَلِیۡمٌ ۝ اس سے جزا کے وعدے کی علت بتانا مطلوب ہے ۔ یعنی اُن سے جو برائیاں سرزد ہو رہی ہیں انہیں اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور انہیں ضرور سزا دے گا ۔ انہیں اس کی معافی ہرگز نہیں ملے گی ۔ اس لئے اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ مجرموں کو سزا ملنی چاہیئے ۔ قَدۡ خَسِرَ الَّذِیۡنَ قَتَلُوۡۤا اَوۡلَادَھُمۡ ۔ یہ قسم محذوف کا جواب ہے ۔

شانِ نزول یہ ربیعہ و مضر اور عرب کے دوسرے اُن قبائل کے حق میں نازل ہوئی جو اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیتے تھے اس خطرہ سے کہ کہیں ہم ان بچیوں کی وجہ سے تنگدست نہ ہو جائیں اور اُن کی وجہ سے ہمیں مقید نہ ہونا پڑے ۔ اب معنی یہ ہوا کہ وہ نقصان میں پڑے جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا ۔ سَفَھًاۢ بِغَیۡرِ عِلۡمٍ ۔ یہ قَتَلُوۡۤا کے متعلق یعنی اس کی علت ہے اور بغیر علم سفہا کی صفت ہے یعنی اپنی کم عقلی اور جہالت کی وجہ سے بچیوں کو قتل کیا ورنہ انہیں معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ انہیں اور ان کی اولاد کو رزق عطا فرمائے گا ۔

وَحَرَّمُوۡا اور انہوں نے اپنے نفسوں پر حرام کیا ۔ مَا رَزَقَھُمُ اللّٰہُ وہ جو انہیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا اس سے بحائر و دیگر جانور مراد ہیں ۔ اِفۡتِرَآءً عَلَی اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہا کہ اس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا قَدۡ ضَلُّوۡا ۔ وہ سیدھے راہ سے بھٹک گئے ۔ وَمَا کَانُوۡا مُھۡتَدِیۡنَ اور سیدھے راہ کی طرف ہدایت نہیں پائیں گے ۔ اگرچہ انہیں ہدایت کے مختلف طریقے پیش کئے جائیں ۔

حکایت حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک صحابی ہمیشہ نہایت محزون و مغموم رہتا تھا ۔ آپ نے ایک دن اس سے سبب پوچھا تو اس نے عرض کی ۔ میں ان لوگوں سے ہوں : جنہوں نے اپنی لڑکیوں کو قتل کیا بلکہ میرا جرم ان سے کئی گنا زیادہ ہے آپ نے فرمایا ۔ اُس کی تفصیل سنایئے اس نے عرض کی میری ایک لڑکی پیدا ہوئی میری عورت نے مجھ سے بار بار کہا کہ اس بچی کو نہ ماریئے ۔ میں نے اس کے کہنے پر بچی کو نہ مارا ۔ جب وہ بڑی ہو گئی اور سن بلوغ کو پہنچی اور وہ بہت حسین و جمیل اور شکیل تھی ۔ لوگوں نے مجھ سے نکاح کا کہا ۔ مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا کہ اسے بجائے نکاح کر دینے کے قتل کر دوں اور نکاح کے بغیر اسے گھر چھوڑے رکھنا بھی ناموزوں سمجھا ۔ ایک دن میں نے عورت سے کہا کہ بچی کو فلاں قبیلہ کے دوستوں کے ملنے کیلئے لے جانا چاہتا ہوں ۔ فلہٰذا اسے میرے ساتھ بھیج دے وہ خوش ہو گئی اور اسے خوب سنگارا اور بہترین لباس اور اعلیٰ زیور پہنا کر میرے ساتھ بھیج دیا اور ساتھ ہی قسمیں دیں کہ اسے قتل نہ کرنا ۔ میں اپنی نوجوان بچی کو جنگل کے ایک کنویں پر لے گیا اور چاہا کہ اسے کنویں میں پھینک دوں ۔ میری بچی میرے ارادہ کو بھانپ گئی اور بھاگ کر میرا دامن پکڑ کر کہنے لگی ۔ ابا جی میرے ساتھ اتنا ظلم نہ کیجئے میں نے اس پر رحم کھایا ۔ لیکن پھر مجھے غیرت جاہلی نے ابھارا ۔ میں نے اُسے پکڑا اور وہ

روتی چلاتی ہوئی میرے دامن کو پکڑ کر کہتی اباجی میری ماں کی قسموں کو یاد کیجئے اور میرے حال پر رحم فرمائیے۔ میری ایک نظر کنوئیں پر تھی اور ایک نظر اس کی جوانی پر بھی آتا اور غیرت جاہلی بھی مدنظر تھی۔ بالآخر شیطان نے مجھے اکسایا اور میں نے اُسے جبراً پکڑ کر کنوئیں میں لٹکا دیا اور وہ دھاڑیں مارتی اور چیختی رہی۔ میں دل کو تھام کر اس کی چیخیں سنتا رہا۔ یہاں تک کہ اس کی آواز ختم ہو گئی اور سمجھا کہ اب وہ مرگئی۔ حضور علیہ السلام اُس کی داستان سُن کر رُو پڑے اور فرمایا کہ اگر کسی کو جاہلیت کے جُرم کی سزا دینا جائز ہوتی تو میں اسے جرم کی بہت سزا دیتا۔

تفسیر صوفیانہ جاہلیت کے لوگوں کا جب اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ ختم ہو گیا تو انہیں فقر و تنگدستی کے خطرے نے اولاد کو قتل کرنے پر اکسایا۔ اس لئے اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ یقین اور اس کے حقائق کی ایک علامت کثرت عیال ہے جس میں توکل کا دامن تھاما جائے۔ حضرت شیخ اکبر قدس سرہ الاکبر نے فرمایا کہ جو شادی شدہ تصوف اپنائے تو اُسے اپنی عورت کو طلاق نہ دینی چاہیے اور جو غیر شادی شدہ ہو اُسے شادی نہ کرنی چاہیے یہاں تک کہ تکمیل کو پہنچے جب اس کی تکمیل ہو جائے پھر جس طرح الہام ربانی ہو اس پر عمل کرے۔

فائدہ: اکثر کاملین نے توطریق تصوف میں قدم رکھ کر اپنی اولاد کا سوال کر دیا۔ منجملہ ان کے حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالیٰ ہیں۔ اس لئے کہ اولاد اس طریق میں فتنہ ہے۔

حکایت حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ کے متعلق مشہور ہے کہ اُن کا صاحبزادہ انہیں مکہ میں ملا۔ تو اُن کے دل میں بچے کی محبت کا خیال گزرا۔ اس پر دعا مانگی یا اللہ یہ تیری محبت کی راہ میں حاصل ہو رہا ہے۔ اُن کے اس اشارہ پر اُن کا صاحبزادہ ہیں فوت ہو گیا۔

مسئلہ: اگر کسی سالک کو اولاد کی محبت حب الٰہی کے مابین حائل ہو تو توحید کے غلبہ سے اُسے دُور کرنے کی کوشش کرے۔ اس کی موت کا سوال نہ کرنا چاہیے اس لئے کہ دعا ایک تصرف ہے سلوک میں تصرف صرف ذات حق کو لائق ہے پھر بندے پر غیر کی محبت کا حملہ ہو تو اُسے خود بخود دفع کرنے کی کوشش نہ کرے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے۔ پھر انتظار کرے کہ وہ کریم اس کے ساتھ کیا کرتا ہے۔

فائدہ: قلتِ مال اور کثرت عیال اور پھر اس پر صبر کرنا بھی مجاہدہ نفس ہے۔ یہی مجاہدہ سلوک میں مفید ہوتا ہے

حکایت حضرت الشیخ افتادہ آفندی نے حضرت ہدائی سے خطاب کر کے فرمایا کہ جب تیرے عیال میں بھوک کا حملہ ہو یہانتک کہ وہ موت کے گھاٹ اُتر جائیں تو بھی توکل نہ چھوڑنا بلکہ اس وقت بھی اپنے جملہ امور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کرنا۔ صرف زبان سے نہیں بلکہ خلوص قلب سے کہنا کہ الٰہی میں تیرا کمزور بندہ ہوں۔ یہ بھی تیرے بندے ہیں۔ میرا اور ان کا معاملہ تیرے سپرد ہے۔ تیرے اور اُن کے معاملہ میں میں حائل نہیں ہونا چاہتا۔ تو جان تیرے بندے جانیں۔ جب تم اسطرح عجز و نیاز پیش کرو گے تو تمہارا کام بن جائے گا۔ اور مشکل آسان ہو جائے گی۔ اور

باقی صـ ۶۵ پر

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَ
الزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ كُلُوْا
مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ڮ وَلَا تُسْرِفُوْا ۭ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ
الْمُسْرِفِيْنَ ﴿١٤١﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ۭ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ
وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿١٤٢﴾ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ
مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ
الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٤٣﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ
ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ
اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي
اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٤﴾ ع

ترجمہ: اور وہی ہے جس نے پیدا کئے باغ کچھ زمین پر چھتے ہوئے اور کچھ بے چھتے ہوئے اور کھجور اور
کھیتی جس میں رنگ رنگ کے کھانے اور زیتون اور انار کسی بات میں ملتے اور کسی میں الگ کھاؤ اس کا پھل
جب پھل لائے اور اس کا حق دو جس دن کٹے اور بے جا نہ خرچو بے شک بے جا خرچنے والے اسے پسند نہیں ١٤١
اور مویشی میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے اور زمین پر بچھے کھاؤ اس میں سے جو اللہ نے تمہیں روزی دی اور
شیطان کے قدموں پر نہ چلو وہ بے شک تمہارا صریح دشمن ہے ١٤٢ آٹھ نر و مادہ ایک جوڑ بھیڑ کا اور ایک
جوڑ بکری کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام کئے یا مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں کسی علم
سے بتاؤ اگر تم سچے ہو ١٤٣ اور ایک جوڑا اونٹ کا اور ایک جوڑا گائے کا تم فرماؤ کیا اس نے دونوں نر حرام
کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہے کیا تم موجود تھے جب اللہ نے تمہیں یہ حکم دیا
تو اس سے بڑھ کر ظالم کون جو اللہ پہ جھوٹ باندھے کہ لوگوں کو اپنی جہالت سے گمراہ کرے بے شک اللہ
ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا ١٤٤

تفسیر عالمانہ: ﴿۱۴۱﴾ وَهُوَ الَّذِیٓ اَنْشَاَ ۔ نشا بمعنی خلق ۔ کہا جاتا ہے نشا الشی نشاۃ ۔ یہ اس وقت بولتے ہیں جب شئے ظاہر اور بلند ہو جائے اور کہتے ہیں انشا اللہ تعالیٰ بمعنی اظہرہ ورفعۃ (جنات) یعنی اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے پیدا فرمائے انگوروں کے باغات " معروشات " بلند ۔ اس سے وہ شے مراد ہے جو تناور تر ہو وَّغَیْرَ مَعْرُوْشٰتٍ غیر مرتفع یعنی زمین پر پڑے ہوئے ۔ اس لئے کہ بعض انگور کے درخت بلند قامت ہیں اور بعض زمین پر بچھے ہوتے ہیں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت کہ جن کے لئے عروش بنائے جاتے ہیں اور بعض وہ ہیں جو ابتداً کدو اور تربوز کی طرح زمین پر بچھ کر اگتے ہیں ۔ (یعنی بیلیں) ۔ یا معروشات سے انگور کے وہ درخت مراد ہیں جن کے لئے عرلیش بنایا جاتا ہے کہ وہی اسے اٹھا کر مضبوط کئے ہوتا ہے کہ اگر وہ نہ ہو تو وہ زمین پر گر جائے جیسے کرم یعنی انگور کے خوشہ دار اور بعض وہ ہیں کہ انہیں عرلیش کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنے پاؤں پر خودبخود کھڑے رہتے ہیں جیسے کھجور اور دیگر کھیتیاں اور دوسرے اشجار اور سبزیاں یا معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جنہیں باغات اور کھیتوں میں بوتے اور ان کی خصوصیت سے نگرانی کرتے ہیں ۔

اور غیر معروشات سے وہ انگور کے درخت مراد ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت تخلیق سے پیدا ہو جاتے ہیں اور ان پر نہ کوئی نگرانی ہوتی ہے اور نہ ان کی کوئی پرواہ کرتا ہے ۔

وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ اور کھجوریں اور کھیتیاں پیدا فرمائیں ۔

سوال: جب ان کا ذکر جنات میں آ چکا ہے تو پھر انہیں ذکر کرنے کا کیا فائدہ ؟

جواب: باغات کی تمام اشیاء سے اُن سے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے ۔ بنابریں انہیں علیحدہ ذکر کیا گیا ہے " الزرع " سے وہ تمام دانے مراد ہیں کہ جن سے انسانی قوت کو تعلق ہے ۔

مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ ۔ یہ حال مقدرہ ہے اس لئے کہ باغات کی تخلیق کے وقت ان کی یہی حالت نہیں تھی بلکہ

بقیہ ص ۶۳

اللہ تعالیٰ تیرے تمام مقاصد پورے فرما دے گا ۔ منجملہ توکل میں یہ بھی ہے کہ کسی کی اولاد بھوک سے مر رہی ہو تو بھی اللہ تعالیٰ سے عرض کرے یا اللہ میں کیا عرض کروں یہ تیرے بندے ہیں تو ان سے جس طرح چاہے کر ۔ میں نے اپنے جملہ امور تیرے سپرد کر دیئے ہیں تو ہی اپنے بندوں کے حال خوب جانتا ہے ۔ حضرت صائب نے فرمایا ؎

فکر آب ودانہ در کنج قفس بے حاصلست

زیر چرخ اندیشۂ روزی چرا باشد مراد

ترجمہ ، پنجرے کے کونے میں روزی کا فکر بے فائدہ ہے ۔ آسمان کے نیچے روزی کا اندیشہ کیوں ۔

بعد کو ہوئی یعنی کھجور اور کھیتی ہر دونوں کو جس ہیئۃ کیفیت سے کھایا جاتا ہے اُن کے اس وقت مختلف ثمرے پیدا فرمائے۔

فائدہ: بغوی نے فرمایا اختلاف سے اُن کے ثمرات اور ذائقے میں کہ بعض ان میں میٹھے ہیں، بعض کھٹے، بعض اچھے ہیں اور بعض ردی وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ اور زیتون اور انار پیدا فرمائے۔

مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ اس کی نصب حال ہونے کی وجہ سے ہے یعنی درانحالیکہ اُن کے بعض رنگ اور ہیئت اور ذائقہ میں ایک دوسرے۔ ہمشکل اور بعض ہمشکل نہیں جیسے دو انار کہ رنگ دونوں کا ایک سا ہوتا ہے لیکن ان میں ایک میٹھا ہوتا ہے اور دوسرا کھٹا۔ **كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ** ان ہر دونوں کے ثمرات کھاؤ اذا اَثمر جب وہ پھل دینا شروع کریں۔ اگرچہ ابھی کچے ہوں اور اَثمر کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں پکنے سے پہلے یعنی کچے بھی کھانا جائز ہیں۔ **وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ** ذصلے اور اُن کے کاٹنے کے وقت ان کے حقوق ادا کرو۔ اس میں مشہور قول یہی ہے کہ انہیں کاٹتے وقت مسکینوں پر صدقہ دینا چاہیے

فائدہ: ابتدائے اسلام میں کھجوروں انگوروں وغیرہ میوہ جات پختہ ہو جانے کے بعد جس وقت انہیں کاٹا جاتا تو غیر متعین مقدار میں کچھ نہ کچھ مسکینوں کو دینا واجب تھا۔ پھر جب عشر کی فرضیت نازل ہوئی اس کے بعد یہ حکم منسوخ ہو گیا۔

مسئلہ: جس کھیتی اور باغ وغیرہ کی آسمان کے پانی سے آبپاشی وغیرہ کی جائے تو اس کا عشر (دسواں حصہ) ادا کرنا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر ان کا پانی کھینچ کر یا جانوروں کے ذریعے یا پانی کی قیمت ادا کر کے آبپاشی کی جائے تو اس میں نصف عشر (بیسواں) ادا کرنا واجب ہے۔ **وَلَا تُسْرِفُوا** اور صدقہ دینے میں اسراف نہ کرو۔

حکایت: مروی ہے کہ حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پانچسو کھجوریں تھیں جب پک گئیں تو سب کو ایک دن میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دیا اور اپنے بال بچوں اور اہل و عیال کیلئے کچھ بھی نہ بچایا

حدیث شریف میں ہے کہ خرچ کرنے میں پہلے اپنے اہل و عیال کا خیال رکھو۔

فائدہ: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہ خطاب بادشاہوں کو ہے کہ اے بادشاہو (حاکمو) رعایا سے اپنے حقوق سے زائد مال نہ لو۔ **إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ** بے شک اللہ تعالیٰ حد سے بڑھنے والوں کے کردار سے راضی نہیں ۱۴۲ **وَمِنَ الْأَنْعَامِ** اور بعض جانوروں کو پیدا فرمایا۔ **حَمُولَةً** بوجھ اٹھانے والے **وَفَرْشًا** اس سے وہ جانور مراد ہیں جو ذبح کیلئے بچھائے جاتے ہیں یا جن کے بالوں اور اُون سے بچھونے تیار

ہوتے ہیں انہیں بھی فرشا کہتے ہیں شاید یہ مصدر سے لے کر موسوم کرنے کے قبیل سے ہے۔

كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ یہ من تبعیضیہ ہے اور ما سے حُمُولَۃ اور فرشًا مراد ہیں یعنی ان جانوروں کا وہ حصہ کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال فرمایا ہے یعنی حلال اشیاء اس میں تصریح ہے کہ ان جانوروں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی بندوں کی خاطر اور اُن کی ضروریات کے لئے پیدا فرمایا ہے۔

سوال ، جانوروں سے اور بھی منافع حاصل کئے جاتے ہیں مثلاً سوار ہونا، بوجھ لادنا وغیرہ کفار نے ان چیزوں کو بھی انہوں نے سوائب وغیرہ کو اپنے اوپر حرام کیا ہوا تھا۔ تو پھر آیت میں صرف کھانے کی تخصیص کیوں ؟

جواب : چونکہ جانوروں سے انتفاع کی اشیا میں سے گوشت کو اہمیت وعظمت حاصل ہے اس لئے اسے خصوصیت سے ذکر کیا گیا ہے علاوہ ازیں جانور کے لئے حلال وحرام کے مسائل اسی سے متعلق ہوتے ہیں۔

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ اور شیطان کے نقش قدم پر نہ چلو۔ یعنی شیطان کے اس راستہ کو چھوڑ دو جس نے تمہیں اپنی طرف جانوروں کے حلال وحرام بنانے پر اُکسایا ہے اس لئے کہ وہ تمہیں گمراہی کی طرف بلاتا ہے۔ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝ بے شک وہ تمہارے ساتھ کھلی دشمنی رکھتا ہے جس کا تمہیں بھی علم ہے کہ اُس نے تمہارے دادا حضرت آدم علیہ السلام سے کیا کھیل کھیلا تھا۔

١٤٣ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ یہ حُمُولَۃ وفرشًا سے بدل ہے زوج ہر اس جوڑے کو کہتے ہیں جو دونوں ہمجنس ہوں اور اُن کے آپس میں جمع ہونے سے نسل بڑھے اور دیگر دو ہمجنسوں کو زوجان کہیں گے نہ کہ صرف زَوْج مثلاً کہا جاتا ہے مقراضان۔ مقصان۔ نہ کہ مقراض ومقص اس لئے کہ وہ دو ہیں اور یہاں پر ثمانیہ ازواج سے چار جوڑے مراد ہیں جو آپس میں مل کر آٹھ ہو جائیں گے "مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ" ثمانیہ ازواج سے بدل ہے یعنی بھیڑ سے جوڑا پیدا فرمایا۔ ایک نر دوسری مادہ اور ضان مشہور جانور ہے یعنی وہ جو صوف (اون) والا ہو۔

وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ اور بکری کے جوڑے سے یعنی اس کا نر و مادہ اور معز ہر وہ جانور جو بالوں والا ہو قُلْ (اے پیارے حبیب) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں فرمائیے ءَ اٰلذَّكَرَيْنِ کیا ان دونوں مذکورہ دو جنسوں بھیڑ اور بکری نروں کو حرّم۔ اللہ تعالیٰ نے حرام کیا۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ ان کے حرام ہونے کا انہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ یا دو مادینوں (بھیڑ بکری) کو حرام کیا۔ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ یا انہیں کہ جن پر ان دونوں کے رحموں نے اٹھایا۔ یعنی دونوں مذکورہ مادینوں کے حمل کو حرام کیا وہ مذکر ہوں یا مونث نَبِّئُوْنِیْ بِعِلْمٍ مجھے کسی علم سے خبر دو۔ یعنی مجھے بتاؤ وہ امر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی آسمانی کتاب میں یا انبیاء علیہم السلام کے خبر دینے سے نازل ہوا ہو۔ اسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان چیزوں کے متعلق حرمت بھی نازل ہوئی تھی۔ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم سچے ہو۔ اس دعویٰ پر کہ ان اشیاء کی حرمت کا حکم من

جانب اللہ تعالیٰ ہے ۱۴۴ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَیْنِ اور ایک جوڑا اونٹ کا۔ اس کا عطف من الضان اثنین پر یعنی اللہ تعالیٰ۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ابل میں دو پیدا فرمائے اونٹ اور اونٹنی ومن البقر اثنین اور ایک جوڑا گائے کا نر اور مادہ۔ قُلْ آپ انہیں دلیل دے کر خاموش کر دیجئے۔ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ اس نے ان میں سے دونوں نر حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَیَیْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَیْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَیَیْنِ حرام کئے یا دونوں مادہ یا وہ جسے دونوں مادہ پیٹ میں لئے ہیں۔ ان دونوں قسموں میں سے۔ یہ تمام انکار ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان چار چیزوں میں سے کوئی شے بھی اُن پر حرام نہیں کی۔ نر ہو یا مادہ یا وہ جوان کی مادیناں لئے ہوئے ہیں اس سے ان کا رد کرنا مطلوب ہے اس لئے کہ کبھی وہ جانوروں کے نر حرام کر دیتے جیسے حامی (اونٹ) جب نر اونٹ سے دس گیا بھر حاصل ہو جاتے تو اسے چھوڑ دیتے نہ تو اس پر سواری کرتے نہ اس سے کوئی کام لیتے۔ اور نہ اس کو پانی چارہ سے روکتے۔ اسے حامی کہتے اور کہتے کہ اب اس کی پیٹھ مضبوط ہو گئی ہے۔ اسی طرح وصیلہ یعنی وہ بکری جب مادہ جنتی تو کہتے مرد کھائیں گے اور اگر نر جنتی تو وہ بتوں کے لئے دے دیتے۔ اگر دونوں نر مادہ پیدا ہوتے تو کہتے یہ اپنے بھائی سے مل گئی ہے اور کبھی ان جانوروں کی مادہ حرام کر دیتے۔ جیسے سائبہ اور بحیرہ۔ زمانہ جاہلیت کے کفار کا یہ دستور تھا کہ جو اونٹنی پانچ مرتبہ بچے جنتی اور آخر مرتبہ اس کے نر ہوتا اس کا کان چیر دیتے۔ پھر نہ اس پر سواری کرتے نہ اس کو ذبح کرتے۔ نہ پانی اور چارے پر سے ہانکتے اس کو بحیرہ کہتے اور جب سفر پیش ہوتا یا کوئی بیمار ہوتا تو یہ نذر کرتے کہ اگر میں سفر سے بخیریت واپس آجاؤں یا تندرست ہو جاؤں تو میری اونٹنی سائبہ (بحار) ہے اور اس سے نفع اٹھانا بحیرہ کی طرح حرام جانتے اور اس کو آزاد چھوڑ دیتے اور یہ بھی ان کی عادت تھی کہ بحیرہ اور سائبہ سے جو بچہ دودھ چھڑانے تک زندہ رہتا تو اسے ذبح کرنے پر اس کا گوشت مردوں کیلئے اور عورتوں کے لئے حرام کہتے اور اگر پہلے مر جائے تو اس کے گوشت میں مرد عورتیں سب برابر ہوتے۔ ایسی صورت میں مرد و عورت کا کوئی فرق نہ رہتا۔ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ کیا تم موجود تھے۔ یہ ام منقطعہ بل اور ہمزہ کے معنی میں ہے اور ہمزہ میں انکار و توبیخ مطلوب ہوتی ہے اور بل سے مذکور امر میں ایک توبیخ سے اعراض کر کے بطریق دیگر دوسری توبیخ کی جاتی ہے۔ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں یہ حکم دیا کہ ان چیزوں کو حرام کرو۔

جب تم نبی علیہ السلام کو مانتے بھی نہیں تو پھر ایک صورت باقی رہ جاتی ہے وہ یہ کہ تمہارے مذہب کا دار و مدار اس پر ہو کہ تم مشاہدہ و معائنہ کے طور پر یا اللہ تعالیٰ سے براہ راست سننے کا دعویٰ کرو۔ فمن اظلم ممن افتریٰ علی اللہ کذبا " تو اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے یعنی اس کی طرف ایسی تحریم کی نسبت کرے جو اس سے حرام نہیں کی۔ لِيُضِلَّ النَّاسَ تاکہ لوگوں کو گمراہ کرے۔ یہ افتریٰ کے متعلق ہے۔ حضرت سعدی چلپی مفتی مرحوم نے فرمایا کہ لام عاقبت کی ہے بغیر علم اپنی جہالت سے یہ لیضل کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ تم وہ متلبس

(باقی صفحے پر)

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗۤ اِلَّاۤ اَنْ یَّكُوْنَ
مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ
اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۴۵﴾
وَعَلَی الَّذِیْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا
عَلَیْهِمْ شُحُوْمَهُمَاۤ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَاۤ اَوِ الْحَوَایَاۤ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ؕ
ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ بِبَغْیِهِمْ ۖ٘ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ
ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ ﴿۱۴۷﴾ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ
اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشْرَكْنَا وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ؕ كَذٰلِكَ
كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰی ذَاقُوْا بَاْسَنَا ؕ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ
عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ؕ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿۱۴۸﴾
قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۴۹﴾ قُلْ هَلُمَّ
شُهَدَآءَكُمُ الَّذِیْنَ یَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا
تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا وَالَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ
بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ یَعْدِلُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

ترجمہ: تم فرماؤ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی کسی کھانے والے پر کھانا حرام مگر یہ کہ مردار ہو یا
رگوں کا بہتا خون یا بد جانوروں کا گوشت کہ نجاست ہے یا بے حکمی کا جانور جس کے ذبح میں غیر خدا کا نام پکارا گیا
تو جو ناچار ہوا نہ یوں کہ آپ خواہش کرے اور نہ یوں کہ ضرورت سے بڑھے تو بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے ۱۴۵
اور یہودیوں پر ہم نے حرام کیا ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بکری کی چربی ان پر حرام کی مگر جو ان کی پیٹھ میں لگی ہو
یا آنت یا ہڈی سے ملی ہو ہم نے یہ ان کی سرکشی کا بدلہ دیا اور بے شک ہم ضرور سچے ہیں ۱۴۶ پھر اگر تمہیں جھٹلائیں تو تم

فرماؤ کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور اس کا عذاب مجرموں پر سے نہیں ٹالا جاتا[۱۴۷] اب کہیں گے مشرک کہ اللہ چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا نہ ہم کچھ حرام ٹھہراتے ایسا ہی ان کے اگلوں نے جھٹلایا تھا یہاں تک کہ ہمارا عذاب چکھا تم فرماؤ کیا تمہارے پاس کوئی علم ہے کہ اسے ہمارے لئے نکالو تم تو نرے گمان کے پیچھے ہو اور تم یوں ہی تخمینے کرتے ہو[۱۴۸] تم فرماؤ اللہ ہی کی حجت پوری ہے تو وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت فرماتا[۱۴۹] تم فرماؤ لاؤ اپنے وہ گواہ جو گواہی دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا پھر اگر وہ گواہی دے بیٹھیں تو اے سننے والے ان کے ساتھ گواہی نہ دینا اور ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلنا جو ہماری آیتیں جھٹلاتے ہیں اور جو آخرت پر ایمان نہیں لاتے اور اپنے رب کا برابر والا ٹھہراتے ہیں۔ [۱۵۰]

تفسیر عالمانہ: قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ فرمائیے کہ میں نہیں پاتا اس میں جو میری طرف وحی ہوئی۔ ایسا طعام مُحَرَّمًا حرام" عَلٰی طَاعِمٍ اور پر کسی کھانے والے کے خواہ وہ مرد ہو یا عورت اس میں اُن کے اس عقیدہ کا رد ہے جو کہا کرتے کہ وہ طعام ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ یَّطْعَمُهٗٓ جو اسے کھاتا ہے یہ طاعم کی تقریر کے لئے ہے اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مگر یہ کہ ہو وہ طعام مَیْتَةً مردار یعنی جسے شرعی طور ذبح نہ کیا جائے جیسے وہ جانور کہ جس کی گلا گھونٹ کر جان نکالی جائے۔ اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا یا رگوں کا بہتا ہوا خون۔

فائدہ: ہم نے رگوں کی قید لگائی ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ رگوں کے ماسوا دوسرے بہتا ہوا خون حرام نہیں جیسے جگر اور طحال کا خون۔ اس لئے کہ یہ خون جامد ہوتا ہے اور شرع نے انہیں مباح کیا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے دو مردار اور دو خون حلال کئے۔ دو مرداروں سے مچھلی اور ٹڈی اور دو خونوں سے جگر اور طحال مراد ہیں۔

مسئلہ: وہ خون جو گوشت میں ہے کہ اس کا علیحدہ کرنا ناممکن ہے تو وہ بھی مباح ہے اس لئے کہ وہ بہتا ہوا خون نہیں۔ اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ اور خنزیر کا گوشت اس لئے کہ وہ رِجْسٌ نجاست ہے کیونکہ خنزیر کو نجاست کھانے کی عادت ہے۔

فائدہ: حضرت حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس شے سے طبیعت کو طبعی نفرت ہو وہی رجس ہے اور یہ بھی

بقیہ صد ۶۸

ہے لاعلمی سے اور وہ اس علمی سے دوسروں کو گمراہ کرتا ہے۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ ظالموں کو راہ نہیں دکھاتا یعنی اُن کی کسی حالت میں بھی اصلاح نہیں ہو سکتی نہ ہی جلدی اور نہ بدیر۔ جب ظالم سے ہدایت کی نفی ہے تو اظلم کو بطریق اُولیٰ ہدایت نصیب نہ ہو۔

جائز ہے کہ فانہ کی ضمیر خنزیر کے گوشت کی طرف لوٹے اور وہ اس لئے کہ گوشت کو اہمیت حاصل ہے اگرچہ خنزیر نجس العین ہے کہ اس کا گوشت پوست اور اس کی چربی اور ہڈیاں اور بال سب حرام ہیں اور چونکہ ہر حیوان سے مطلوب گوشت ہوتا ہے اور اصالۃً حلت و حرمت اس کی طرف منسوب ہوتی ہے اس لئے اس کے ذکر کی تخصیص مناسب ہوتی ہے اور باقی اشیاء گوشت کے تابع ہوتی ہیں۔

قاعدہ نحویہ حضرت سعدی چلپی مفتی مرحوم لکھتے ہیں کہ ضمیر کا لوٹنا مضاف کی طرف ہوتا ہے اور کلیہ قاعدہ ہے اس لئے مقصود بالذات تو وہی ہے اور مضاف الیہ اسے معرفہ یا خاص کرنے کیلئے ہوتا ہے۔

اَوْ فِسْقًا اس کا عطف لحم الخنزیر پر ہے یا بے حکمی جانور جو کہ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ جس کے ذبح میں غیر اللہ کا نام پکارا جائے۔ یہ فسقاً کی صفت موضحہ ہے اور اسے فسق سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ ایسا جانور نرا فسق ہی فسق ہے۔ فَمَنِ اضْطُرَّ پس جسے ایسی ضرورت گھیرے کہ اُسے کھانے کے سوا اور کوئی چارہ نہ ہو۔ غَيْرَ بَاغٍ مجبوری پر نہ بغاوت کرنے والا ہو۔ وَّلَا عَادٍ اور نہ ضرورت سے بڑھنے والا۔ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ بے شک تیرا رب غفور رحیم ہے یعنی بہت بڑی مغفرت و رحمت والا ہے کہ اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔

فائدہ: یہ آیت محکمہ ہے اس لئے کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے الٰہی احکام کے خلاف اور کوئی حکم نہیں پایا اور نہ ہی اُن کے بعد کوئی اور وحی تحریم کے متعلق اُتری۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ آیت میں میتۃ سے دنیا مردار مراد ہے اس لئے کہ وہ ایک خوشنما جیفہ ہے۔ چنانچہ کسی شاعر نے کہا۔

وما هي الا جيفة مستحيلة
عليها كلاب همهن اجتذابها
فان تجتنبها كنت سلما لاهلها
وان تجتذبها نازعتك كلابها

دنیا ایک خوش نما جیفہ ہے اسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنا چاہتے ہیں۔ اگر تم اس سے کنارہ کشی کروگے تو دنیاداروں کے دُکھ تکالیف سے محفوظ رہوگے اور اگر اسے تم اپنی طرف کھینچوگے تو تیرے ساتھ دُنیا کے کتے خوب لڑیں گے۔

حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے داؤد علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اے داؤد (علیہ السلام) یہ دنیا ایک جیفہ ہے جسے بہت سے کتے اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کررہے ہیں کیا تم بھی اُسے اپنی طرف کھینچوگے۔ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ھمائے چوں تو عالی قدر حرص استخوانی حیفیست
دریغا سایۂ ہمت کہ برنا اہل افگندی

ترجمہ: تُو تو عالی ہمّت ہما ہے تجھے ہڈی کا حرص ہے افسوس ہے افسوس ہے کہ تو نے سایہ ہمّت نا اہل پر ڈالا ہے۔

اور الدم المسفوح سے وہ شہوات لذات مراد ہیں کہ جن پر دین کا خون بہایا جاتا ہے اور لحم الخنزیر وہ نجاست جو شیطان کے عمل سے ہو کما قال تعالیٰ انما الخمر و المیسر و الانصاب و الازلام رجس من عمل الشیطان فاجتنبوہ اور حقیقت میں رجس طریق حق سے ہٹ جانے اور اُس سے دوری کا نام ہے۔

ولادت مبارکہ سے محل کسریٰ کو زلزلہ آگیا مروی ہے جب حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی تو کسریٰ کے محل کو زلزلہ آگیا یعنی اسے ایسے زلزلہ آیا کہ اس سے اس سے حرکت کی آواز سنائی دیتی تھی۔

: رجس وہی ہے جو سالک کو حق سے دُور رکھے۔

او فسقا اھل لغیر اللہ بہ اس سے غیر حق کی طلب میں حق کی طلب سے نکل جانا مُراد ہے حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیا
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء خدا تعالیٰ سے غیر خدا کی تمنا کریں۔

امور مذکورہ بالا کا ارتکاب حرام ہے اس لئے کہ ان کے ارتکاب سے بندہ حق کے قرب سے محروم ہو جاتا ہے ہاں بقدر ضرورت حلال ہے اس لئے کہ مقولہ مشہور ہے کہ "الضرورت تبیح المحذورات" ضرورت ممنوع اشیاء کو مباح کر دیتی ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا "تمعددوا واخشوشنوا" یعنی سعد بن عدنان کی اقتدار کر کے موٹا لباس پہنو اور ننگے پاؤں رہو۔ اس لئے کہ اس طرح سے تواضع حاصل اور تکبر ترفع سے نجات ملتی ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ دنیا داری سے بچو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے دنیا داری کو پسند نہیں کرتے ؎

نہ بر نعمت دنیا منہ دل
کہ دل بر داشتن کاریست مشکل

ترجمہ: دنیا کے ناز و نعمتوں پر دل نہ لگا۔ اس لئے کہ اس سے پھر دل اٹھانا مشکل ہے۔

سبق دانا پر لازم ہے کہ وہ دنیا کی بے رغبتی اختیار کرے۔ بلکہ اسبابِ دُنیا سے کنارہ کش رہے جیسے حضرات انبیاء علیہم السلام اور کاملین اولیاء رحم اللہ تعالیٰ کا طریقہ ہے۔

حکایت: بعض بزرگوں سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درویش کو دیکھا کہ جنگل میں ایک کنویں سے پانی لینے آیا۔ جب کنویں میں ڈول ڈالا تو رسی ٹوٹ گئی اور ڈول کنویں میں گر گیا۔ اُس درویش نے وہاں تھوڑی دیر ٹھہر کہا کہ اے الہ العالمین مجھے تیری عزت کی قسم ہے کہ میں ڈول لے کر جاؤں گا یا پھر کوئی اور حکم صادر فرمائیے تاکہ میں چلا جاؤں یہ درویش ابھی وہیں پر کھڑا تھا کہ ایک پیاسی ہرنی کنویں پر آگئی اور کنویں کے اندر جھانکا تو کنویں کے پانی نے جوش مارا اور کنویں کے لبوں سے باہر اُبلنے لگا اور درویش کا ڈول بھی تیرتا ہوا باہر آگیا۔ درویش یہ حال دیکھ کر رو دیا اور کہا یا الہ العالمین میں اس ہرنی سے بھی گیا گزرا ہوں کہ اسے اتنا بڑا مرتبہ عنایت فرمایا اور مجھے اتنا پریشان فرمایا۔ اس پر ہاتف غیبی نے جواب دیا کہ تم ڈول اور رسی لے کر آئے اور ہرنی تمام اسباب توڑ کر صرف اللہ تعالیٰ کے سہارے حاضر ہوئی اس لئے وہ تجھ سے بازی لے گئی۔

سبق: اس حکایت سے معلوم ہوا کہ سالک پر لازم ہے کہ غیر اللہ سے کلی طور منقطع ہو جائے۔

تفسیر عالمانہ ۱۴۶ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا اور ان لوگوں پر جو یہودی ہیں یعنی یہ حکم صرف یہودیوں کیلئے ہے یہ پہلے لوگوں کے لئے اور نہ بعد والوں کے لئے۔ حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کیا۔

فائدہ: ہر انگلی والا جانور ذی ظفر کہلاتا ہے اس سے انگلیوں کے درمیان میں کشادگی ہو جیسے درندوں اور کتوں اور بلیوں کے تمام اقسام یا نہ ہو جیسے اونٹ اور شتر مرغ اور مرغابی اور بطخ۔

فائدہ: ان پر بعض ناخن والے جانور حلال تھے پھر جب انہوں نے نافرمانی کی سزا کے طور تمام ذی ظفر حرام ہو گئے وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ یہ حرمنا علیہم شحومھما کے متعلق ہے اور گائے بکریوں کی چربی ہم نے اُن پر حرام کی نہ کہ گوشت ان پر حرام تھا۔ بلکہ ان پر اُن کی حلت باقی رہی۔ شحوم بمعنی ثرب یعنی چربی وغیرہ۔ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا یہ شحوم سے مستثنیٰ ہے یعنی مگر وہ چربی جو ان کی پیٹھوں اور گردوں پر ہے یعنی دونوں مونڈھوں سے لیکر دونوں رانوں کی اندر اور باہر والی چربی اُن کے لئے حلال ہے۔

أَوِ الْحَوَايَا اس کا عطف ظہورھما پر ہے یعنی ان کی آنتوں وغیرہ پر جو چربی ہے وہ بھی اُن کیلئے حلال ہے الحوایا الحویہ کی جمع ہے کذا فی الصحاح بمعنی آنتیاں وغیرہ أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ اس کا عطف عطف ما حلت پر ہے یا وہ چربی جو ہڈیوں سے ملی ہوئی ہوتی ہیں اس سے رانیں مراد ہیں اور اختلاط بمعنی اتصال ہے اور

ہڈی سے عصص مراد ہے یعنی دم کی ہڈی جو پیٹھ کی انتہا سے شروع ہوتی ہے

فائدہ: بعض روایات میں ہے کہ سب سے اسے پہلے پیدا کیا جاتا ہے اور مرنے کے بعد تمام ہڈیوں سے سب سے آخر میں یہی گلتی ہے۔ ذٰلِكَ جَزَیْنٰهُمْ ہم نے ان یہودیوں کو جزا دی بِبَغْیِهِمْ ان کی بغاوت یعنی ظلم کے سبب سے۔ ان کے ظلم یہ تھے (۱) انبیاء علیہم السلام کو ناحق قتل کرنا۔ (۲) سود لینا۔ (۳) لوگوں کا باطل ذریعہ سے مال کھانا۔

قاعدہ: ان کے لئے ضابطہ بن چکا تھا کہ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو اُن پر حرام کر دیا جاتا تھا چونکہ اب اُن کے منکر ہو گئے اور کہتے کہ یہ اشیاء جیسے ہم پر حرام ہیں گذشتہ امتوں پر بھی حرام تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے حلال کر کے اسے پھر مؤکد فرمایا کہ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ اور بے شک ہم سچے ہیں یعنی ان کی ہر بات کی خبر دینے میں۔

۱۴۷ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ پس اگر وہ آپ کی تکذیب کرتے ہیں اس سے یہود اور مشرکین مراد ہیں اور وہ ان کی تکذیب یہ تھی کہ حلال و حرام کی تفصیل جو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بتائی اس کا انکار کر دیا۔

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ج بس فرمایئے تمہارا رب تعالیٰ بہت بڑی رحمت والا ہے کہ وہ تمہاری تکذیب کے باوجود تمہاری سزا میں عجلت نہیں کرتا لیکن تمہیں اس سے دھوکہ میں نہ رہنا چاہیے اس لئے کہ وہ تمہیں مہلت دے رہا ہے کہ کہیں سمجھ جاؤ۔ لہٰذا اس تصور میں نہ رہو کہ وہ تمہیں سزا بھی نہیں دے گا۔

وَلَا یُرَدُّ بَاْسُهٗ اور اس کا عذاب روکا نہیں جا سکتا۔ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِیْنَ۔ مجرم قوم سے جب کہ نازل ہو گا۔ ۱۴۸ سَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ عنقریب مشرکین کہیں گے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہمیں شرک میں مبتلا کرنا نہ چاہتا مَآ اَشْرَكْنَا تو نہ ہم شرک کرتے وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَیْءٍ ط اور نہ ہمارے آباء و اجداد اور نہ ہم کسی شے کو حرام کرتے اس سے ان کا منشا یہی تھا کہ جو کچھ ہم کر رہے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ راضی ہے (معاذ اللہ) كَذٰلِكَ اسی تکذیب کی طرح یعنی جیسے وہ کہتے ہیں کہ ہم نے شرک کیا یا جن اشیاء کو حرام بتایا یہ سب مشروع اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب و مرغوب ہیں اور کہتے کہ اے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تم ان باتوں میں معاذ اللہ جھوٹے ہو جب کہ کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے شرک سے روکا ہے اور جن اشیاء کو تم حرام کہتے ہو انہیں اللہ تعالیٰ نے حرام نہیں کیا۔ كَذَّبَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ اُن کے متقدمین نے سابقہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کی حَتّٰی ذَاقُوْا یہاں تک کہ انہوں نے چکھا یہ حتیٰ امتداد التکذیب کی غایۃ کے لئے ہے بَاْسَنَا۔ ہمارا عذاب جو کہ ان کی تکذیب پر ہم نے اُن پر نازل کیا۔

قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ یہ مِنْ زائدہ ہے عِلْمٍ یعنی فرمایئے اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کیا تمہیں

ص ۵ : مفترہ یوں ہو تو بہتر ہو گا۔ گناہ کی سزا میں حلال اشیاء کو الی آخرہ۔

کوئی ایسا امر معلوم بھی ہے کہ جس سے تم اپنے دعویٰ پر حجت کے طور پیش کر سکو۔ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا اگر ہے تو اسے ہمارے سامنے پیش کرو۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ تم صرف گمان کی اتباع کرتے ہو یعنی جن امور کے تم مرتکب ہوئے ہو یعنی شرک اور حلال چیزوں کو حرام کہتے ہیں تم اپنے گمان کی تابعداری کر رہے ہو۔ حالانکہ وہ سراسر باطل اور جہالت پر مبنی ہے۔ ذرہ بھر بھی اس میں یقین کا شائبہ نہیں ہو سکتا۔ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ۔ اور تم اللہ تعالیٰ پر افترا کر رہے ہو۔ ۱۴۹ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ۔ یہ فاء محذوف شرط کی جزاء ہے اصل عبارت یوں تھی۔ واذا قد ظہر ان لا حجۃ لکم فللّٰہ الحجۃ البالغۃ۔ یعنی اور جب ظاہر ہو گیا کہ تمہارے ہاں کوئی دلیل نہیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں حجۃ بالغہ ہے۔

فائدہ: حجت بالغہ اس دلیل کو کہتے ہیں کہ متانت اور ثبات کے انتہا کو پہنچے یا ایسی دلیل کہ جس سے مدعی اپنے دعویٰ پر صحیح اُترے۔ اس سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ اور ان کا بیان مراد ہے۔ فَلَوْ شَآءَ پس اگر اللہ تعالیٰ تم سب کو ہدایت دینا چاہے لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ تو تم سب کو ہدایت دیدے یعنی تمہیں اسلام لانے کی توفیق بخشے اور ہدایت کے اسباب تیار فرما دے لیکن وہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے تو اُسے طریق حق کی طرف پھیر دیتا ہے اور اگر کسی کو گمراہ کرنا چاہتا ہے تو اس کے ارادے اسلام کے خلاف کر دیتا ہے۔

۱۵۰ قُلْ هَلُمَّ" یہ اسم فعل ہے بمعنی احضروا یعنی اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمائیے کہ حاضر کرو" شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا اپنے لیڈروں کو جو ثابت کر دکھلائیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے۔ شہداء سے ان کے وہ لیڈر مراد ہیں جن کے اقوال و اعمال کو وہ اپنا مذہب سمجھتے تھے۔ اس سے وہ شہدا مراد نہیں کہ اُلٹی سیدھی مار کر ان کا دعویٰ صحیح کر دکھائیں۔ اس لئے شہداء کے لفظ کو ان کی طرف مضاف فرمایا یہ حکم اس لئے سنایا تاکہ ان پر حجت قائم ہو کر انہیں معلوم ہو جائے کہ واقعی وہ گمراہی پر ہیں ورنہ اُن کے دعویٰ کی دلیل نہ اُن کے پاس تھی اور نہ ہی اُن کے لیڈروں کے پاس۔

فَاِنْ شَهِدُوْا بفرض محال اگر اُن کے لیڈر کچھ کہہ بھی دیں اور ثابت کرنے کی کوشش کریں کہ ان چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ تو آپ ان کی تصدیق نہ فرمائیں اس لئے کہ وہ جو کچھ کہتے ہیں۔ خالص جھوٹ ہے اور واضح طور اس کا فساد بیان کیا جا چکا ہے وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ۔ اور آپ ہماری آیات کی تکذیب کرنے والوں اور آخرت پر ایمان نہ لانے والوں کی اتباع نہ کریں۔ اس سے بتوں کے پجاری مراد ہیں موصول ثانی کے موصوف اول پر عطف ہے یہ عطف الصفۃ علی الصفۃ مع اتحاد الموصوف کے قبیل سے ہے اس لیے کہ جو آیات کی تکذیب کرتا ہے وہی آخرت پر ایمان نہیں رکھتا۔ اسی طرح بالعکس وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ۔

اور وہ اپنے رب کے ساتھ اس کا ہمسر مانتے ہیں اس کا عطف " لایومنون" پر ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ان لوگوں کی اتباع نہ کیجئے جو مذکورہ بالا اوصاف قبیحہ کے جامع ہیں۔

(۱) وہ آیاتِ الٰہی کی تکذیب کرتے (۲) آخرت کا انکار کرتے (۳) اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہیں اس معنی پر نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے بلکہ انہیں یوں فرمایا ہے کہ وہ ایسے بدبخت ہیں کہ ان جملہ امور بالا مذکورہ کے جامع اور ان صفات قبیحہ سے موصوف ہیں۔

فائدہ جامعہ اللہ تعالیٰ نے طیبات کو حلال فرما کر کافروں کے ان توہمات کا رد فرمایا جو اپنی طرف سے بعض اشیاء کو حرام کر دیا۔ اس لئے کہ دین کی بنا وحی پر ہے نہ کہ خواہش نفسانی پر اور خبیث ترین چیزوں کو بھی حرام کیا۔ جیسے شراب اور مردار اور بہتا ہوا رگوں کا خون اور خنزیر وغیرہ وغیرہ یعنی ان کا جیسے کھانا پینا حرام ہے ایسے ہی بیچنا بھی حرام ہے۔ ایسے ہی اُن کے بیچنے سے جو قیمت حاصل ہو گی وہ بھی حرام ہے۔ اُن کے ماسوا ان اشیاء سے انتفاع جائز ہے۔ جیسے مردار کی چربی کو کشتیوں کے سوراخ پر لگایا جاتا ہے اور چمڑوں پر تیل کے طور پر لگاتے ہیں اور اُسے بعض لوگ روشنی کے لئے جلاتے ہیں یہ تمام امور حرام نہیں۔

فائدہ: جتنے امور اللہ تعالیٰ نے حرام کئے ہیں وہ بطور سزا کے روکے یا اُلٹا ان سے انعام دینا مطلوب تھا جیسے یہود پر ان اشیاء کی حرمت بطور سزا کے تھا اور اہل ایمان سے بعض چیزوں کی حرمت محض اس کا فضل و کرم ہے۔ اس لئے کہ اُسے معلوم ہے کہ ان اشیاء کا ضرر نفسانی یا روحانی و نفسانی ہے جیسے زہر کا ضرر اور دیگر وہ اشیاء کہ جن کے استعمال سے ہلاکت جان ہوتی ہے۔ دوسرا ضرر روحانی ہوتا ہے جیسے درندوں اور موذی جانوروں کا گوشت وغیرہ اسی لئے کہ اُن کے گوشت سے ان کی عادات کا اثر کھانے والے کے روحانی اخلاق پر پڑتا ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا " دودھ بھی عادات پر اثر انداز ہے۔

حکایت: حضرت الشیخ ابو محمد الجوینی اپنے گھر میں داخل ہوئے۔ دیکھا کہ اُن کے صاحبزادے امام ابوالمعالی کو غیر عورت دودھ پلا رہی ہے۔ آپ نے بچے کو اٹھایا اُلٹا دیا اور پیٹ کو ملنا شروع کر دیا اور منہ کے اندر انگلی دبا دی۔ اسی طرح بار بار کیا۔ یہاں تک کہ بچے نے پیا ہوا دودھ قے کر دیا حضرت شیخ نے فرمایا کہ میرا بچہ مر جائے تو مجھے اتنا رنج نہیں ہوگا۔ جتنا اس کا غیر عورت کے دودھ پینے سے غم و الم ہوگا۔ پھر جب امام ابوالمعالی رحمۃ اللہ تعالیٰ جوان ہوئے تو مناظرہ کے وقت ان کی طبیعت پر بوجھ پڑ جاتا۔ فرماتے یہ اس غیر عورت کے دودھ کا اثر ہے۔

فائدہ: ماں کے دودھ سے بچے کے عادات پر اثر پڑتا ہے اگر عورت نیک ہو تو بچے کو نیکی کی عادت ہو گی اگر عورت

بُری تو بچہ کے عادات بھی بُرے ہونگے۔

فائدہ : حیوانات کے گوشت میں بھی بہت بڑی تاثیر ہوتی ہے۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گائے بھینس کا دودھ اور گھی لازم پکڑو اور ان کے گوشت سے بچو اس لئے کہ ان کے دودھ اور گھی میں شفا اور اُن کے گوشت میں بیماری ہے۔

سوال : اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کے نزدیک گائے بھینس کا گوشت نا جائز ہے حالانکہ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ آپ نے اپنی ازواجِ مطہرات کی قربانی کے لئے گائے ذبح فرمائی۔

جواب ۱ : امام حلیمی نے گائے وغیرہ کے گوشت کو بیماری فرمایا۔ وہ بھی صرف اہلِ حجاز کی یبوست کے پیشِ نظر کہ انہیں بھی یبوست اور گوشت میں بھی یبوست۔ اس سے اہلِ عرب کی بیماری لازمی امر ہے اور ان کی خشکی کا گائے کے دودھ اور گھی سے دُور ہونا ضروری۔ جس سے اُن کی شفا ضروری۔ بنا بریں کہ آپ نے عرب کی طبع کے پیشِ نظر یونہی فرمایا اور یہی جواب موزوں تر بھی ہے ورنہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنی ازواجِ مطہرات کی قربانی کے لئے بُری شے کو اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیش نہ کرتے اور اسے بیماری اس یبوست اور اہلِ عرب کی یبوست کی وجہ سے تعبیر فرمایا۔

جواب ۲ : گائے کو قربانی میں ذبح کرنا بیانِ جواز کے لئے ہے۔

جواب ۳ : اس وقت آپ کو قربانی کے لئے صرف وہی گائے میسر آئی (کذا فی المقاصد الحسنہ) جوابِ اوّل موزوں تر ہے

جنوں سے حفاظت کا علاج گائے بھینس کے منجملہ فوائد کے ایک فائدہ یہ ہے کہ جو منہ نہار اس کا دودھ پچاس درہم کی مقدار پیئے تو اسے جنوں سے حفاظت ہوگی اگر اُسے ہوگا بھی اس کے دودھ کی برکت سے دفع ہو جائے گا۔

مسئلہ : حضرت فقیہ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ بقدرِ ضرورت، طب کا پڑھنا مُستحب ہے بالخصوص جس بیماری میں مبتلا ہو اُس کے مضرات و مفیدات کے ضروری معلومات یاد کر لئے جائیں۔ اس لئے کہ علم دو ہیں (۱) علم الابدان (۲) علم الادیان (العلم علمان علم الابدان وعلم الادیان) علم الابدان کو مقدم فرمانے میں اشارہ فرمایا کہ اس کے ذریعہ انسان بلکہ دیگر حیوانات کے لئے شفا حاصل ہوتی اور جب کہ انسان کا جسم ہی بیمار ہو تو عبادتِ خداوندی نیز حقوق العباد میں کمی آئے گی اور اسی طرح دیگر حیوانات کا حال ہے بالخصوص وہ حیوانات جو کہ انسان سے متعلق ہیں۔ مثلاً اونٹ گائے بھینس گھوڑا بکری وغیرہ جو انسان کیلئے کار آمد ہیں۔

(باقی ص۷۹ پر)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا
وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ
نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ
وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ
اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ ۚ وَاَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيْزَانَ بِالْقِسْطِ ۚ لَا
نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۚ وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۚ
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۱۵۲﴾
وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ
بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۵۳﴾ ثُمَّ
اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا
لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاۗءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾

ترجمہ: تم فرماؤ آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں جو تم پر تمہارے رب نے حرام کیا کہ اس کا کوئی شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اور اپنی اولاد قتل نہ کرو مفلسی کے باعث ہم تمہیں اور انہیں سب کو رزق دیں گے اور بے حیائیوں کے پاس نہ جاؤ جو ان میں کھلی ہیں اور چھپی ہیں اور جس جان کی اللہ نے حرمت رکھی اسے ناحق نہ مارو یہ تمہیں حکم فرمایا ہے کہ تمہیں عقل ہو ۱۵۱ اور یتیموں کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر بہت اچھے طریقے سے جب تک وہ اپنی جوانی کو پہنچے اور ناپ اور تول انصاف کے ساتھ پوری کرو ہم کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتے مگر اس کے مقدور بھر اور جب بات کہو تو انصاف کی کہو اگرچہ تمہارے رشتہ دار کا معاملہ ہو اور اللہ ہی کا عہد پورا کرو یہ تمہیں تاکید فرمائی کہ کہیں تم نصیحت مانو ۱۵۲ اور یہ کہ یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو اور راہیں نہ چلو کہ تمہیں اس کی راہ سے جدا کر دیں گی یہ تمہیں حکم فرمایا کہ کہیں تمہیں پرہیزگاری ملے ۱۵۳ پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا فرمائی پورا احسان کرنے کو اس پر جو نیکو

کتاب ہے اور ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت کو کہیں وہ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں ۔ ۱۵۴

تفسیر عالمانہ ۱۵۱ قُلْ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمایئے تَعَالَوْ یہ تعالیٰ کا امر ہے دراصل اس لفظ سے اونچے مکان پر چڑھ کر نیچے والے کو بلانے کیلئے وضع کیا گیا[1] گویا جسے بھی اپنے ہاں یا اپنی طرف متوجہ کرنا مطلوب ہوتا ہے تو اس کلمہ سے مخاطب کو بلایا جاتا ہے بلانے والا خواہ اوپر ہو یا نیچے

---

[1] : جیسے انگریزی دان کہا کرتے ہیں come up یا come on اس سے اُن کی مراد دوسرے کو مخاطب کرنا قدرے زوردار لہجے میں ہوتی ہے ۔

بقیہ صفحہ ۷۷

مسئلہ : بوقت ضرورت علماء نے حرام اشیاء سے علاج کی اجازت بخشی ہے

مسئلہ : اشباہ میں ہے کہ طعام میں جب تغیر آجائے (یعنی عفونت) تو وہ پلید ہو جاتا ہے[1]

مسئلہ : دودھ ۔ زیتون، گھی میں جب بدبو پیدا ہو جائے تو ان کا کھانا حرام نہیں ۔

مسئلہ : مرغی ذبح کر کے اس کا پیٹ چاک کئے بغیر ہانڈی پر چڑھا دی جائے تو وہ پانی بھی پلید اور گوشت ہوا بھی (خواہ پانی کے بغیر بھونی ہی جائے) ہاں بلی اُسے اٹھا کر لے جائے لیکن خود اس کے آگے نہیں رکھیں گے ۔ (یہ احتیاطی حکم ہے)

سبق دانا پر لازم ہے کہ بدن کو ضرر پہنچانے والی اشیاء سے احتراز کرے بدن کے مضرات میں پیٹ بھر کر کھانا بھی شمار ہوتا ہے ۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا ۔ بیماریوں کا اصل پیٹ بھر کر کھانا اور اس کا علاج بھوکا رہنا ہے ؎

آں حکیمے کہ دُر حکمت سفت

کُلُ قلیلا تعش کثیرا گفت

ترجمہ : اس حکیم نے حکمت کے موتی پرو دئیے ہیں فرمایا کہ تھوڑا کھا بڑی عمر تک زندگی بسر کرے گا ۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

ندارند تن پروراں آگہی

کہ پُر معدہ باشد ز حکمت تہی

ترجمہ : نہیں رکھتے تن پرور خبر اس لئے کہ معدہ کو پُر کرنے والے حکمت سے خالی ہوتے ہیں ۔

اوپر نیچے کے الفاظ محض محاورہ کیلئے ہیں ورنہ واقعتہً ایسا ہونا ضروری نہیں) قُلْ یہ تعالوا امر کا جواب ہے اس لئے مجزوم ہے بمعنی اقرار لینی آؤ میں تمہیں پڑھ سناؤں مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ وہ چیزیں جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے اوپر حرام فرمائی ہیں یعنی وہ آیات پڑھ کر سناؤں جن میں اشیاء کی حرمت کا بیان ہے۔ عَلَیْكُمْ یہ حَرَّمَ سے متعلق ہے ان مفسرہ اور لَا ناہیہ ہے۔ تُشْرِكُوا بِهٖ اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ بناؤ۔ شَیْئًا اس کی تنوین تنکیر کی ہے۔

قاعدہ تفسیریہ ان تین آیات میں یعنی لَا تُشْرِكُوا بِهٖ الخ سے لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تک دس خصلتوں جو تمام بھلائی کی جامع ہیں کا بیان ہے اور تمام آسمانی کتب تا قرآن مجید میں منسوخ ہو کر مندرج ہو رہی ہیں یہ تمام خصلتیں تمام بنی آدم پر حرام ہیں اور تمام زمانوں اور تمام امتوں میں بحال رہی ہیں کبھی ان میں تغیر و تبدل اور اختلاف نہیں ہوا۔ وہ دس خصلتیں یہ ہیں

(۱) لَا تُشْرِكُوا بِهٖ شَیْئًا شرک کے بیان میں تقدیم اس لئے ہے

کہ یہ راس المحرمات ہے مشرک کی کوئی نیکی بھی قبول نہیں ہوتی۔ شرک دو قسم ہے (۱) جلی یعنی بتوں کی پرستش شرک جلی ہے (۲) خفی یعنی اللہ تعالیٰ واحد قہار کے ساتھ اغیار کا خیال (صوفیا کے نزدیک) شرک خفی ہے

تا دم وحدت زدی حافظ شوریدہ حال
خامہ توحید کش بر ورق این و آن

ترجمہ: توحید کا دم بھرتا ہے تو اے حافظ شوریدہ حال تو تجھے چاہیے کہ توحید کا قلم این و آن کے ورق پر

(۲) وَبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اور ماں باپ سے احسان کرو یعنی ان کی نافرمانی نہ کرو۔ اس لئے کہ ان کی نافرمانی حرام ہے

(قاعدہ) شئے کا امر اس کی ضد کی نہی کو مستلزم ہے جیسے احسان کے امر سے بے فرمانی کی نہیں ثابت ہوئی اسی طرح فرمایا اَوْفُوا اس میں کم تولنے کی نہیں ہے۔

سوال: اگر نہی مطلوب ہے تو پھر اسے امر سے کیوں تعبیر کیا ہے؟

جواب: تاکہ حقوق کی رعایت میں مبالغہ ہو اس لئے کہ محض ان کے حقوق کی ادائیگی میں ترک اساءت ناکافی ہے

ان دس خصلتوں میں یہ دوسری خصلت ہے۔

سوال: تحریم شرک کے بعد تحریم عقوق کے ذکر میں کیا راز ہے۔؟

جواب: والدین بچے کے لئے قریبی سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ بندے کا موجد ہے تو والدین کو پرورش کے لحاظ سے درجہ ثانویہ حاصل ہے فلہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی میں سستی کرنے کا نام عقوق ہے اور یہی شرک بعد کبیرہ گناہ ہے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کے جنگل میں جا رہا تھا۔ دیکھا کہ اچانک میرے ساتھ ایک بزرگ چل رہے ہیں۔ مجھے ان سے تعجب ہوا اور خیال گزرا کہ یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان سے عرض کیا کہ آپ کو خدا تعالیٰ کا واسطہ دیتا ہوں۔ سچ فرمائیے آپ کون ہیں انہوں نے فرمایا میں تیرا بھائی خضر ہوں۔ میں نے عرض

کیا آپ میرے ساتھ کیوں چل رہے ہیں۔ انہوں نے فرمایا چونکہ تم اپنی والدہ کے فرمانبردار ہو اس لئے میں تمہارے ساتھ چلنے پر مامور ہوں ۔

جنت کہ سرائے مادر انست
زیر قدم مات مادر انست

ترجمہ : وہ جنت جس میں ہماری سرائے ہے وہ ماں کے قدموں کے نیچے ہے ۔

(۳) وَلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو یعنی اپنی بچیوں کو زندہ درگور نہ کرو ۔
مِنْ اِمْلَاقٍ تنگ دستی کی وجہ سے انفاق بمعنی زاد و نفقہ کو جاری کرنا ۔ مثلاً کہا جاتا ہے املق الرجل یہ اس وقت بولتے ہیں جب کوئی زاد و نفقہ کا اجراء کرے ملق سے ماخوذ ہے بمعنی طلب مراد میں اپنی جد وجہد خرچ کرنا نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ہم تمہیں اور انہیں روزی دیں گے لہٰذا فقر و افلاس سے نہ ڈرو اس خطرہ سے کہ تم رزق کیسے حاصل کرسکو گے ۔

یہی تیسرا حکم ہے ان دس خصلتوں میں جن کے متعلق پہلے بیان کیا گیا ہے

نکتہ : بچوں کو قتل کرنے کی رکاوٹ اس لئے ہے کہ اس طرح سے اللہ تعالےٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھانا ہے اور ملعون ہے وہ جو اللہ تعالیٰ کے دین کی بنیاد کو ڈھاتا ہے اور اس طرح سے اس کے درخت کا ثمرہ توڑنا اور اس کی کھیتی کو اجاڑنا اور نسل کو قطع کرنا اور امر رزق میں توکل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑنا ۔ ان امور سے تکذیب الٰہی لازم آتی ہے اس لئے کہ اس کا وعدہ ہے وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔ ؎

ما آبروئے فقر و قناعت نمی بریم
با پادشاہ بگوئے کہ روزی مقدر است

ترجمہ : ہم نے فقر و قناعت کی قدر نہ کی ۔ بادشاہ کو کہو کہ روزی مقدر ہے ۔

(۴) وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ (اور زنا کے قریب نہ جاؤ) نکتہ فواحش جمع کے صیغہ میں لانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ زنا کے جمیع انواع حرام ہیں ۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ " سے الفواحش سے بدل الاشتمال ہے ۔ مَا ظَهَرَ سے وہ زنا مراد ہے جو گھروں میں عام زنا کیا جائے ۔ جیسے کہ رذیل لوگوں کی عادت ہے وَمَا بَطَنَ سے وہ زنا مراد ہے جو چوری چھپے کیا جائے ۔ جیسے شرافت کے مدعیوں سے اس طرح کی غلطیاں ہو جاتی ہیں ۔

یہ ان دس خصلتوں سے چوتھا حکم ہے

نکتہ : زنا سے قریب جانے کی نہی سے مبالغہ مقصود ہے یعنی یہ ایسی گندی خصلت ہے کہ اس کے قریب بھی نہ جانا چاہئے

مسئلہ: اس میں وہ اعمال بھی داخل ہوں گے جو بہشت سے دوری اور دوزخ میں داخلے کا سبب بنتے ہیں مَا ظَهَرَ کا یہی مطلب ہے اور بعض امور وہ ہیں جن سے اگرچہ بہشت سے دُوری اور دوزخ کے داخلہ کا سبب تو نہیں لیکن حق سے دُور اور محجوب بنا دیتے ہیں یہ مَا بَطَنَ سے یہی مراد ہے۔

فائدہ: مَا ظَهَرَ سے وہ گناہ مراد ہیں جن کا ارتکاب ہو جائے اور مَا بَطَنَ سے وہ جو ابھی ارادہ میں ہیں اور آنکھ کا زنا بھی اس میں داخل ہے ؎

این نظر از دُور چوں تیر است دُشم
عشقت افزوں میشود صبر تو کم

ترجمہ: یہ نگاہ دُور سے تیز و زہر کی طرح ہے اس سے عشق بڑھے گا اور صبر کم۔

اعجوبہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مرد میں شیطان کے تین گھر ہیں۔(۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) اور ذکر اور عورت میں بھی اس کے تین گھر ہیں۔(۱) دونوں آنکھیں (۲) قلب (۳) رانیں۔

(۵) وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللّٰهُ اور اس نفس کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے یعنی احکام اسلام کی رُو سے یا اس سے معاہدہ ہوا ہے۔ اس سے حربی خارج ہوا کہ اس کے قتل کرنے میں حرج نہیں اس لئے کہ اس کے قتل سے نہ اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور نہ ہی اس سے معاہدہ ہوا ہے۔

اِلَّا بِالْحَقِّ۔ یہ استثناء مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال مقدر ہے یعنی اُسے کسی حال میں بھی قتل نہ کرو۔ مگر بوقت حق سے ملابس ہونے کے اور وہ شرع کا حق ہے یعنی جس کے قتل میں شرع نے اجازت بخشی ہے اور وہ یہ ہیں (۱) مرتد ہونے کے بعد (۲) شادی شدہ کا زنا کرنا (۳) نفس معصومہ کو قتل کرنے کے بدلے میں۔ یہ ان دس خصلتوں میں سے پانچواں حکم ہے۔

نکتہ: کسی کو ناحق قتل کرنے میں امر حق کی تعظیم اور شفقت علی الخلق کا ترک لازم آتا ہے اور یہ دونوں امر دین کی بنیاد ہیں۔

تفسیر صوفیانہ: دراصل قتل حق یہ ہے کہ بندہ طلب حق میں مرجائے اور جو راہ حق میں مرجائے حقیقتہً وہ زندہ ہے۔

حکایت: حضرت ابو سعید خراز رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ مکہ معظمہ میں ایک دن میرا بنو سقیفہ کے ایک گھر سے گزر ہوا۔ میں نے ایک نوجوان کو مُردہ پایا۔ میں نے اُسے جھانک کر دیکھا تو اُس نے میرے دیکھنے پر آنکھ کھولی اور ہنس پڑا اور فرمایا اللہ والے مرتے نہیں۔ بلکہ وہ زندہ رہتے ہیں۔ وہ ایک دار سے منتقل ہو کر دوسری دار میں چلے جاتے ہیں ؎

مشو بمرگ ز امداد اهل دل نا اُمید
کہ خواب مردم آگاہ عین بیداری ست

ترجمہ : اللہ والوں کی موت کے بعد ان کی امداد سے ناامید نہ ہو، کیوں کہ آگاہ مردانِ خدا کی نیند میں بیداری ہے ۔
ذٰلِکُمْ یہ مذکورہ بالا امورِ خمسہ کی طرف اشارہ ہے وَصّٰکُمْ تمہیں ان امور کی اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی ہے یعنی ان کی حفاظت کا تاکیدی حکم فرمایا ہے لَعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ ۔ تاکہ تم سمجھ جاؤ یعنی اگر عقل سے کام لو تو ان امورِ قبیحہ کے ارتکاب سے تمہیں خود بخود دُور کنا پڑے گا۔
۵۔ ۱۵۲ (۶) وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ مال یتیم کے قریب نہ جاؤ۔ یعنی ان کے مال کا کسی حال میں بھی تعرض نہ کرو۔
فائدہ : یتیم انسانوں میں اُسے کہا جاتا ہے کہ جس کا سن بلوغت سے پہلے باپ فوت ہوجائے اور حیوانوں میں اُسے کہتے ہیں جس کی ماں مرجائے اور یہ خطاب یتیموں کے متولیوں اور وصیتوں کو ہے ۔ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ مگر اس خصلت سے کہ یہ اچھی ہے یعنی اس کے مال کی حفاظت کرتے ہوئے بقدرِ ضرورت کچھ کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ یعنی یتیم کے مال کی اس وقت تک حفاظت کرو جب کہ وہ بالغ اور سمجھدار ہو جائے ۔ اس کے بعد اس کا مال اس کے حوالے کردو۔
مسئلہ : حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پختہ عمری پچیس سال تک ہوجاتی ہے جب لڑکا اس عمر کو پہنچے تو اس کا مال اس کے حوالے کر دیا جائے لیکن شرط یہ ہے کہ پاگل نہ ہو ۔ صرفی تحقیقات **فائدہ** جوہری نے لکھا کہ "رشدہ" بمعنی قوت اور یہ پندرہ سے اٹھارہ تیس سال کے درمیانی عمر کا نام ہے، یہ آنک کی طرح واحد ہے اور جمع کے وزن پر آیا ہے ۔ ان کے سوا باقی اور کوئی صیغہ واحد ہو کر جمع کے وزن پر نہیں آتا۔ سیبویہ نے کہا کہ یہ جمع ہے اس کا واحد شدہ ہے ۔
فائدہ : یہ ان خصلتوں میں سے چھٹا حکم ہے ۔
نکتہ : یتیم کے مال کی حفاظت کا حکم اس لئے دیا ہے کہ یتیم عاجز ہوتا ہے اس کے عجز کے پیشِ نظر اللہ تعالیٰ خود اس کا متولی ہوا اور اپنے بندوں کو حکم دیا کہ وہ اس پر نظرِ شفقت فرما کر اس کے حقوق کی نگرانی کریں ۔

الا تا نگرید کہ عرشِ عظیم
بلرزد ہمی چوں بگرید یتیم

ترجمہ : خبردار یتیم نہ روئے کیوں کہ عرشِ عظیم کانپ جاتا ہے جب یتیم روتا ہے ۔
(۷) وَاَوْفُوا الْکَیْلَ ۔ مکیلات کو پورا بھرو یعنی انہیں مکمل کرکے کسی شے کو نہ گھٹاؤ ۔ "وَالْمِیْزَانَ" اور وزن والی چیزوں کو ترازو سے پورا تولو۔ بِالْقِسْطِ : اُوفوا کے فاعل سے حال ہے یعنی ان دونوں کو پورا کرو۔ درآنحالیکہ تم عدل کرنے والے ہو۔ قسط بمعنی عدل ،

سوال: ایفاء الکیل والمیزان قسط (عدل) کا دوسرا نام ہے پھر تکرار کا کیا فائدہ؟

جواب: اس میں اشارہ ہے کہ دینے والے کو چاہیے کہ حق والے کو پورا پورا حق ادا کرے۔ اسی طرح لینے والے پر بھی لازم ہے کہ وہ صرف اپنا حق کا مطالبہ کرے۔ لالچ کر کے زائد کا طالب نہ ہو۔

لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ہم کسی کو اس کی طاقت سے زائد تکلیف نہیں دیتے یعنی جتنا اس سے آسانی سے ہو سکے وہ اس پر گراں نہیں ہوتا۔

سوال: اوامر کے بعد ہی اسے بیان کیا گیا ہے۔ اس کا کیا فائدہ۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ بندے سے جملہ امور کی حقیقی طور پابندی مشکل ہے اس لئے کہیں گھبرا کر اُن پر عمل کرنا چھوڑ نہ دے اس سے اُسے تسلی ہو کہ "ما لا یدرک کلہ لا یترک کلہ" میں نجات ہے جتنا اس سے ہو سکے بجا لائے اور جو اس سے نہیں ہو سکتا اس پر مالک مواخذہ نہیں فرمائے گا۔

مسئلہ: جو شخص بھر تول میں اپنے خیال سے کمی بیشی نہیں کرتا۔ بلکہ اپنے خیال سے اُسے صحیح بھر تول سمجھتا ہے تو اس سے اگرچہ معمولی کمی بیشی ہو جائے تو وہ اسے معاف ہے۔ اُس سے کسی قسم کی گرفت نہیں ہو گی۔

مسئلہ: جو بھر تول میں کمی بیشی کرتا ہے تو اس کو معاف نہیں کیا جائے گا۔

سبق: انسان کو چاہیے حتی الامکان کوتاہی نہ کرے۔ اگر بے خبری میں غلطی ہو جائے تو معاف ہے۔

حکایت: منقول ہے کہ ایک شخص بھر تول میں عمداً کمی بیشی کرتا تھا جب اس پر نزع طاری ہوئی تو اُسے لا الٰہ الا اللہ (کلمہ توحید) کی تلقین کی گئی تو کہنے لگا کیا کروں میری بھر تول کا ترازو میری زبان پر چڑھا ہوا ہے اس لئے کلمہ توحید پڑھا نہیں جا سکتا۔ اس سے پوچھا گیا کیا تم بھر تول میں عمداً کمی بیشی کیا کرتے تھے اُس نے کہا نہیں صرف اتنی غلطی ہوئی ہے کہ کبھی ترازو کے پلڑے میں گرد و غبار کو صاف کئے بغیر سودا دے دیتا تھا چونکہ اس گرد و غبار کی مقدار گاہک کو نقصان ہوتا تھا۔ بنابریں حقوق غیر میں میری گرفت ہو رہی ہے۔

سبق: غور کیجئے جب معمولی گرد و غبار سے اتنی سخت سزا تو جو لوگ منوں کے من ہڑپ کر جاتے ہیں انکا کیا حشر ہوگا۔

حکایت: حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک ہمسایہ تھا۔ اس پر نزع طاری تھی۔ آپ اس کے ہاں تشریف لے گئے اور حال پوچھا تو اس نے کہا آگ کے دو پہاڑ میرے سامنے ہیں اور مجھے حکم ہوتا ہے کہ ان پر چڑھ جاؤں۔ لیکن میرے سے چڑھا نہیں جاتا۔ حضرت مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اُس کے گھر والوں سے پوچھا کہ اس کا عمل کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے دو طرح کے ترازو تھے دینے کا اور لینے کا اور۔ میں کہا دونوں کو میرے ہاں لے آؤ۔ جب ترازو آپ کے ہاں لایا گیا تو آپ نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ پھر پوچھا تو اس نے کہا کہ اُلٹا اُس سے اور زیادہ مصیبت بڑھتی ہے۔

فائدہ : یہ ان دس خصلتوں سے ساتواں حکم ہے ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اپنی عمر کا پورا وزن رکھو اور میزان شرع سے حقوق ربوبیت پورے کرو اور اپنے استعداد کے مطابق حظوظ کی تکمیل کرو ۔ ع

ہر کس بقدر بال و پر خویش می پرد

ترجمہ : ہر شے اپنے بال و پر کی طاقت کے مطابق اڑتی ہے ۔

(۸) وَاِذَا قُلْتُمْ اور جب تم بات کہو حکومت کے متعلق یا گواہی میں اور اسی طرح جملہ امور میں فَاعْدِلُوْا تو عدل و انصاف سے کام لو ۔ وَلَوْ کَانَ ۔ اور اگرچہ مقول لہ ہو یا مقول علیہ ذَا قُرْبٰی تمہارا رشتہ دار ہو ۔ تو رشتہ داری کی وجہ سے اس کی رعایت نہ کرو کیوں کہ امور کا دار و مدار حق شرع کی اتباع اور طلب رضائے الٰہی میں ہے، نہ کہ رشتہ داری اور غیر رشتہ داری پر ۔

فائدہ : یہ دس خصلتوں میں سے آٹھواں حکم ہے

تفسیر صوفیانہ عدل کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں غیریت کا شائبہ نہ ہو اور ہر کلام اللہ تعالیٰ کے لئے اور اسی کی قیل و قال ہو اور یہ بات صرف اہل تحقیق کو نصیب ہوتی ہے اس لئے کہ دوسروں کے کلام میں کوئی غرض مضمر ہوتی ہے ؎

بانگ ہد ہد گر بیا موز د فتی

راز ہد ہد کو و پیغام سبا

ترجمہ : ہد ہد کی اگر آواز کسی نے سیکھ لی تو اسے چاہیے کہ ہد ہد اور سبا کا راز سمجھائے ۔

(۹) وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اور اللہ تعالیٰ کا وہ معاہدہ پورا کرو جو اس سے ہوا ۔ وہ جس طرح کا بھی ہو مثلاً عدل و انصاف سے کام لینا ۔ احکام شرع ادا کرنا ۔ وغیرہ وغیرہ ۔

فائدہ : عہد اپنے فاعل کی طرف مضاف ہو تو اس سے یا وہ معاہدہ مراد ہوتا ہے جو ہم ایمان و نذور کے ذریعہ معاملات کرتے ہیں یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں ۔ یا اس سے وہ ایفائے عہد مراد ہوتا ہے جو انسان آپس میں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے مضاف ہے کہ اس نے اس کے ایفاء و حفاظت کا حکم فرمایا ہے ؎

وفاء عہد نکو باشد ار بیاموزی

وگرنہ ہر کہ تو بینی ستمگری داند

ترجمہ : وعدہ وفائی اگر تم سیکھو تو اچھا ہے ورنہ جسے بھی دیکھو وہ ظلم کرنا جانتا ہے ۔

یہ ان دس خصلتوں سے نواں حکم ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقی عہد یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ کی عبادت کے سوا کسی کی عبادت نہ کرے اور صرف اُسی کی محبت میں مستغرق ہو۔ سوائے اس کے اور کسی کو نہ دیکھے ؎

از دم صبح ازل تا آخر شام ابد
دوستی و مہر بریک عہد و یک میثاق بود

ترجمہ، صبح ازل سے لے کر ابد کی شام تک دوستی و مہر و محبت ایک عہد و میثاق پر ہے۔

ذٰلِكُمْ ، یہ چاروں امور بالا کی طرف اشارہ ہے جو ابھی مذکور ہوئے وَصّٰكُمْ بِهٖ اُس کی تمہیں اللہ تعالیٰ نے وصیت فرمائی یعنی تاکیدی امر فرمایا ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ تاکہ تم نصیحت حاصل کرو یعنی اُن کی تاکید کو سمجھ کر اُن کے مقتضیٰ پر عمل کرو۔

۱۵۳ وَاَنَّ یہاں لام مقدر ہے اور یہ پچھلے امر کی علت ہے یعنی اس لئے کہ ھٰذا یہ اس سورۃ کے مضمون یعنی اثبات توحید و نبوت اور بیان شریعت کی طرف اشارہ ہے صِرَاطِیْ میرا مسلک اور میری شریعت ہے۔ شریعت کو طریقہ الٰہی اس لئے کہا گیا کہ اس کی وجہ جنت کے ثواب کو حاصل کیا جاتا ہے اور یاء متکلم سے حضور علیہ السلام مراد ہیں اور وہ اس لئے کہ آپ اس راستہ پر چلتے ہیں اور اس نسبت سے صراط کو حضور علیہ السلام کی طرف مضاف کیا گیا نہ اس وجہ سے کہ آپ ہی اس کے واضع ہیں اس لئے کہ اس کا واضع اللہ تعالیٰ ہے اس اعتبار سے اسے صراط اللہ کہا جاتا ہے۔ مُسْتَقِيْمًا سیدھی راہ اور نہایت مضبوط یہ حال موکدہ ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ۔ پس اس کی تابعداری کرو اور دوسرے راستوں کی اتباع نہ کرو۔

فائدہ: دوسرے راستوں سے وہ راستے مراد ہیں جو صراط مستقیم کے خلاف ہیں جیسے یہودیت و نصرانیت اور دیگر گمراہ ملتیں۔ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ یہ مضارع منصوب ہے اس لئے کہ فاء کے بعد ان مقدر ہے اس لئے کہ نہی کے جواب میں جب فاء مضارع پر ہوتی ہے وہاں ان مقدر ہوتا ہے اور مضارع کی دوسری تاء بھی محذوف ہے۔ دراصل فتتفرق تھا۔ اور یہ باء تعدیہ کی ہے۔ اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہی مختلف راستے تمہیں متفرق کر کے ہٹا دیں گے۔ عَنْ سَبِيْلِهٖ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس کے اس دین سے جسے وہ پسند کرتا ہے اور جس کی اس نے تمہیں وصیت فرمائی ہے اس سے دین اسلام مراد ہے۔

فائدہ: اس سے ثابت ہوا کہ حضور علیہ السلام کا راستہ بعینہٖ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے۔

فائدہ: یہ اُن دس خصلتوں میں سے دسواں حکم ہے ؎

۱۔ خلافِ پیغمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید

۲۔ پندار سعدی کہ راہِ صفا
تواں رفت جز در پے مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم)

ترجمہ : ۱: پیغمبر علیہ السلام کے خلاف جس نے راہ اختیار کیا وہ منزلِ مقصود کو ہرگز نہ پہنچے گا۔
۲: اے سعدی (رحمۃ اللہ تعالیٰ) گمان نہ کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع کے بغیر راہ ہدیٰ پالے گا۔

ذٰلِکُمْ یہ اتباع سبیل الٰہی اور ترکِ اتباع سبل مختلفہ کی طرف اشارہ ہے **وَصّٰکُمْ بِہٖ لَعَلَّکُمْ تَتَّقُوْنَ**۔ تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس کی وصیت فرمائی ہے تاکہ تم سبل کفر کی اتباع اور گمراہی سے بچ جاؤ۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہی آیت تلاوت فرمائی تو آپ نے ایک لکیر کھینچ کر فرمایا یہی اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے پھر اس راستے کے دائیں بائیں لکیریں کھینچیں (جس کا نقشہ یوں ہے) اور فرمایا کہ یہی وہ مختلف راستے ہیں کہ جس کے ہر راہ پر شیطان بیٹھ کر اپنی طرف بلاتا ہے

فائدہ: شریعت پاک کا دوسرا نام صراطِ مستقیم ہے وہ تلوار سے تیز اور بال سے باریک تر ہے اس لئے ہم نماز کی ہر ہر رکعت میں بارگاہِ حق میں عرض کرتے ہیں "اھدنا الصراط المستقیم" جو دنیا میں اس راستہ سے بھٹک گیا وہ آخرت کے سیدھے راہ سے محروم ہو گیا۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا، دنیا میں اس راستہ سے بھٹکنے والے بہت ہیں اُن میں سب سے زیادہ عورتیں ہیں۔

فائدہ: دورِ حاضرہ میں شہوات رانی اور اپنی من مانی پر عمل کرنے میں مرد عورتوں سے کم نہیں۔ دین غریب ہو کر شروع ہوا اور غریب ہو کر لوٹے گا۔ بہت تھوڑے لوگ اس سے مانوس ہوتے اور اس سے پیار کرنیوالے ہوں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے "محققین فرماتے ہیں کہ صراط مستقیم ہدایت و نہایت کے سوا متعین نہیں ہو سکتا اور عارف کو معلوم ہے کہ سب کی ابتدا کس سے ہے اور سب کی انتہا ایک ہے اور حضرت شیخ صدر الدین قونوی قدس سرہ نے اعجاز البیان میں فرمایا کہ احاطہ حق (ثابت) ہے اور اللہ تعالیٰ ہر شئے پر محیط ہے اس سے احاطہ وجودی مراد ہے یا علمی یہ اختلاف اقوال اس کا منتہائے سر صراط ہے اور سر کی غائت سالک ہے۔ چنانچہ فرمایا "وہ اللہ کہ زمین و آسمان و مافیہا جس کے قبضہ میں ہے اس کا راستہ وہ ہے جو صرف اسی کی طرف راجع ہے ؎

۱: ہر جا قدمے زدیم در کوئے تو بود
ہر گوشہ کہ رفتیم سوئے تو بود

۲: گفیم مگر سوئے دیگر راہے ہست
ہر راہ کہ دیدیم ہمہ سوئے تو بود

ترجمہ: ۱: جہاں بھی ہم نے قدم رکھا وہی تیری گلی ہی تھی جس کونے میں ہم پہنچے ان کا رُخ تیری طرف ہی تھا۔
۲: ہم نے سمجھا کہ کوئی اور راہ ہو گا لیکن جو راہ دیکھا وہ تمہاری طرف ہی تھا۔

(باقی صفحہ ۹۰ پر)

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾
اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ص
وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ
عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ج فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ج فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ
بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ط سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ
عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِىَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِىَ بَعْضُ اٰيٰتِ
رَبِّكَ ط يَوْمَ يَاْتِىْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا
لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ط قُلِ
انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا
شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِىْ شَىْءٍ ط اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ
بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ج
وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾
قُلْ اِنَّنِىْ هَدٰىنِىْ رَبِّىْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ج دِيْنًا قِيَمًا
مِّلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ج وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ
اِنَّ صَلَاتِىْ وَنُسُكِىْ وَمَحْيَاىَ وَمَمَاتِىْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۶۲﴾ لا
لَا شَرِيْكَ لَهٗ ج وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۱۶۳﴾ قُلْ

أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۚ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ
نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ ۚ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ
مَرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿١٦٤﴾ وَهُوَ
الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَائِفَ الْأَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ
بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ ۗ إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ
الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٦٥﴾

ترجمہ: اور یہ برکت والی کتاب ہم نے اُتاری تو اس کی پیروی کرو اور پرہیزگاری کرو کہ تم پر رحم ہو[۱۵۵] کبھی کہو کہ کتاب تو ہم سے پہلے دو گروہوں پر اتری تھی اور ہمیں پڑھنے پڑھانے کی کچھ خبر نہ تھی[۱۵۶] یا کہو اگر ہم پر کتاب اترتی تو ہم ان سے زیادہ ٹھیک راہ پر ہوتے تو تمہارے پاس تمہارے رب کی روشن دلیل اور ہدایت اور رحمت آئی تو اس سے زیادہ ظالم کون جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے منہ پھیرے عنقریب وہ جو ہماری آیتوں سے منہ پھیرتے ہیں ہم انہیں بُرے عذاب کی سزا دیں گے بدلا ان کے منہ پھیرنے کا[۱۵۷] کاہے کے انتظار میں ہیں مگر یہ کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا تمہارے رب کا عذاب یا تمہارے رب کی ایک نشانی آئے جس دن تمہارے رب کی وہ ایک نشانی آئے گی کسی جان کو ایمان لانا کام نہ دے گا جو پہلے ایمان نہ لائی تھی یا اپنے ایمان میں کوئی بھلائی نہ کمائی تھی تم فرماؤ رستہ دیکھو ہم بھی دیکھتے ہیں[۱۵۸] وہ جنہوں نے اپنے دین میں جُدا جُدا راہیں نکالیں اور کئی گروہ ہو گئے اے محبوب تمہیں ان سے کچھ علاقہ نہیں ان کا معاملہ اللہ ہی کے حوالہ ہے پھر وہ انہیں بتا دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے[۱۵۹] جو ایک نیکی لائے تو اس کے لئے اس جیسی دس ہیں اور جو برائی لائے تو اُسے بدلہ نہ ملے گا مگر اس کے برابر اور ان پر ظلم نہ ہوگا[۱۶۰] تم فرماؤ بے شک مجھے میرے رب نے سیدھی راہ دکھائی ٹھیک دین ابراہیم کی ملت جو ہر باطل سے جُدا تھے اور مشرک نہ تھے[۱۶۱] تم فرماؤ بے شک میری نماز اور میری قربانیاں اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لئے ہے جو رب سارے جہان کا[۱۶۲] اس کا کوئی شریک نہیں مجھے یہی حکم ہوا ہے اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں[۱۶۳] تم فرماؤ کیا اللہ کے سوا اور رب چاہوں حالانکہ وہ ہر چیز کا رب ہے اور جو کوئی کچھ کمائے وہ سب اسی کے ذمہ ہے اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔ پھر تمہیں اپنے رب کی طرف پھرنا ہے وہ تمہیں بتا دے گا جس میں اختلاف کرتے تھے[۱۶۴] اور وہی ہے جس نے زمین میں نائب کیا اور تم میں ایک

کو دوسرے پر درجوں بلندی دی کہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی بے شک تمہارے رب کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی اور بے شک وہ ضرور بخشنے والا مہربان ہے۔

۱۵۵ وَهٰذَا اور یہ قرآن كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے اُتارا۔

فائدہ: منکرین کا گمان غلط ہے جب کہ کہتے ہیں کہ اسے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے بنا لیا ہے۔

مُبٰرَكٌ بابرکت ہے یعنی دینی و دنیوی منافع سے پُر ہے۔

بقیہ ص ۹۷

۱۵۴ ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے اس کی اصل عبارت یوں ہے فَعَلْنَا تِلْكَ التوصية باتباع صراط الله ثم اٰتَيْنَا الخ یعنی ہم نے تمہیں حکم فرمایا کہ صراط اللہ کی اتباع کرو۔ پھر ہم نے موسٰی علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی یہاں کتاب سے تورات مُراد ہے اور لفظ ثم اخبار میں تراخی کے لئے ہوتا ہے۔ جیسے کہتے ہیں۔ بلغنی ما صنعت الیوم ثم ما صنعت امس اعجب (تَمَامًا) بحذف الزوائد اتم کا مصدر ہے یعنی تمہارے اوپر کرامت و نعمت کو مکمل کرکے عَلَى الَّذِيْنَ اَحْسَنَ۔ اوپر اُس کے جس نے نعمت کے حقوق پورے ادا کئے۔

فائدہ: اس سے انبیاء علیہ السلام اور خواص مومنین مراد ہیں۔ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ اور دین کے امور میں جن باتوں کی ضرورت پڑتی ہے اسمیں اس کا تفصیلی بیان ہے۔

سوال: شریعت میں اجتہاد کا ثبوت ملتا ہے اس لئے کہ جب قرآن مجید میں ہر شے کی تفصیل ہے تو پھر اجتہاد کی کیا ضرورت ہے۔

جواب: قرآن مجید میں مسائل شرع کے اصول کی تفصیل ہے اور اجتہاد فروع میں ہوتا ہے چنانچہ قرآن مجید میں اصول کی تفصیل کا ذکر سورۃ یوسف میں یوں بیان کیا گیا ہے۔ وَتَفْصِيْلَ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى اور وہ گمراہی سے بچاکر ہدایت دینے والا ہے" ورحمۃ" مومن اور نیک عمل کرنے والے کو عذاب سے نجات دلاکر رحمت عطا فرماتا ہے لَعَلَّهُمْ۔ ھُمْ اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں۔

فائدہ: یہ ضمیر بنی اسرائیل کی طرف اس لئے لوٹائی گئی ہے کہ موسٰی علیہ السلام کا ذکر خیر پہلے آگیا ہے اس قرینہ سے یہاں پر بنی اسرائیل مراد لینا زیادہ موزوں ہے۔ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ۔ اپنے رب سے ملنے پر ایمان لائیں یہ مادیؤمنون کے متعلق ہے تاکہ مر اُٹھنے پر ایمان لاکر ثواب وعقاب کی تصدیق کریں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے اس کی برکتیں آپ پر اس لئے ہیں کہ آپ کے قلب اطہر پر اس کا ورود ہوا پھر آپ کی عادات سراپا قرآن ہو گئیں اور آپ کی امت پر برکت اس لئے ہے کہ قرآن ایک ایسی رسی ہے جو بندے کو اپنے مولا سے ملاتی ہے جو اسے مضبوط پکڑ لیتا ہے وہ اپنے مولائے کریم سے ضرور بالضرور ملتا ہے۔ فَاتَّبِعُوْهُ پس اس کی اتباع کرو۔ یعنی اس کے تمام احکام پر عمل کرو واتقوا اور قرآن مجید کی مخالفت سے بچو۔ لَعَلَّكُمْ اس کی اتباع اور اس پر عمل کی وجہ سے امید ہے کہ تم پر رحم ہوگا۔

۱۵۵ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ یہاں پر بصریوں کے نزدیک مبتدا محذوف ہے دراصل عبارت یوں ہے اَنْزَلْنَاهُ کراهۃ اَنْ تَقُوْلُوْٓا الخ ہم نے اسے نازل کیا تاکہ قیامت میں تم اے اہل مکہ عذر کر کے کہو کہ ہمارے ہاں تو کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی تھیں۔ اِنَّمَآ اُنْزِلَ بے شک کتاب تورات وانجیل نازل کی گئیں۔ عَلٰی طَآئِفَتَیْنِ اوپر دو گروہوں کے مِنْ قَبْلِنَا۔ جو ہم سے پہلے تھے یعنی یہود و نصاریٰ۔

سوال: ان دو کتابوں کی تخصیص کیوں۔ حالانکہ زبور اور دوسرے صحف بھی نازل ہوئے۔

جواب: چونکہ سماوی کتب میں اہل مکہ انہی کو زیادہ جانتے تھے اور شہرت بھی زیادہ انہی کی تھی۔ اور مکہ والے صرف یہود و نصاریٰ سے متعارف تھے۔ اس لئے ان کی تخصیص کی گئی وَاِنْ یہ مخففہ من المثقلہ ہے دراصل اِنَّهٗ تھا۔ یعنی بے شک شان یہ ہے کہ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ ہم۔ ہم ان کی قرأت سے

سوال: "دِرَاسَتِهِمَا" کیوں نہ فرمایا؟

جواب: اس لئے کہ ان دونوں یعنی اہل تورات وانجیل میں ہر ایک علیحدہ اور مستقل گروہ تھا۔

لَغٰفِلِیْنَ۔ ہم غافل تھے ہمیں معلوم نہیں تھا کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اس لئے کہ وہ کتابیں ہماری لغت میں نہیں تھیں۔ ہم انہیں پڑھ نہیں سکتے تھے ۱۵۶ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا الْكِتٰبُ۔ یا تم کہو کہ ان کی طرح اگر ہمارے اوپر بھی کوئی کتاب نازل کی جاتی لَكُنَّآ اَهْدٰی مِنْهُمْ البتہ ہم ان سے زیادہ ہدایت والے ہوتے ہیں یعنی حق جو کہ وہی انسان کا مقصود اعظم ہے کی طرف ہم زیادہ پہنچنے والے ہوتے یا بڑے بڑے احکام اور شرائع اور دقائق کو ہم ان سے زیادہ سمجھتے اس لئے کہ ہم ان سے ذہنی طور تیز اور ہمارے فہم ان سے زیادہ روشن تر ہیں اور علاوہ ازیں علمی فنون سے ہم زیادہ واقفیت رکھتے ہیں، ہم قصص و اشعار و خطابتوں کے زیادہ ماہر ہیں۔ اگرچہ ہم ان پڑھ ہیں۔ فَقَدْ جَآءَكُمْ اس کا تعلق فعل محذوف سے ہے جو کہ وہی معطل بہ ہے۔ دراصل عبارت یوں تھی لَا تَعْتَذِرُوْا بِذٰلِكَ الْقَوْلِ یعنی یہی باتیں بنا کر عذرت کرو۔ اس لئے کہ بے شک تمہارے ہاں آچکے ہیں۔ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ دلائل تمہارے رب کی طرف سے یہاں پر حجۃ واضح مراد ہے۔ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ اور ہدایت و رحمت ہے۔ قرآن کو بینۃ سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ انہیں معلوم

ہو جائے کہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے پر ہمیں پوری قوت و طاقت حاصل ہے اس لئے کہ قرآن مجید اُن کی لغت پر نازل ہوا۔ جب پڑھ سمجھ لیں گے لامحالہ وہ ان کے لئے ہدایت و رحمت کا سبب ہے۔
فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ جو اللہ تعالیٰ کے آیات یعنی قرآن کو جھٹلاتا ہے وَصَدَفَ عَنْهَا اور ان آیات سے لوگوں کو پھیرتا ہے وہ خود گمراہ اور دوسروں کو بھی گمراہ کرتا ہے۔ قاموس میں ہے صدف عنہ یصدف یہ' فلانا صرفہ سے معروف تر ہے۔ سَنَجْزِی الَّذِیْنَ بہت جلدی ہم انہیں جزا دیں گے اس لئے کہ یصدفون وہ لوگوں کو روکتے تھے عَنْ اٰیٰتِنَا ہماری آیات سے۔ یہ اُن کے لئے وعید ہے اور ان کے گمراہ کرنے کی جزا بتا کر ان کی اپنی گمراہی کی بھی ساتھ ظاہر کی گئی ہے سُوْٓءَ الْعَذَابِ برے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ۔ بسبب اس کے کہ وہ حق سے روکتے تھے۔

فائدہ: انہیں ہمیشہ نت نئے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا اس لئے کہ وہ کفر پر مداومت رکھتے اور نت نئے طریقے سے کفر کے مرتکب ہوتے تھے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ بقدر امکان قرآن پر عمل کرے اور اس کے غیر سے دور رہے اس لئے کہ ثواب کے درجات و مراتب اللہ تعالیٰ سے ہر اُس شخص کو نصیب ہوں گے جو قرآن پاک کا عامل ہے اور قرآن (جو کہ روحانی غذا ہے) اس سے اعراض کرنے سے روحانی نقصان ہے۔ جیسے جسم کی ضروریات سے روگردانی کرنے سے جسمانی نقصان ہوتا ہے۔ یہی ظاہری تفسیر ہے جسے ظاہری علوم کے علماء نے فرمائی ہے۔

قراءت سبعہ اہلِ تحقیق کے اقوال باطن قرآن کی تفسیر ہے اور ہر ایک کو اپنے مسلک و مشرب کا علم ہوتا ہے۔

حدیث شریف حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید سات قراءتوں یعنی سات لغات پر نازل ہوا ہے اور وہ عرب میں فصیح ترین سمجھی جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔ قریش و ہذیل و ہوازن و یمن اور طے اور ثقیف وغیرہ صرف امت کی سہولت کے لئے سات قراءتوں پر نازل کیا گیا تاکہ ہر قبیلہ اپنی لغت کے مطابق قرآن مجید پڑھ سکے بشرطیکہ اس طرح اُس نے حضور علیہ السلام سے سُنا بھی ہو۔ اس لئے کہ اگر انہیں صرف ایک لغت پر قرآن پڑھنے کا مکلف بنایا جاتا تو انہیں شاق ہوتا اس لئے کہ مانوس و مالوف بجائے دوسرے الفاظ کا استعمال گراں گزرتا ہے یا سبعہ احرف سے سات قراءتیں مراد ہیں جن کا حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے استفاضہ کیا گیا انہیں آپ کی اُمت نے جمع کیا۔ پھر ہر قراءت ان کی طرف منسوب ہونے لگی جسے صحابہ کرام کی اکثریت نے اپنایا اور پھر قاریوں میں جس قاری نے جس قراءت کو اختیار کیا تو وہ قراءت اس کی طرف منسوب ہوئی وہ قراء یہ ہیں۔
ؔ۱، نافع ؔ۲، ابن کثیر ؔ۳، ابو عمرو ؔ۴، ابن عامر ؔ۵، عاصم ؔ۶، حمزہ ؔ۷، کسائی۔

مسئلہ: سات قراءتوں کا منکر کافر ان کے سوا باقی قراءتوں کا منکر آثم و مبتدع ہے۔

تفسیر صوفیانہ جب قرآن عظیم عالم حقیقت سے نازل ہوتا تو اسے تمام الواح محفوظہ پہ لکھ لیا جاتا۔ پھر اس تعین کی تختی پر بھی اسے لکھا گیا یہاں تک کہ انسانی وجود کی لوح میں بھی اسے لکھ لیا گیا اور ہر ایک میں اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت رکھی گئی۔ لیکن اس سے اصل مقصد اس پر عمل اور اس کے مطابق زندگی ڈھالنا نہ کہ بہترین مخرج ادا کرنا اور اس کے ظاہری الفاظ کو اچھا کر کے پڑھنا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

۱: نقد عمرش ز نکرت مُعوّج
خرچ شد در رعایت مُعوّج

۲: صرف کردش ہمہ حیات سرہ
در قرآت سبعہ و عشرہ

ترجمہ ۱: تیرے نکرے سے اس کا نقد عمر ٹیڑھا ہو گیا اس ٹیڑھے پن کی رعایت میں اس کی عمر خرچ ہو گئی۔
۲: تمام عمر اس نے خرچ کر دی قراۃ سبعہ و عشرات میں۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ہے

عشقت رسد بفریاد گر خود بسان حافظ
قرآن زبر بخوانی درچاردہ روایت

ترجمہ: حافظ کی طرح فریاد گر کو تیرا عشق پہنچے گا قرآن ظاہری طور اگرچہ چودہ روایت سے پڑھ لو تو کوئی فائدہ نہیں جب تک اس کا دل پر اثر نہ ہو۔

حافظ قرآن کے فضائل: حدیث شریف ۱ میں ہے کہ اگر قرآن مجید ایک چمڑے میں ہو تو اسے آگ نہیں لگے گی۔ اس کی شرح کرتے ہوئے قاضی بیضاوی نے لکھا کہ اگر قرآن مجید لکھ کر کسی چمڑے میں رکھا جائے اور پھر اسے آگ میں ڈالا جائے تو قرآن مجید کی برکت سے اُسے آگ نہیں لگے گی۔

فائدہ: اس سے اس کا شان خود معلوم کر لیجئے جو قرآن مجید کا حافظ ہو بشرطیکہ وہ اسکی تلاوت پر مداومت کرتا ہو۔

حدیث شریف ۲ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو قرآن مجید رات کے نوافل میں کھڑے ہو کر پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے میں سو نیکی نصیب ہو گی جو اسے بلا وضو پڑھتا ہے تو اسے ایک حرف کے بدلے دس نیکیاں ملیں گی۔

حکایت ایک شخص قرآن مجید کی کثرت سے تلاوت کرتا تھا۔ اُسے جب نزع طاری ہوئی تو کسی نے اُسے کہا پڑھو لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ سورۃ طٰہٰ کو مع تسمیہ شروع کر کے الا ھُدًا الا

سَمَارُ الحُسنیٰ تک پڑھ جاتا۔ اسے بار بار کہا گیا تو وہ بار بار اسی طرح کرتا رہا۔ یہانتک کہ اس کی روح پرواز کر گئی ۔

سبق : اس سے ثابت ہوا کہ موت سے پہلے انسان کو جس کام کی عادت ہوتی ہے اسی پر روح پرواز کرتی ہے۔

حکایت : ایک شخص گھاس فروش تھا جب نزع طاری ہوئی تو اسے کہا گیا پڑھو لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ اس کے جواب میں کہتا کہ یہ گھٹڑی۔ اتنا بیسوں میں یہی کہتے ہوئے اس کی موت واقع ہوئی ہم اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ ہمارا خاتمہ اسلام پر ہو ۔(آمین)

تفسیر عالمانہ: ۱۵۸ هَلْ يَنْظُرُوْنَ یہ هَل استفہامیہ بمعنی نفی ہے اور يَنْظُرُوْنَ بمعنی ينتظرون اس لئے کہ نظر بمعنی انتظار عام مستعمل ہوتا ہے گویا اللہ تعالیٰ نے یوں ارشاد فرمایا کہ باوجودیکہ میں نے اہلِ مکہ پر حجت قائم کی اور اُن پر کتاب نازل فرمائی لیکن وہ بجائے ایمان لانے کے اب اس انتظار میں ہیں ۔ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ کہ اُن پر ملائکہ نازل ہوں یعنی ان کی ارواح قبض کرنے کے لئے ملک الموت اور اُن کے خدام تشریف لائیں ۔ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ یا تمہارا رب یعنی اس کے عذاب وانتقام کا حکم صادر ہو۔

: بغوی نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بلا کیف میدان قیامت میں جلوہ گری فرما کر ہمارا فیصلہ فرمائے یا اللہ تعالیٰ کے تشریف لانے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنا زور لگا کر ہمارے ہاں جملہ آیات بھیج دے یعنی قیامت قائم کرکے ہماری تباہی کے جملہ اسباب استعمال کرے۔

اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ سے معلوم ہوتا ہے یعنی یا تمہارے رب کے بعض آیات آئیں۔ اس سے علامات قیامت مراد ہیں وہ یہ ہیں ۔ (۱) دھواں (۲) دابۃ الارض (۳) مشرق ومغرب میں خسف یعنی زمین میں دھنس جانا (۴) جزیرۂ عرب میں خسف کا ہونا (۵) دجال کا آنا (۶) مغرب سے سورج کا طلوع ہونا (۷) یاجوج وماجوج (۸) عیسیٰ علیہ السلام کا نزول (۹) علاقہ عون سے آگ کا نکلنا وغیرہ وغیرہ۔

سوال : انہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں یا اللہ تعالیٰ کے آنے یا آیاتِ قاہرہ کے ہونے کا انتظار ہی کیا تھا وہ تو ایسے امور کے منکر تھے پھر انہیں ان کا منتظر کیوں کہا گیا۔

جواب : ان کی روش ہی ایسی تھی کہ گویا وہ ان کے منتظر ہیں ۔ منتظرین سے مشابہ ہونے کی وجہ سے انہیں منتظرین کہا گیا۔

يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ یہ ظرف ہے " لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا " کے لئے۔ یعنی جس دن تمہارے رب کی ایک نشانی آئے گی تو کسی کو ایمان لانا کام نہ دے گا ۔ جیسے نزع روح کے وقت ایمان لانا بے سود ہے ایسے ہی اس وقت اس لئے کہ قیامت کے علامات دیکھ لینا روح کی نزع کے مشابہ ہیں جیسے وہ ایمان غیر قابل قبول ہے ایسے ہی یہ کیونکہ دیکھ کر ایمان لانے سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اس لئے کہ ایمان بالغیب ہی اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ومنظور ہے ۔

لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جو جان پہلے ایمان نہ لائی تھی یہ صفت نفسًا کی اور من قبل سے بعض آیات

بعض الآیات مُراد ہے ۔ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ؕ یا اپنے ایمان سے کوئی نیکی نہ کمائی تھی ۔

سوال : اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ ایمان عمل صالح کے بغیر بھی غیر قابل قبول ہے حالانکہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ عمل صالح نہ ہو تب بھی ایمان میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی گویا آیت سے اہلسنت کے مذہب کی تردید ہوگئی

جواب : حضرت الشیخ الشہیر بالھدائی الاسکداری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کے دو جواب دیئے ہیں ۔

۱ : اوکسبت کا عطف آمنت مقدر پہ ہے نہ کہ آمنت مذکور پہ ۔ اب مطلب یہ ہوا کہ ایمان غیر قابل قبول ہے جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا یا ایمان بھی نہ لایا اور نیک عمل بھی نہ کئے ۔

۲ : اس کا عطف اُسی آمنت مذکور پہ ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ لَفّ میں بھی ایک مقدر ہے اور نشر میں بھی اس کی اصل عبارت یوں مانی جائے ۔ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا وَلَا كَسْبُهَا خَيْرًا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِىْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا یعنی اب ایمان نفع نہ دے گا نہ نیکی جب کہ اس سے قبل نہ ایمان لایا نہ کوئی نیکی کی ۔ قُلِ انْتَظِرُوْٓا ۔ فرمایئے تم جن باتوں کا انتظار کرنا چاہتے ہو جب کہ کہتے کہ ان امور ثلثہ میں سے کوئی ایک آجائے تو دیکھیں کیا ہوتا ہے) تو کرلو انتظار " اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ہم بھی ان کا انتظار کرتے ہیں کیونکہ ان کے آنے سے تو ہمیں کامیابی ہے اور تم پر چونکہ عذاب نازل ہوگا اس لئے تمہارے لئے وبال ہوگا ۔

فائدہ : بغوی نے فرمایا کہ مذکورہ آیت میں بعض آیات سے طلوع الشمس من المغرب مُراد ہے ۔ یہی اکثر مفسرین کی رائے ہے ۔

حدیث شریف (سورج کا مغرب سے طلوع کرنا اور اس کی تفصیل)

حدادی نے اپنی تفسیر میں لکھا کہ رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ روزانہ جب سورج ڈوبتا ہے تو ساتویں آسمان کی طرف ایک سیکنڈ میں ملائکہ کرام کی طرح اُڑتا ہے اور زیر عرش جاکر ٹھہر جاتا ہے اور عرض کرتا ہے کہ مغرب سے طلوع کروں یا مشرق سے ۔ اسی طرح چاند کا طریقہ ہے وہ دونوں روزانہ ایسے ہی طلوع غروب کرتے ہیں یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ وہ وقت لائے گا جو بندوں کی توبہ کے دروازے کی بندش کا ہے ۔ اس وقت زمین پر گناہوں کی کثرت ہوگی اور نیکی کا نام تک نہیں رہے گا اور نہ ہی کوئی امر بالمعروف کا فریضہ ادا کرے گا ۔ اور برائی عام پھیل جائے گی ۔ کوئی کسی کو برائی سے روکنے والا نہ ہوگا جب یہ بات عام ہو جائے گی تو پھر سورج عرش کے نیچے ایک رات کی مقدار ٹھہرا رہے گا ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر کے عرض کریگا ۔ اب مجھے طلوع کے متعلق کیا حکم ہے کہاں سے طلوع کروں ۔ اسے کوئی جواب نہ ملے گا ۔ یہاں تک کہ چاند بھی حاضر ہو جائے گا ۔ دونوں بارگاہِ حق میں اکٹھے سجدہ ریز ہو کر عرض کریں گے کہ سورج کہاں سے طلوع کرے پھر بھی کوئی جواب نہ ملے گا ۔ اس طرح سے انہیں تین راتیں گذر جائینگی ۔ اس مقدار کو زمین پر صرف تہجد گزار لوگ سمجھیں گے اس وقت تہجد گزار تمام روئے زمین پہ صرف چند

ایک گنتی کے ہوں گے اس لئے کہ اس وقت لوگوں کو نماز سے سستی بہت زیادہ ہو گی۔ حسب دستور رات کو لوگ سو جائیں گے اور تہجد گزار لوگ اپنے وقت پر اٹھ کر تہجد پڑھیں گے اُن کے اوراد و وظائف کی مصروفیت کے بعد کافی وقت گزر جائے گا۔ تب بھی صبح نہیں ہو گی۔ باہر نکل کر آسمان کو دیکھیں گے تو بدستور رات نظر آئے گی اور ستارے گھوم رہے ہونگے اس سے وہ اپنی کوتاہی سمجھ کر دل میں کہیں گے کہ ہم نے نماز میں جلدی کی ہے یا تھوڑی رکعتیں پڑھی ہیں۔ یا وقت سے پہلے اٹھ بیٹھے ہیں۔ پھر لوٹ کر دوبارہ مصلّا پر کھڑے ہو نماز پڑھیں گے۔ اسی طرح اُن دوسری رات کا پروگرام بھی ایسے ہی گزرے گا۔ لیکن اس رات بھی صبح کا نشان کہیں نہیں اس لئے خوف بڑھے گا۔ اس رات ہر علاقے کے تہجد گزار اپنی اپنی مساجد میں جاکر روئیں گے اور آہ و زاری کریں گے۔ اللہ تعالیٰ جبرائیل علیہ السلام کو سورج اور چاند کے ذریعے پیغام بھیج کو فرمائے گا کہ تم مغرب کی طرف سے طلوع کرو۔ لیکن اب تم سے روشنی چھین لی گئی ہے وہ سُن کر روئیں گے جسے ساتوں آسمان بلکہ عرش کے نیچے والے سب سُنیں گے بلکہ وہ سب خوف کے مارے رو پڑیں گے اور سمجھیں گے کہ اب قیامت آگئی۔ اس وقت جب کہ تہجد گزار رو رہے ہوں گے اور غافل لوگ اپنی غفلت کے نشے میں ہوں گے تو سورج اور چاند مغرب سے طلوع کریں گے جن کا رنگ کالا سیاہ ہو گا نہ سورج میں روشنی ہو گی نہ چاند میں چمک جس طرح ان کی خسوف و کسوف کے وقت کیفیت ہوتی ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وجمع الشمس والقمر" مغرب سے اوپر کو اٹھیں گے جیسے دو اونٹ اٹھتے ہیں اور ایک دوسرے کے آگے بڑھنے کی کوشش کریں گے۔ اس کیفیت کو دیکھ کر زمین والے دہشت کے مارے روئیں گے۔ نیک لوگوں کا رونا فائدہ دیگا کہ وہ رونا اُن کے اعمالنامہ میں عبادت لکھی جائے گی لیکن منافق کو اس وقت کا رونا کوئی فائدہ نہیں دیگا بلکہ وہ رونا ان کے لئے حسرت اور ندامت ہو گی۔ جب سورج اور چاند ہر دونوں آسمان کے درمیان میں پہنچیں گے تو جبریل علیہ السلام دونوں کو پکڑ کر واپس مغرب کی طرف لے جائیں گے اور وہ ہر دونوں باب التوبہ میں گم ہو جائیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی۔ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں۔ فرمائیے کہ باب التوبہ کیا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا " اے عمر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ نے مغرب کی جانب ایک دروازہ پیدا فرمایا جس کی دونوں چوکھٹیں سونے کی ہیں ہر دونوں چوکھٹوں کے درمیان چالیس سال کی راہ ہے جو ایک سوار سواری پر سفر کرے جب سے اسے اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمایا اس وقت سے وُہ کھلا ہے۔ اسوقت بند ہو گا جب سورج مغرب کی جانب سے طلوع کرے گا۔ جب وہ دونوں سورج اور چاند غروب کریں گے اس کے بعد اس کے دونوں دروازے آپس میں مل جائیں گے اور ایسے معلوم ہوں گے کہ گویا وہ تھے ہی نہیں۔ جب توبہ کا دروازہ بند ہو گا تو اس کے بعد بھی نیکیاں فائدہ دیں گی۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّكَ لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِیْۤ اِیْمَانِهَا خَیْرًا "

ترجمہ :- اس دن کہ تیرے رب کی بعض آیات آئینگی تو جو ان سے پہلے ایمان نہیں لایا اب اسے ایمان نفع نہ دیگا نہ ہی اس ایمان لانے کے بعد کوئی نیکی فائدہ دیگی۔ **سوال :** اس وقت ایمان کیوں قابلِ قبول نہیں ہو گا۔

جواب: اس وقت کا ایمان اختیاری نہیں بلکہ اضطراری ہوگا۔ یعنی ہلاکت کے خوف سے ایمان لائیں گے اور خوف ہلاکت کا ایمان قابل قبول نہیں ہوتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمْ يَنْفَعُهُمْ اِيْمَانُهُمْ لَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا۔
ترجمہ: تو انہیں ایمان لانا نفع نہ دیگا جو ہمارا عذاب دیکھے گے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ چہ سود از درد آنکہ توبہ کردن
کہ نتواں کمند انداخت بر کاخ

۲۔ بلند از میوہ کو کوتاہ کن دست
کہ ایں کوتہ ندارد دست بر شاخ

ترجمہ ۱: اس چور کو توبہ کرنے کا کیا فائدہ محل (مکان) پر کمند ڈالنے کی طاقت نہیں رکھتا۔
۲۔ بلند قد والے کو کہو کہ درخت کے میوے سے ہاتھ ہٹا لے ورنہ چھوٹے قد والا تو خود بھی ہاتھ درخت تک نہیں لے جا سکتا۔

مسئلہ: توبہ و ایمان کی عدم قبولیت مخصوص ہے صرف ان لوگوں سے جو طلوع شمس کا مشاہدہ کریں گے۔ یہی صحیح تر اور اقویٰ ہے اس لئے کہ جو شخص طلوع شمس کے بعد پیدا ہوا یا اس وقت موجود تو تھا لیکن اُسے کفر و ایمان کی تمیز نہیں تھی اگر یہ طلوع شمس کے بعد بھی ایمان لائیں تو قابل قبول ہے۔ اس کو شرح المصابیح میں صحیح تر کہا۔

حدیث شریف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب قیامت کی علامات میں سے پہلی علامت ظاہر ہوگی تو اس پر قضا و قدر کی قلمیں پھینک دی جائیں گی اور کراماً کاتبین فارغ ہو جائیں گے اور اجسام اپنے اعمال کی خود گواہی دیں گے۔

امام مہدی کا ظہور حضرت امام سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام مہدی دجّال سے سات سال پہلے ظاہر ہوں گے اور دجال طلوع شمس سے دس سال پہلے آئے گا۔ امام مہدی علیٰ نبینا و علیہ السلام کا ظہور بارہویں یا چودہویں صدی کے بعد ہوگا۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

فائدہ: حضرت ابن العربی قدس سرہ نے فرمایا بیسویں صدی ہجری سے پہلے ظہور ہوگا۔ (کذا قال شاہ احمد رضا فی ملفوظاتہ)

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے نفس اور قلب کو ایمان کے بیج اور اس کے انبات و تربیت کی بہترین زمین بنائی ہے چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ لا الٰہ الا اللہ انسان کے دل میں ایمان کو ایسے اُگاتا ہے جیسے سبزی کو پانی اُگاتا ہے۔ ایمان بیج کلمہ شہادت کا بیج ہے جب کہ اسے قلب کی تصدیق اور زبان کے اقرار سے ادا کرے یہ عالم دنیا آخرت کی کھیتی ہے اس لئے حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ "الدنیا مزرعۃ الآخرۃ"

(دنیا آخرت کی کھیتی ہے) جس نے عالم دنیا میں کھیتی نہ بوئی اسے آخرت میں کوئی شے کام نہیں دے گی یا جس نے دنیا میں وہ اعمال صالحہ نہ کئے جو کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کو اٹھا کر لے جانے والے ہیں اور یہی وہ درخت ہے جس سے ثمرے نصیب ہوتے ہیں اور یہ ثمرات ہر وقت آخرت میں بہشت میں دوہرے میوے دیں گے۔ معرفت و محبت و کشف و مشاہدہ وصول وصال اور نیل الکمال سے تعبیر کرتے ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ سے تحقیق توحید کی توفیق کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۵۵ اِنَّ الَّذِیْنَ بے شک وہ یعنی یہود و نصاریٰ نے فَرَّقُوْا دِیْنَهُمْ اپنے دین کو ٹکڑے ٹکڑے کیا یعنی علیحدہ علیحدہ اجزاء بنا دیئے۔ جس کے ہر جزو کو ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ دین بنا لیا وَكَانُوْا شِيَعًا شیعۃ کی جمع ہے مثلاً کہا جاتا ہے شایعہ علی الامر یہ اس وقت کہتے ہیں جب اس امر میں وہ اس کی تابعداری کرے یعنی اُن میں ہر فرقہ نے اپنا علیحدہ امام بنا لیا تھا۔

حدیث شریف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہود کے اکہتر فرقے ہو گئے جو سب کے سب جہنم میں اور اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور نصاریٰ کے بہتر فرقے ہوئے وہ سب جہنم میں۔ اُن میں سے صرف ایک بہشت میں جائے گا اور میری امت تہتر فرقے ہوگی وہ بھی سب جہنم میں صرف ایک فرقہ بہشت میں جائے گا۔

— **فائدہ:** یہود و نصاریٰ میں ایک فرقے کا استثنار کا جواز اس وقت تک سمجھا جائے گا جب تک اُن کی شریعت منسوخ نہ ہوئی اور جب منسوخ ہوئی تو بھی اپنے مذہب پر رہے اور نسخ کا کوئی اعتبار نہ کیا تو وہ بھی جہنم میں جائیں گے لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ آپ ان کی کسی شے میں نہ ہوں۔ آپ ان کے متفرق ہونے پر کسی بحث میں نہ پڑیں اور نہ ہی اپنے ہمعصر اہل کتاب سے اُن کے متعلق جھگڑا اور مواخذہ کریں۔

اِنَّمَا اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ۔ بے شک ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔ نفی مذکور کی تعلیل ہے یعنی صرف وہی ایک اُن کے اُمور کا متولی و متصرف ہے اُن کے پہلے اور پچھلے سب اسی کے قبضۂ اختیار میں ہیں۔ اپنی حکمت کے تقاضا پر اُن کے امُور کی تدبیر جس طرح چاہتا ہے ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ پھر انہیں خبر دے گا یعنی قیامت میں بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ۔ اُن کے اعمال کی جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں۔ اظہار کو تنبیہہ سے تعبیر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اُن کو آپس میں گہری مناسبت ہے اس لئے کہ یہ ہر دونوں علم کے سبب ہیں۔ نیز اس سے انہیں تنبیہہ ہو گئی کہ وہ اپنے جملہ اُمور کے انجام سے بے خبر تھے اس سے انہیں معلوم کرانا مقصود ہے کہ ان امور کے ارتکاب سے تمہارا انجام برباد ہوگا اور اللہ تعالیٰ انہیں برسر میدان ظاہر کرکے دکھلائے اور بتلائے گا کہ جن امور کا تم ارتکاب کرتے تھے وہ سب بہت بُرے تھے لہٰذا اتنی ہی سخت اور بڑی سزا ملے گی۔

— **فائدہ:** جتنے امور کا عالم دنیا میں ارتکاب کیا جاتا ہے اُن کی آخرت میں نہایت قبیح صورت نظر آئیگی اگرچہ اب

دنیا میں بھی ان کی گندی اور نہایت قبیح صورت ہوتی ہے لیکن بوجہ امتحان و آزمائش کے وہی صورت انسان کو اچھی اور بہتر محسوس ہوتی ہے اس کی مثال یوں ہے کہ شہد میں زہر ملائی جائے تو پینے والا شہد کی لالچ میں اُسے پی کر جان سے ہاتھ دھو بیٹھے (ہم اللہ تعالیٰ سے بُرے اعمال کے ارتکاب سے پناہ مانگتے ہیں)

- **فائدہ:** بہشت کو تکالیف کا اور دوزخ کو شہوات کا احاطہ دیا گیا۔ یعنی بہشت کے گرد مکروہ اشیاء کا احاطہ ہے اور دوزخ کے گرد ان اشیاء کا احاطہ ہے جو نفس کو محبوب و مرغوب ہیں۔

فائدہ صوفیانہ روح اپنے مولیٰ اور دین کی طرف توجہ رکھتی ہے اور چاہتی ہے کہ دین کی وہ باتیں نصیب ہوں۔ جنمیں اس کا کمال مضمر ہے لیکن یہ اس وقت حاصل ہوتا ہے۔ جب انسان ظاہری باطنی طور اعمال صالحہ سے آراستہ و پیراستہ ہو۔ لیکن انسان قلبی طور ان سے دوری حاصل کرتا ہے اور باطنی طور یا وسمعۃ کا ارتکاب کرتا ہے تو وہ گمراہ فرقوں میں شمار ہوتا ہے یعنی ان لوگوں میں ہوجاتا ہے جو حقیقت کے مُدّعی ہوتے ہیں۔ لیکن ان کا معاملہ حقیقت کے برعکس ہوتا ہے۔

- **فائدہ:** حضرت الشیخ الشہیر با فتادہ آفندی نے حضرت ہدائی قدس سرہما کو مخاطب کرکے فرمایا کہ شکر کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ملحدوں کی صحبت سے بچایا۔ اس لئے کہ الحاد جذام کی طرح لاعلاج بیماری ہے اور میرا گمان ہے کہ وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اور اُن کا دوزخ میں خروج ناممکن ہے اس لئے کہ وہ گفتار کے غازی تو ہیں لیکن کردار سے عاری ہیں

بعض گمراہ پیر فقیروں کا رد ان ملحدوں میں ایک قلندریہ فرقہ بھی ہے۔ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ اپنے سر کے بال اور داڑھی کا صفایا کرتے ہیں ؎

۱۔ قلندری نہ بریشست و موی و یا ابرو
حساب راہ قلندر بدانکہ موی بموست

۲۔ گذشتن از سر مو در قلندری سہلست
چو حافظ آنکہ سر بگذرد قلندر اُوست

ترجمہ: ۱۔ قلندری داڑھی اور مونچھ اور ابرو صاف کرنے کا نام نہیں قلندر کا حساب ذرّہ ذرّہ معلوم کر
۲۔ سر کے بال چھوڑنا تو آسان ہے ہاں حافظ کی طرح سر سے خالی ہو جائے تو وہ قلندر ہے۔

بعض گمراہ فقیروں کا دوسرا گروہ ایک مبتدعہ فرقہ جوالقیہ بھی ہے جو داڑھی منڈاتے اور ٹاٹ پہنتے اور گاڑھے کپڑے پہنتے ہیں۔

حدیث شریف[۱]: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے شہرت کے لباس سے روکا ہے خواہ وہ نرم و نازک ہو یا موٹا کھدر وغیرہ کا۔ اس لئے کہ وہ ایسے لباس سے لوگوں سے نمایاں ہو کر عوام میں مشہور ہوتے ہیں۔

[۱] اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں۔

حدیث شریف[۲] : حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : لوگوں میں عمومی شکل وصورت سے بچا کرو۔

فائدہ :- جب بندہ ریاکاری میں مبتلا ہو تو اُسے ٹاٹ پہننا فائدہ دیتا ہے نہ درویشانہ لباس۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱ : برائے ریا خرقہ سہلست دوختت
گرش با خدا در توانی فروختت

۲ : گر آوازہ خواہی در اقلیم فاش
بروں حلہ کن کو درون حشو باش

۳ : در غزا کند مرد باید مرد
بر مخنث سلاح جنگ چہ سود

ترجمہ ۱ : روو ریا سے گدڑی سینا آسان ہے اگر تو اسے اللہ تعالیٰ کے بیچنا (قبول کرانے) کا ارادہ رکھنا چاہتا ہے
۲ : اگر تو اپنا دنیا میں آوازہ (شہرہ) ظاہر (مشہور) چاہتا ہے۔ حلہ باہر کر اس لئے کہ اندر صحیح ہو۔
۳ : جنگ کے میدان میں مرد چاہیے ۔ ہیجڑہ پر جنگ کے ہتھیار کا کیا فائدہ۔

کرامت مجذوب حضرت الشیخ قطب الدین حیدر مجذوب بہت بڑے صاحب حال تھے اُن کی کرامت مشہور ہے کہ انہوں نے لوہار کی بھڑکتی ہوئی آگ کی بھٹی سے گرم لوہا ہاتھ سے باہر نکال لیا۔ جیسے کوئی چھوٹے سے انگارے کو اٹھائے پھر اس گرم لوہے کو اپنی گردن پر رکھ دیا۔ اور گھنٹہ بھر وہ گرم لوہا اُن کی گردن پر رکھا رہا۔ اور انہیں بال برابر بھی نقصان نہ ہوا۔ انہیں مجذوب کی وجہ سے بعض لوگ اپنے آپ کو حیدریہ سے منسوب کرتے اور گلے میں لوہے کے زنجیر لٹکائے پھرتے ہیں۔

مسئلہ : لوہا پہننا سونے کے پہننے سے زیادہ گناہ ہے

سبق : دانا پر لازم ہے کہ وہ بدعت سیئہ اور اہل بدعت (سیئہ) سے پرہیز کریں۔

---

[۱] سابقہ صفحہ سے : یہ فرقہ اپنے کو حضرت شاہ شرف الدین بو علی قلندر قدس سرہ سے منسوب کرتا ہے حالانکہ یہ بات اُن کے قول وفعل سے ہرگز ہرگز ثابت نہیں ہوتی کیوں کہ یہ لوگ شریعت مطاہرہ کے علانیہ منکر ہوتے ہیں اور ہر وقت بھنگ چرس کے نشے میں مخمور اور حقوق اللہ وحقوق العباد کے سراسر تارک رہتے ہیں اور بعض تو یہ کہہ کر دم مست قلندر دھر رگڑا۔ نہ پیچھے شرع کا کوئی جھگڑا (معاذ اللہ) شرع محمدی کے منکر ہی ہو جاتے ہیں۔ بو علی قدس سرہ تو بڑے درجے کے متشرع اور متقی پرہیزگار تھے اور وہ تو فقر کے تمام اسرار و رموز کے واقف اور پورے پورے سلوک قلندری کے کاربند اور بلند پرواز تھے۔ مگر یہ نقلی قلندر علم وعمل سے کورے سرمنڈ اپنے کو ہی قلندری سمجھ کر گمراہ شدہ ہیں انہیں کے متعلق فرمایا گیا ہے ؎

ہزار نکتہ باریک بر زمو ایں جاست ۔۔ نہ ہر کو مو منڈ رشد قلندری داد

حکایت : حضرت ابن المبارک رضی اللہ عنہ کو کسی نے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ آپ کے ساتھ کیا سلوک ہوا۔ فرمایا مجھے سزا کے طور تیس سال تک کھڑے ہونے کی سزا ملی صرف اس لئے کہ میں نے ایک دن مُبتدع (گمراہ بد عقیدہ) کو نظرِ شفقت سے دیکھا اور فرمایا گیا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے دشمن کو ایک دین کے مخالف کو نظرِ عنایت سے کیوں دیکھا۔

سبق یہ اس محدث اور بزرگ کی کہانی ہے جس پر محدثین کو ناز ہے پھر ایک معمولی کم فہم انسان پر کیا گزرے گی جو گمراہوں کی مجلسوں میں زندگی بسر کرتا ہے۔

مسئلہ : بد مذہبی صرف انسانوں سے مخصوص نہیں بلکہ جنات وغیرہ میں بھی بد مذہب ہوتے ہیں۔

حکایت شیعہ کش حضرات اعمش فرماتے ہیں کہ ہماری کسی مجلس میں ایک جن شریک ہوا۔ میں نے اُس سے پوچھا کہ تمہیں کونسی غذا مرغوب ہے کہا چاول۔ میں نے چاول کی ایک پلیٹ اس کے آگے رکھ دی۔ دیکھا گیا کہ لقمے اُٹھ رہے ہیں لیکن اٹھانے والا نظر نہیں آتا۔ میں نے اس سے پوچھا کیا تم میں بد مذہب بھی ہوتے ہیں۔ اس نے کہا ہاں۔ میں نے پوچھا تمہارے ہاں شیعہ رافضی کیسے ہیں۔ اس نے کہا ہم میں بدترین سمجھے جاتے ہیں۔

علامت رافضی شیعہ رافضی شیعہ وہ ہیں جنہوں نے حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ساتھ چھوڑا۔ جب کہ ان لوگوں نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہم آپ کی بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے برأت کا اظہار کریں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے تعلقات توڑ سکتا ہوں لیکن ان حضرات سے کسی طریق سے دور نہیں ہوسکتا۔ اسی روز سے یہ لوگ اُن سے علیٰحدہ ہوگئے اور ان کا یہی لقب (رافضی) اسی روز سے پڑا۔ اَب بھی اُن میں یہی بُری عادت ہے کہ شیخین کی مذمت میں غلو کرتے ہیں بلکہ صحابہ کرام کو لعنت کرنے کو عبادت سمجھتے ہیں۔

حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہم کا دعویٰ خلافت حضرت زید بن علی بن حسین رضی اللہ عنہ نے کوفہ میں اپنی خلافت کا اعلان کیا تو کوفہ کے بعض لوگ آپ کی خلافت کو قبول کرنے کے لئے تیار ہوئے لیکن اس شرط پر کہ آپ شیخین سے اظہارِ برأت کریں۔ آپ نے انکار کیا تو انہوں نے کہا (نرفضک) ہم آپ کو چھوڑتے ہیں۔ اس دن سے شیعوں کا نام رافضی پڑ گیا۔

اور کوفہ کی ایک دوسری جماعت حضرت زید رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہولی اور کہا ہم شیخین کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور جو اُن سے بری ہے ہم اس سے بری ہیں اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے بیعت ہوئے اس لئے ان کا نام "زیدیہ" ہوگیا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے شیعہ کے بغض کا ایک سبب شیعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اس لئے بغض رکھتے ہیں کہ ان کا خیال ہے کہ جب غزوہ اُحد میں

شیطان نے پکار کر کہا قَدْ مَاتَ مُحَمَّدٌ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم وفات پا گئے تو سوائے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یقین ہو گیا کہ واقعی حضور علیہ السلام کا وصال ہو گیا اس پر برسوں تک جھگڑا رہا۔ یہاں تک کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دور میں یہ نزاع طول پکڑ گئی۔ آپ نے سب کو بلا کر فرمایا کہ اگر اس کے خلاف ثبوت مل جائے یعنی ثابت ہو جائے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی اس وقت یہی عقیدہ تھا جو میرا تو پھر میں تم سب کو قتل کر دوں گا۔ چنانچہ تحقیق کی گئی تو ان لوگوں کا خیال غلط نکلا باوجودیکہ قتل ہو جانے کے مستحق تھے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے انہیں معاف فرما دیا۔ اس وجہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ان کی محبت میں اضافہ ہوا اور دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ کے حق میں بدستور بغض و عداوت میں رہے ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں برد

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ فاش کرتا ہے تو اس کا میلان طبیعت اللہ والوں پر طعنہ زنی کا ہو جاتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ اللہ والوں سے بہت زیادہ محبت رکھے تاکہ قیامت میں ان کی شفاعت سے نوازا جائے۔ اس کے لئے اور کونسی بدبختی ہو گی کہ جو حضرات شفاعت کریں وہ اُلٹا کل قیامت میں اس کے دشمن ہو کر اسے جہنم میں لے جائیں (اے اللہ تعالیٰ ہمیں بچا اور ہمارے قلوب ٹیڑھے نہ ہوں اور ہمیں سیدھے راہ پر چلا اور طریق تحقیق کی توفیق عطا فرما د آمین)

۱۵۹ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو مومن قیامت میں صرف ایک نیکی لائے گا۔ ہم نے ایمان کی قید اس لئے لگائی ہے کہ قیامت میں نیکی صرف اہل ایمان لائیں گے۔

مسئلہ: حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس پر اجماع ہے کہ کفار کو قیامت میں کوئی نیکی فائدہ نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی انہیں کسی نیکی کا ثواب ملے گا اور نہ ہی ان کے عذاب کی تخفیف ہو گی۔ البتہ کسی کو سخت تر عذاب ہو گا اور کسی کو کم۔

مسئلہ: اسلام قبول کرنے کے بعد کفر کی حالت کی خیرات کا ثواب ملے گا۔

حدیث شریف میں ہے کہ حَسَنَاتُ الْكُفَّارِ مقبولة بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ کفار اسلام قبول کرلیں تو کفر کی حالت میں کی ہوئی نیکیاں بھی قبول ہو جائینگی۔ یعنی اسلام کے بعد ان کا ثواب اب لکھا جائے گا۔

تفسیر الکاشفی میں ہے کہ جو شخص دنیا میں ایک نیکی کر کے آئے گا فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا تو اسے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ایک کے عوض دس نیکیاں نصیب ہونگی۔

فائدہ: لفظ امثالہا عشر کی تمیز نہیں بلکہ اس کی تمیز حسنات ہے اور امثال اس حسنات کی صفت ہے اس لئے

کہ عشر پر حرف تا نہیں داخل کیا گیا۔

فائدہ: بعض نحویوں نے کہا کہ یہ عشر مونث ہے اس لئے کہ اس کا قاعدہ ہے کہ جب وہ ایسے اسم جمع کی طرف مضاف ہو جس کا واحد مذکر ہو (چنانچہ امثالہا کی ضمیر مونث بتاتی ہے کہ یہ عشر مونث ہے اس پر صرف تا تانیث داخل نہیں ہوتا۔ اس قاعدہ کی بناء پر جیسے یلتقطہ بعض السیارۃ میں لفظ بعض کو مونث کہا گیا ہے اس لئے کہ اس کا مضاف الیہ مونث ہے یاد رہے کہ امثالہا کی ضمیر مونث حسنۃ کی طرف راجع ہے " وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ اور جو ایک برائی لائے گا۔ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا تو اسے صرف ایک برائی کی سزا ملے گی جیسا کہ وعدہ کریمہ ہے کہ اَلْوَاحِدَةُ بِالْوَاحِدَةِ "

سوال: کفر صرف ایک لمحہ کے لئے سرزد ہوتا ہے لیکن سزا بہت بڑی سخت کہ وہ دائمی طور جہنم میں پڑا رہے گا اس سے الواحدۃ بالواحدۃ " کا اصول کہاں گیا۔

جواب: کافر اپنے کفر پر عزم بالجزم دائمی طور رکھتا ہے بنا بریں اسے عذاب بھی دائمی ملے گا۔ بخلاف مومن گنہگار کے کہ وہ اپنے گناہ سے ہٹنے کا عزم رکھتا ہے اگرچہ گناہ میں مبتلا ہے لیکن اسے گناہ سمجھتا ہے اور چاہتا ہے کہ اس سے بچ جائے لیکن نفس کی شرارت باز نہیں ہونے دیتی۔ بنا بریں اس پر عذاب منقطع ہوگا۔

مسئلہ: وعدہ کریمہ میں ایک نیکی کے عوض سات سو ستر کی تعداد بھی بتائی گئی ہے اور بغیر حساب کا ارشاد بھی وارد ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ " اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے کہ ثواب کم ہے اور عذاب زیادہ ہو۔

فائدہ: امام حدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نعمتوں میں اضافہ کرنا جائز ہے اور عذاب کی ابتدا ناجائز ہے۔

فائدہ: دوہرا ثواب کرنا اس کی کم از کم مقدار دس گنا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اس سے بڑھ کر ہو تو اس کی کوئی حد نہیں۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱: نکو کاری از مردم نیک رائے
یکے را بدہ می نویسد خدا

۲: تو نیز اے پسر ہر کرا یک ہنر
بہ بینی زدہ عیبش اندر گذر

ترجمہ ۱: نیک مرد سے ایک نیکی ہو تو اس کی ایک کے بدلے دس نیکیاں لکھتے ہیں

۲: تو بھی اے عزیز کسی کا ایک ہنر دیکھتا ہے تو اس کے دس عیوب سے درگزر کر۔

نکتہ: لفظ عشر کا ذکر حصر کے لئے نہیں بلکہ کثرت کے لئے ہے جیسے کوئی کسی کو کہتا ہے کہ اگر تو مجھے کچھ دیگا تو میں تجھے اس کے عوض دس گنا دوں گا۔ اس سے بھی کثرت مراد ہے۔

نکتہ: ایک عوض انگنت نیکی اس لئے کہ کل قیامت میں اگر خصمار نیکیاں اپنے حق کے عوض میں لے جائیں تو بندے کیلئے کچھ تو بچ جائے۔ مثلاً اس کے خصم کو ایک نیکی عوض کے طور دی جائے تو نیکیاں اسے اپنے لئے بچ جائیں

مسئلہ: یاد رہے کہ حقداروں کا حق ان زائد نیکیوں سے ادا کیا جائے گا۔ اصل نیکی بندے کے ہاں باقی رکھی جائے گی اس لئے کہ زوائد اللہ تعالیٰ کا فضل تھا۔ جو اپنے بندے کو عنایت فرمایا ورنہ اصل نیکی بندے کی صرف ایک ہے اور وہ کسی کو دینے کی نہیں کیوں کہ ایک کا بدلہ ایک دنیا میں اس کا عدل ہے اور اس کے خلاف کبھی نہیں ہوتا

حدیث[۱]: میں ہے کہ بدبخت وہ ہے کہ جس کے احاد اعشار پر غالب ہو جائیں یعنی برائیاں نیکیوں پر بڑھ جائیں۔

حدیث شریف[۲]: اعمال چھ قسم ہیں، ۱،۲ موجبتیاں

۳، مثل بمثل

۴، حسنۃ بحسنۃ

۵، حسنۃ بعشر امثالہا

۶، حسنۃ بسبعمأۃ

موجبتیاں یعنی واجب کرنے والی۔ انمیں پہلی یہ ہے کہ جو شخص مومن ہو کر مرے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے تو اس کے لئے بہشت واجب ہو گئی (۲) دوسری یہ کہ جو شخص مشرک ہو کر مرے تو جہنم میں جائے گا مثل بمثل کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص برائی کا ارتکاب کرے تو اس کے لئے ایک برائی لکھی جائے گی (۳) حسنہ بحسنہ کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص صرف نیکی کا ارادہ کرے اگرچہ عمل کرنے کا موقع بھی نہ ملے تب بھی اس کے لئے ایک نیکی لکھی جائے گی (۴) حسنۃ بعشر امثالہا کا مطلب یہی ہے کہ جو شخص ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (۵) ایک کے عوض سات سو کا ثواب اللہ تعالیٰ کے راہ میں خرچ کرنے کا نصیب ہوتا ہے ؎

کنوں بر کف دست نہ ہر چہ ہست
کہ فردا بدنداں گزی پشت دست

ترجمہ: آج جو تیرے ہاتھ میں راہِ خدا میں دے ورنہ کل (مرنے کے بعد) تو افسوس کے ہاتھ مسلیگا۔

نکتہ: شریعت مطہرہ جس عمل کی ترغیب میں ثواب کا اظہار فرمائے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ جن اعمال کے ثواب کا بیان نہیں ہوا وہ اس عمل سے درجہ میں کم ہیں۔ حالانکہ ان کے لئے ثواب کا بیان تو نہیں ہوتا البتہ تاکید شدید ہوتی ہے اس کا مطلب صرف یہی ہے کہ بندہ کو ان کا ثواب بتاتے ہوئے اعمال میں رغبت ہو۔ مثلاً حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ جو شخص ضحیٰ کی بارہ رکعتیں پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے لئے بہشت میں سونے کا محل بنائے گا۔ حالاں کہ سب کا اتفاق ہے کہ نماز ظہر کی

سنتیں موکدہ اور ضحیٰ کے نوافل سے افضل ہیں باوجودیکہ اینہہ اُن ظہر کی سنتوں کے متعلق اس قسم کا ثواب بیان نہیں کیا گیا۔
اسی طرح مغرب وعشاء کے مابین چھ رکعت (اوابین) کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشادِ گرامی ہے کہ جو انہیں پڑھتا ہے تو اسے بارہ سال کی عبادت کا ثواب ملتا ہے۔ حالانکہ مغرب کی سنتیں ان سے موکدہ ہیں۔ لیکن ان کے متعلق اتنا بڑا ثواب نہیں ہوا۔

نکتہ: رغبت اس لئے دی گئی ہے کہ یہ اوقات انسان کے غفلت کے ہیں لہٰذا دلائی گئی تاکہ بندہ غفلت کو ترک کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور میں سر جھکائے اور اس طرح کے نظائر بے شمار ہیں جس کا نتیجہ نکلا کہ سنن موکدہ کی افضلیت اپنے مقام پہ حق ہے اگرچہ ان کے متعلق ثواب اور فضائل کا اظہار نہیں۔

قاعدہ: اہل علم کا اتفاق ہے کہ فرائض کے درجہ کو واجبات نہیں پہنچ سکتے اور نہ ہی واجبات کے درجہ کو سنن پہنچ سکتی ہیں۔ درجہ سے اجر اور فضیلت یا حکم مراد ہے اسی طرح نوافل سنن موکدہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتے اگرچہ سنن کے متعلق اتنے بڑے فضائل بیان نہیں ہوئے جتنا چند ایک نوافل کے لئے بیان کئے گئے ہیں اس لئے کہ فرائض کے اندر کمی واقع ہونے کے احتمال پر سنن موکدہ کو اس کمی کی تکمیل کے لئے اور سنن میں کمی کی تکمیل کے لئے سنن غیر موکدہ مشروع ہوئی ہیں۔ علاوہ ازیں نوافل فرائض کے قائم مقام نہیں ہو سکتیں۔ بلکہ فرائض کی قضاء ہے ایسے بھی نہیں ہو سکتا کہ نوافل سے قضاء ساقط ہو جائے۔

فائدہ: بعض جہال کی عادت ہے کہ نوافل بکثرت پڑھتے ہیں لیکن فرائض قضاء کر دیتے ہیں۔ ان کا گمان ہے کہ نوافل پڑھنے سے فرائض کے درجات خود بخود حاصل ہو جاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ جب کہ نوافل کا اتنا ثواب ہے تو پھر فرائض کی اُن سے کمی پوری ہو جائے گی۔ مثلاً مغرب کے فرائض کسی نے نہ پڑھے ہوں وہ اوابین کے نوافل سے ادا ہو جائیں گے۔ ان کا خیال ہے کہ نوافل فرائض کے قائم مقام ہو سکتے ہیں۔ ان کا یہ خیال بالکل غلط ہے اس لئے کہ اعمال و اذکار کے اجر کی ترتیب وحی والہام ربانی پر موقوف ہے۔ اس میں اپنے خیالات اور تخمینے نہیں چل سکتے۔

تفسیر صوفیانہ

اللہ تعالیٰ نے بندے سے اپنے فضل وکرم سے فرمایا کہ ابھی تو نے نیکی نہیں کی تو تیرے لئے دس نیکیاں پہلے لکھ دی گئیں۔ کما قال مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا۔ یعنی ابھی نیکی علی طور سادر نہیں ہوئی تو اسے دس حسنات عطا فرما دیں۔ یہاں تک کہ اُسے قدرت نصیب ہو جائے کہ ان دسوں نیکیوں کو حاصل کرنے کے بعد اور نیکی عمل میں لائے۔ وہ دس حسنات یہ ہیں۔

۱: حسنۃ الایجاد لبعد العدم

۲: حسنۃ الاستعداد بایں طور کہ اسے احسن تقویم میں پیدا فرمایا تاکہ احسان کے لئے مستعد ہو سکے۔

۳ ، حسنۃ التربیۃ		۴ ، حسنۃ الرزق	
۵ ، حسنۃ بعثۃ الرسل		۶ ، حسنۃ انزال الکتب	
۷ ، حسنۃ تعین الحسنات والسیّات		۸ ، حسنۃ التوفیق	
۹ ، حسنۃ الاخلاص فی الاحسان		۱۰ ، حسنۃ قبول الحسنات	

" مَنْ جاء بالسیۃ الا یجزیٰ الا مثلھا اس میں یہ راز ہے کہ برائی ایک بیج ہے جو نفس میں بویا گیا اور نفس خبیث ہے اس لئے کہ وہ برائی کا حکم دیتا ہے اور نیکی بھی ایک بیج ہے جو قلب میں بویا جاتا ہے اور قلب پاک ہے اس لئے کہ ذکر اللہ قلوب مطمئن ہو جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وَالَّذِيْ خَبُثَ لَا يَخْرُجُ اِلَّا نَكِدًا

نکتہ عجیبہ : قرآن مجید یا حدیث شریف میں جن نیکیوں کے مختلف درجات کا وعدہ ہے اس میں بھی ایک راز یہ ہے کہ گنتی کے اعداد کے مراتب چار ہیں (۱) احاد (۲) اعشار (۳) مآت (سینکڑے) (۴) الوف (جمع الف) ہزار احاد میں واحد اعشار میں عشر (دس) مئات میں یکصد اور الوف ایک ہزار اور اسی طرح انسان میں بھی چار مراتب ہیں (۱) نفس (۲) قلب، (۳) روح (۴) سِتر۔ پس واحد کا مرتبہ نفس کو دیا گیا۔ اسی لئے فرمایا کہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا۔ اس لئے کہ نفس سے ہی برائی ہوتی ہے اور عشار میں سے عشر (دس) کا مرتبہ قلب کو دیا گیا، فلہٗ عشر امثالھا۔ اس لئے کہ قلب اعشار کے مرتبہ میں ہے اور مرتبہ روح سے عبادت ہو تو اُسے مآت کا درجہ دیا جاتا ہے اس لئے کہ روح مرتبہ مآت سے ہے اور مرتبہ سر میں عبادت ہو تو اس میں ہزاروں بلکہ مالا نہایۃ مراتب عطا ہوتے ہیں۔ جس قدر صفائی قلب اور خلوص نیت ہوتی ہے اسی قدر اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس کا کوئی انتہا نہیں اور یہی مرتبہ الوف کا ہے۔ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں سے احسان فرمایا کہ ابھی انہوں نے نیکی نہیں کی تو دس ایسی حسنات عطا فرمائیں جو بے شمار حسنات پر مشتمل ہیں پھر جب انہوں نے نیکی تو ان میں کسی قسم کی کمی نہ فرمائی بلکہ دوہرے اجر و ثواب سے نوازا۔ چنانچہ آیت لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا۔ دلالت کرتی ہے۔

ترجمہ :۔ اللہ ذرہ برابر بھی ظلم کریگا اگر اسکی نیکی ہے تو اسے دوگنا کریگا اور اپنی جانب سے بہت بڑا اجر عطا فرمائیگا

تفسیر عالمانہ ۱۶۰ قل : اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار مکہ سے فرمائیے جو مدعی ہیں کہ وہی دین حق پر ہیں اور صرف وہی دین حق کے عامل ہیں۔ اِنَّنِيْ هَدٰىنِيْ رَبِّيْ بے شک میرے رب تعالیٰ نے مجھے وحی کے ذریعہ صحیح راستہ بتایا ہے اور آفاق والنفس میں آیات تکوینیہ کے ایسے دلائل

قائم فرمائے ہیں کہ اُن سے راہِ حق نصیب ہوتا ہے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ وہ صراطِ مستقیم جو موصل الی الحق ہے۔ دِیْنًا یہ اِلٰی صراط کے محل سے بدل ہے۔ اصل عبارت یوں تھی۔ هَدَانِیْ صِرَاطًا قِیَمًا۔ ایسا دین جو مضبوط ہے یہ مصدر ہے بمعنی القیام بطور مبالغہ کے۔ یہ دین کی صفت ہے دراصل عوض کی طرح قوم ہونا چاہیے تھا۔ لیکن چونکہ اس کے فعل پر قانون صرفی جاری ہوا اس لئے اس پر بھی جاری کیا گیا ہے۔ جیسے قیام دراصل قوام تھا۔ اس پر بھی فعل کی وجہ سے قانون جاری ہوا۔ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ یہ دینًا کا عطف بیان ہے۔ مِلَّۃ، مللت الکتب سے ماخوذ ہے بمعنی الملیتۃ وہ امور جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لئے مشروع فرمائے ہیں انہیں ملت سے تعبیر کیا جاتا ہے چونکہ ان امور مشروعہ کو مدون کیا اور وہ لکھے گئے اور مومنین اس کی اتباع کی وجہ سے آپس میں تعلیم و تدریس کا سلسلہ جاری رکھتے ہیں اس لئے انہیں ملت کہا گیا اور چونکہ جن لوگوں کے لئے یہ امور مشروع ہوئے اور وہ اس طریقہ کی طاعت کریں گے بنابریں اسے دین سے تعبیر کیا گیا۔ یعنی اسے اللہ تعالیٰ نے ان کا طریقہ اور حق پر چلنے کا راستہ بنایا۔

حَنِیْفًا یہ ابراہیم سے حال ہے یعنی وہ ادیان باطلہ سے ایسے روگردان تھے کہ ان کا اُن کی طرف میلان کا امکان تک نہیں۔ وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ وہ مشرکین کے امور میں سے کسی امر کسی امر پر نہیں تھے نہ اصول میں نہ فروع میں۔

نکتہ: ملت کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے میں یہ راز ہے کہ اہلِ عرب انہیں معظم جانتے اور ان کے دلوں پر اُن کی عظمت راسخ تھی۔ بلکہ ہر صاحبِ دین اپنے دین کو انہی کی طرف منسوب کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں ارشاد فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام مشرکین سے نہیں تھے۔ اس لئے کہ نہ ان کا عقیدہ مشرکانہ تھا اور نہ اعمال رسوم مکہ کے مطابق تھے اور وہ یہودی بھی نہ تھے۔ اس لئے کہ یہودیوں کا عقیدہ تھا عزیر علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے اس عقیدہ کا تصور تک نہیں ہو سکتا اور وہ نصرانی بھی نہ تھے اس لئے کہ نصرانیوں کا عقیدہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بیٹے ہیں اور ابراہیم علیہ السلام کے لئے ایسا عقیدہ تصور کرنا حماقت ہے۔

تفسیر صوفیانہ حقیقت میں مشرک وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ غیر کی طلب کو جگہ دے اور اس کے سوا کسی دوسرے سے طلب کرے۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

خلاف طریقت بود کاولیاء
تمنا کنند از خدا جز خدا

ترجمہ: یہ طریقت کے خلاف ہے کہ اولیاء اللہ خدا کے سوا غیر خدا کو چاہیں۔

تفسیر عالمانہ

سوال: قُل جب مضمون ایک ہے تو پھر قُل کا اعادہ کیوں ؟

جواب : پہلے قل میں اصول عقائد کا بیان تھا ۔ اب دین کے فروع کا بیان کرنے کیلئے قل کا اعادہ کیا گیا ۔ اِنَّ صَلَاتِیْ فرمایئے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کہ میری پانچ فرض نمازیں وَنُسُکِی اور تمام عبادتیں ۔ نسک دراصل میں اس عمل کو کہا جاتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ کا تقرب مطلوب ہو ۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے عبادت گزار بندے کو ناسک کہتے ہیں ۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ صلاتی سے نماز عید اور نسکی سے قربانی مراد ہے

حدیث شریف : حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک سینگ والا ملیح مینڈھا قربانی کے لئے لاکر فرمایا لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر ان صلاتی ونسکی الی قولہ وانا اول المسلمین ۔ اس کے بعد آپ نے اسے ذبح فرمایا اور فرمایا کہ اس کے بال اور اُون میرے بالوں کے لئے اور اس کا چمڑہ میرے چمڑے کے لئے اور اس کا خون میرے خون کے لئے اس کا گوشت میرے گوشت کے لئے اور اس کی ہڈیاں میری ہڈیوں کے لئے اور اس کی رگیں میری رگوں کے لئے آتشِ جہنم کے لئے فدیہ ہیں ۔ صحابہ کرام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مینڈھا بہت خوب ہے یہ صرف آپ کے لئے ہے ۔ آپ نے فرمایا نہیں میری تمام امت کے لئے جو قیامت تک پیدا ہوں گے اسی طرح جبرائیل علیہ السلام نے میرے رب تعالیٰ سے مجھے خبر دی ہے ۔ وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ اور جن اعمال پہ زندگی گزار رہا ہوں اور جس پر میری موت واقع ہوگی یعنی ایمان وطاعت وغیرہ اصل عبادت ذاحیاتی و ذاماتی یعنی جو اعمال وغیرہ حیات وممات میں واقع ہوں گے جیسے کہا جاتا ہے "ذا اٰتا تک" یعنی میرے برتن والی شئے ۔ اس سے طعام مراد ہے ۔ یہاں بھی ذاحیات وذاممات سے اعمال وایمان مراد ہیں ۔ ادنیٰ ملابست کی وجہ سے اُس کی طرف اضافت ہوئی ہے ۔ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝۱۶۲ لَا شَرِيْكَ لَهٗ اللہ تعالیٰ رب العالمین کے لئے اور اس کا کوئی شریک نہیں یعنی میرے جملہ امور مذکورہ بالا خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں ۔ میں کسی دوسرے کو شریک نہیں ٹھہراتا ۔

وَبِذٰلِكَ اور اسی اخلاص کے لئے اُمِرْتُ مجھے حکم ہے اس کے غیر کا میں مامور نہیں ۔ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِيْنَ ۔ اور میں سب سے پہلا مسلمان ہوں ۔ اس لئے کہ ہر نبی کا اسلام اپنی امت کے اسلام سے مقدم ہوا کرتا ہے ۔ اس میں تصریح ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ہر حکم میں سبقت فرماتے اور جملہ مامورات کی فرمانبرداری صرف حضور علیہ السلام سے ہی مخصوص نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو حکم ہے کہ وہ حضور علیہ السلام کی اقتدا میں جملہ مامورات کی تعمیل کریں ۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اِنَّ صَلَاتِیْ یعنی منہاج الصلاۃ کی طرف میری سیر۔ اس سے معراج الی اللہ مراد ہے اور نسکی سے اپنے نفس کو ذبح کرنا مطلوب ہے و محیای۔ قلب اور روح کی حیات و مماتی۔ اس سے نفس کی موت مراد ہے۔ للہ رب العٰلمین، یعنی طلب حق و وصول الی اللہ کیلئے لا شریک لہ طلب میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس لئے کہ اس کے ماسوا ہمارا اور کوئی مطلوب نہیں۔ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ یعنی میری طلب اور قصد الی اللہ یعنی میرا اپنا نظریہ یا اپنی عقل اور طبیعت سے نہیں۔ بلکہ میں مامور من اللہ ہوں۔ جو کچھ کرتا ہوں اسی کے فضل اور اسی کی رحمت اور اسی کی ہدایت سے کرتا ہوں۔ یہ اس کی عنایت ہے کہ مجھ میں یہ طلب اور اشتیاق پیدا فرمایا۔ میرے ہاں اس کی وحی آتی ہے اور میں وحی کا عامل ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مجھے فرمایا ــــ وَتَبَتَّلْ اِلَیْهِ تَبْتِیْلًا اور فرمایا ثُمَّ ذَرْهُمْ" وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ۔ اور میں وہی ہوں جس نے امر کن کے سامنے سب سے پہلے سر تسلیم خم کیا۔ جب فیضِ محبت نے جوش مارا تو میں نے سب سے پہلے قبول کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا " یُحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗ بلکہ محبت حق کے لئے سب سے پہلے میں نے سر جھکا لیا جس کے لئے یحبونہ اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے اس محبت کا افتتاح میں نے فرمایا۔ اس کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا " اَنَا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللہُ نُوْرِیْ"۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

مسئلہ صوفیانہ: آیت میں توحید کی ترغیب دلائی گئی ہے اور اخلاص کا سبق دیا گیا ہے ان دونوں کے لئے علامت یہ ہے کہ بندہ ماسوی اللہ سے ظاہراً و باطناً بری ہو جائے یہاں تک کہ وہ اپنے نفس سے بھی بیزار ہو اور حقائق ذاتیہ کی محبت میں مستغرق ہو جائے۔

حکایت حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک دفعہ حج کے لئے نکلا۔ راستہ میں مجھے ایک نوجوان ملا جس کے پاس نہ زادراہ تھا اور نہ سواری۔ میں نے اس سے پوچھا کہاں سے آئے ہو اس نے کہا اللہ تعالیٰ سے، میں نے پوچھا کہاں جاؤ گے۔ کہا اللہ تعالیٰ کے ہاں۔ میں نے پوچھا سامان بھی ساتھ ہے اس نے کہا اس کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ پر ہے میں نے کہا آخر اتنا بڑا لمبا سفر ہے اس میں زادراہ کی ضرورت ہے اور پانی ساتھ رکھنا لازمی ہوتا ہے اس نے کہا یہ اشیاء میرے پاس ہیں۔ میں نے کہا وہ کہاں۔ اس نے کہا جب میں گھر سے نکلا تو پانچ حرف ساتھ لائے۔ میں نے پوچھا وہ کونسے کہا " کھیعص"۔ میں نے کہا ان کا کیا مطلب ہے اس نے کہا کاف "الکافی" ھا سے (الہادی) یا سے الولی، عین سے العالم ص سے الصادق مراد ہے اس نے کہا جس کے ساتھ " الکافی" الہادی، الولی، العالم، الصادق ہوں وہ کبھی ضائع نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی کسی سے ڈرتا ہے اور نہ ہی اسے زادِراہ کی ضرورت پڑتی ہے اور نہ ہی رزق کی کمی ہوتی ہے۔ حضرت مالک بن دینار فرماتے ہیں جب میں نے اس سے یہ کلام سنا تو میں نے اپنا قمیص اتار کر اسے پہنانا چاہا۔ اس نے کہا حضرت جی!

اس دارِ فنا کی قمیص سے ننگا رہنا بہتر ہے اس لئے کہ حلال مال سے پہنوں تو حساب ہو گا حرام سے حاصل کروں تو سزا ملے گی۔ اس سے بہتر ہے کہ نہ پہنوں۔ پھر جب رات ہوئی تو آسمان کی طرف سر اٹھا کر کہا۔ اے اللہ تعالیٰ تو طاعات سے خوش ہوتا ہے اور برائیاں تجھے کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتیں جو امور تجھے خوش کرتے ہیں اُن کی مجھے توفیق عطا فرما۔ اور جن سے تجھے کوئی نقصان نہیں ان سے مجھے محفوظ رکھ اور کئے گناہ معاف فرما۔ جب لوگوں نے احرام باندھ کر لبیک پکارا تو میں نے اسے کہا کہ آپ بھی لبیک پکارئیے۔ جواب دیا کہ مجھے خطرہ ہے کہ اگر میں پکاروں تو اس سے جواب ملے لَا لَبَّيْكَ وَلَا سَعْدَيْكَ اور فرمائے کہ نہ میں تیری بات سنتا ہوں اور نہ تیری طرف دیکھتا ہوں یہ کہہ کر کہیں چلا گیا۔ پھر میں نے اسے منیٰ میں دیکھا۔ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے یا اللہ تمام لوگوں نے تیری راہ میں قربانیاں پیش کی ہیں اور ہدایا بھی۔ میرے ہاں کوئی ایسی شئے نہیں کہ میں تیرے حضور پیش کر سکوں ہاں صرف یہی نفس ہے اسے قبول فرمالے۔ یہ کہہ کر چیخ ماری اور اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔ اچانک کوئی قائل کہتا تھا " هٰذَا حَبِيبُ اللّٰهِ هٰذَا قَتِيلُ اللّٰهِ قُتِلَ بِسَيْفِ اللّٰهِ۔ یہ اللہ تعالیٰ کا محبوب و مقتول ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے محبت کی تلوار سے قتل فرمایا ہے۔ میں نے اس کی تجہیز و تکفین کی اور اسے دفن کر دیا رات کو میں اُس کے متعلق متفکر ہو کر سو گیا تو میں نے اسے خواب میں دیکھ کر پوچھا کہ تیرے ساتھ کیا ہوا۔ اُس نے کہا وہی نوازشیں ہوئیں جو شہداء بدر سے ہوئیں۔ اس لئے کہ وہ کفار کی تلوار سے اور میں سیفِ جبار سے مارا گیا ؎

۱۔ جان کہ نہ قربانیٔ جاناں بُود
جیفہ تن بہتر از آناں بود

۲۔ ہر کہ نشد کشتۂ شمشیرِ دوست
لاشۂ مردار بہ از جان اوست

ترجمہ ۱: وہ جان جو محبوب پر قربان نہ ہو اس سے مردار بہتر ہے۔

۲۔ جو دوست کی تلوار سے ذبح نہ ہوا مردار بیکار اس جان سے بہتر ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم پر چلنے کا سوال کرتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۳ قُلْ : اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے ان کافروں سے جو آپ کو کہتے ہیں کہ آپ ہمارے دین میں آجائیے أَغَيْرَ اللّٰهِ أَبْغِي کیا اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی طلب کروں۔ درانحالیکہ رَبًّا۔ وہ دوسرا رب ہو اور میں اسے عبادت میں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراؤں وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ حالاں کہ اللہ تعالیٰ ہر شے کا رب ہے اور میری طرح باقی اس کے تمام مربوب یعنی پالے ہوئے ہیں۔ پھر مربوب کو کیسے رب کی عبادت میں شریک بنایا جائے۔

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا اور جو کچھ کوئی کمائے وہ اسی کے ذمہ ہے۔

شانِ نزول کفار مسلمانوں سے کہتے تھے تم ہمارے دین کی طرف آ جاؤ۔ اگر اس کا کوئی گناہ ہے تو وہ ہم اٹھا لیں گے اس سے ان کا مقصد یہ تھا کہ اس سے اگر کوئی گناہ لکھے جاتے ہیں تو ہم اپنے اعمالنامہ میں لکھوا لیں گے یا اس کا یہ مطلب ہو تا کہ قیامت میں اگر اس کا کوئی گناہ ہو گا تو ہم اپنے سر پہ رکھ لیں گے۔ آیت میں اُن کے اس قول باطل کا رد ہے کہ ہر ایک اپنے گناہوں کا خود ذمہ دار ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے عمل کے خلاف اور بالکل محال ہے کہ کرے کوئی تو بھرے کوئی۔ جب یہ غلط ہے تو تمہاری دعوت خود بخود غلط ہو گئی۔

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان کسی دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائیگی یہ اُن کے دوسرے قول کا رد ہے۔ یعنی قیامت میں کوئی کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور بمعنی الثقل یعنی بوجھ۔ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ پھر تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی طرف پھرنا ہے یعنی وہ تمہارے جملہ امور کا مالک ہے اور قیامت میں اُسی کی طرف تم نے پھرنا ہے۔ فَيُنَبِّئُكُمْ بس اس دن وہ تمہیں بتا دے گا۔ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ۔ جس میں تم اختلاف کرتے تھے۔ یعنی ہدایت گمراہی سے کھل جائے گی اور اہل حق اہل باطل سے نمایاں ہو جائیں گے۔

خلاصہ تفسیر آیت ہذا سے چند امور ثابت ہوئے۔ غایت مقصود اور منتہائے مراد صرف ذات حق ہے جسے خدا تعالیٰ ملا اسے خدائی مل گئی۔ جو اس سے گیا وہ گم گشتہ راہ ہوا۔ پھر اسے کہیں ٹھکانا نہیں ملے گا۔ عاقل عاشق تو صرف اس کو چاہتا ہے کیونکہ حقیقی محبوب وہی ہے اور محب کو محبوب کے بغیر چین نہیں آتا۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

درد مرا طبیب نداند دوا کہ من
بے دوست خستہ خاطرم و درد خوشترم

ترجمہ: میرے درد کا دوا طبیب نہیں جانتا میں تو دوست کے بغیر دل کا زخمی اور درد سے ہوں اور اسی میں بہت خوش ہوں۔

جو کوئی کچھ کماتا ہے بھلائی یا برائی تو اس کا نفع و نقصان اپنا ہے شر سے گرفتار ہو کر سزا پائے گا اور خیر سے کامیابی لیکن اس میں شرط یہ ہے کہ صرف رضائے الٰہی مطلوب ہو اور ریا و عجب اور فخر سے پاک۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

چہ قدر آورد بندۂ بدر دلیس
کہ زیر قبا دار د اندام پیس

ترجمہ: کیا قدر لائے گا بندہ بدطریقہ والا جو قبا کے نیچے گندا جسم رکھتا ہے۔

یہ تو ظاہر ہے کہ نفس برائیوں کا امر دینے والا ہے اور یہ سوائے برائی کے اور کچھ نہیں چاہتا اس لئے

برائی کی اسے سزا ملے گی نہ کہ اس سے نفع اور نفس کا کام نقصان پہنچانا ہے جو بھی اپنے آپ کو اس کے سپرد کرتا ہے تو وہ ذلیل و خوار ہوتا ہے ہاں جسے اللہ تعالیٰ اپنے رحم و کرم سے بچالے۔ اس سے ہم ہمیشہ یہ دعا عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ آنکھ جھپکنے کی دیر یا اس سے کم بھی مجھے اپنے نفس کے سپرد نہ فرما۔ حالانکہ نفس کو بھی سیر الی اللہ کے لئے حکم تھا کہ وہ عبدیت کا اظہار کر کے طاعت الٰہی سے لگا رہے اور اعمالِ صالحہ پر مداومت کرے۔

نسخہ روحانی حضرت الشیخ ابو عبد اللہ محمد بن الفضل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے تعجب ہے اس سالک سے جو بڑی پُر خار دلدلوں اور ویرانے جنگلوں اور سنگستان مقامات کو طے کرتا ہوا اللہ تعالیٰ کے گھر یعنی کعبہ معظمہ میں پہنچتا ہے اس لئے کہ یہیں پر انبیاء علیہم السلام کو زیارت کا موقعہ نصیب ہوتا ہے باوجود اسکے وہ اپنے نفس کو نہیں چھوڑتا اور خواہشات کے پورے کرنے میں لگا رہتا ہے پھر وہ کیسے اپنے مالک سے ملاقات کر سکتا ہے جب کہ ان کو مٹانے کے بعد ہی قلب میں مولیٰ کریم جاگزین ہوگا کیوں کہ وہ صرف پاک قلب والوں کو ہی ملتا ہے ہر شخص صرف اپنے گناہوں کی وجہ سے گرفتار ہوگا کسی دوسرے کے گناہوں کی وجہ گرفتار نہ ہوگا اور نہ کسی دوسرے کے گناہوں سے متعلق اس سے بازپرس ہوگی۔

حدیث شریف میں ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ کوئی حق اگر کسی کا دینا ہے تو آج دیدو۔ مثلاً کسی کو رنجایا ہے تو معافی مانگ لو اور کسی کے حق میں کوئی کمی بیشی کی ہے تو ابھی سے ختم کر لو۔ اس دن سے پہلے جب کہ اس وقت نہ دینار ہوگا نہ درہم۔ اُس دن صرف اعمال صالحہ ہوں گے جس کا حق دینا ہے تو حکم ہوگا کہ اس کی نیکیاں اس کے حق خواہ کو دیدو۔ اگر نیکیاں نہ ہوں گی تو حکم ہوگا کہ حق والے کی برائیاں اس کے سر پہ رکھدی جائیں۔

سوال: حدیث شریف مذکورہ بالا آیت کے مضمون کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے عدل کے خلاف ہے کہ ایک شخص کی برائیاں دوسرے شخص کے عملنامے میں ڈال یا کسی کے عمل چھین کر ایسے کو دیدے جس سے اعمال نہیں کئے۔

جواب: امام قرطبی نے اپنے تذکرہ میں لکھا ہے کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی منجملہ حکمتوں و مصلحتوں میں سے ایک ہے جن پر بندوں کو مطلع ہونا ضروری نہیں اور نہ اس کی حکمتوں و مصلحتوں کو کوئی پا سکتا ہے اگر ہر وہ امر جو بندوں کے عقول کے مطابق نہ ہو تو اسے چھوڑ دینے و نوامات ہے تو پھر شریعت کے اکثر احکام سے ہاتھ دھونا پڑتا ہے اس لئے کہ بہت سے امور شرعیہ ایسے ہیں کہ جن کا معقول دا فہام کو ادراک ناممکن ہے۔

قواعد شرعیہ بندہ راقم الحروف کہتا ہے گناہ دو قسم میں (۱) لازم (۲) متعدی۔ لازم جیسے شرب الخمر مثلاً اس سے وہی گرفتار ہوگا جس نے شراب پی ہے دوسرے سے اس کا مواخذہ نہ ہوگا ایسے گناہ صرف ایک جہت رکھتے ہیں۔ متعدی جیسے قتل النفس مثلاً اگرچہ اسمیں بھی صرف اس سے مواخذہ ہوگا جس نے قتل کا ارتکاب کیا ہے لیکن اس کی دو جہتیں ہیں۔

(۱) قاتل کا حد شرع سے تجاوز (۲) وقوع الجنایۃ علی العبد ای الشامل ایسے مجرم کی نیکیاں لیکر مقتول کو دی جائیں اور مقتول کی برائیاں قاتل کے سر ڈالی جائیں تو یہ درحقیقت اس کے اپنے کئے کی اسے سزا مل رہی ہے اس میں نہ نیکیوں کے چھیننے کا شبہ ہے اور نہ ہی ظلم کا واہمہ اس تقریب سے ثابت ہوا کہ آیت و حدیث نتیجہ کے لحاظ سے متحد میں اگرچہ بظاہر تناقض معلوم ہوتی ہیں۔ (واللہ اعلم الحقیقۃ الحال)

(۴) جیسے اہل کفر و اہل ایمان کا آپس میں اختلاف ہوتا ہے ایسے ہی اہل اخلاص و اہل ریا میں بھی ہوتا ہے بہرحق و باطل والے کے مابین امتیاز شرع بتاتی ہے لیکن حقیقت حال کا انکشاف اور اقوال و افعال کے پہلوؤں کا ظہور اس دن ہوگا جب کہ اندرونی راز کھلیں گے اور دل کی باتیں ظاہر ہوں گی۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

۱: چون کند جان باز گونہ پوستین
چند واویلا بر آید ز اہل دین

۲: بر دکان ہر زر نما خنداں شدہ است
زانکہ سنگ امتحان پنہاں شدہ است

۳: قلب پہلو می زند با زر بشب
انتظار روز می دارد ذہب

۴: با زباں حال زر گوید کہ باش
اے مزور تا بر آید روز فاش

ترجمہ ۱: جب کرتا ہے کوئی جان کو پوستین (ظاہر) کو اچھا چند اہل دین سے شور اٹھے گا۔
۲: ہر زرگر کے دکان پر ہنسی نظر آتی ہے اس لئے کہ اس کے امتحان والا پتھر پوشیدہ ہے۔
۳: کھوٹا سونا رات کو تو سونے کے ساتھ برابری کا دم بھر سکتا ہے سونے خالص کو دن ہونے کا انتظار ہوتا ہے
۴: پھر زر خالص زبان حال سے کہتی ہے اے کھوٹا سونا ذرا دیر کر ابھی دن آنے والا ہے پھر پتہ چل جائے گا تو کون ہے اور میں کون۔

حدیث شریف سے تبلیغی جماعت کی علامت حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت کے قرب میں ایسا دور آئے گا کہ جس میں لوگ دنیا کو دین کے ذریعے حاصل کریں گے۔ ان کا طریقہ یہ ہوگا کہ اللہ والوں کا بھیس بدل لیں گے اور ان کا کلام کھانڈ سے زیادہ میٹھا لیکن ان کے دل بھیڑیے کی طرح ہوں گے۔ قیامت میں اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا کیا میری وجہ سے یہ کام

ف: جیسے آجکل تبلیغی جماعت کا طریقہ ہے۔

کرتے تھے یا میرے اوپر جرأت کرکے دین کے عوض دنیا لوٹتے تھے۔ مجھے اپنی ذات کی قسم کہ میں انہیں سے فتنہ کھڑا کروں گا یعنی وہ ہی بڑے فتنوں کے اصلی سبب ہوں گے کہ ان فتنوں کو دیکھ کر ہر ذی فہم حیران ہو جائے گا۔

سبق مومن کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے ظاہر و باطن کو صاف رکھے اور ہر اختلاف سے دُور رہے اس لئے کہ حق صرف ایک ہے اور حق کے بعد باطل ہی باطل ہے۔

مسئلہ: فروعی مسائل میں امت کا اختلاف عوام کے لئے رحمت ہے اسے لفظاً تو اختلاف کہا جاسکتا ہے لیکن درحقیقت یہ اختلاف یونہی نہیں اس لئے اختلاف میں میں تو لڑائی جھگڑا وغیرہ ہوتا ہے بلکہ وہ جھگڑے اشخاص اور اُن کے احوال پر مبنی ہوتے ہیں اور آئمہ کی شخصیات مبارکہ اور اُن کے احوال طیبہ کو دنیا جانتی ہے کہ اُن کے معاملات مبنی بر قتل وجدال نہیں تھے۔ بنا بریں وہ حق پر تھے اور جن کی اتباع لازمی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس اختلاف سے بچائے جو دین کے فساد کا سبب بنے اور جھگڑوں سے محفوظ فرمائے کہ جن سے دائرہ یقین ختم ہو اور ہمیں ان لوگوں سے بنائے جو صواب کے توفیق یافتہ ہیں اس لئے کہ وہ کریم اور فیض سخا اور جود و عطا کا مالک ہے۔

تفسیر عالمانہ ۱۶۴ وَهُوَ اور وہ اللہ تعالیٰ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ وہ ہے جس نے تمہیں بنایا۔ اے لوگو خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ۔ زمین میں نائب یعنی جنات کے بعد یا نوع بنی آدم سے سابقہ امتوں سے یا تم اللہ تعالیٰ کی زمین میں نائب ہو۔ تو تم اس میں تصرف کرتے ہو۔

فائدہ: خلائف خلیفہ جیسے وصائف وصیف کی جمع ہے ایسے ہی خلائف خلیفہ کی جمع ہے ہر وہ جو کسی جانے والے کا مقام سنبھالے اس کا اُسے خلیفہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ وہ اس کا جانشین ہوتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ہر آدم کا بچہ اپنے وقت کا آدم (علیہ السلام) اور میں اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے اور خلافت کا راز بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات کا مظہر بنایا ہے کہ وہی حیا قیوماً سمیعاً بصیراً علماً قادر متکلماً مریداً کا مظہر ہے

۱۔ آدمی چیست برزخ جامع
بصورت خلق وحق در واقع

۲۔ متصل با دقائق جبروت
مشتمل بر حقائق ملکوت

ترجمہ: ۱۔ آدمی کیا ہے برزخ جامع ہے ظاہر خلق درحقیقت (جلوہ) حق ہے۔
۲۔ دقائق جبروت کے متصل اور حقائق کے ملکوت پر مشتمل ہے۔

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ اور شرف وغنا میں تمہارے بعض کو فَوْقَ بَعْضٍ بعض پر بلند مرتبہ بنایا۔
دَرَجٰتٍ درجات ہیں کہ اُن کے ایک دوسرے کے مراتب و درجات میں بہت بڑا فرق ہے لِیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَآ اٰتٰىكُمْ
تاکہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں عطا کی۔ مال وجاہ سے۔ یعنی تاکہ تمہارے ساتھ وہ معاملہ کرے جیسے کسی سے
امتحان لیا جاتا ہے اور اس کی آزمائش کی جاتی ہے تاکہ ظاہر ہو جائے کہ تم شکر کرتے ہو یا ناشکری۔

حکایت حضرت جنید رضی اللہ عنہ بچپن میں بچوں سے کھیل رہے تھے تو حضرت سری سقطی رضی اللہ عنہ کا اُن سے گزر ہوا۔ حضرت سری سقطی نے حضرت جنید سے پوچھا بیٹا بتایئے شکر کسے کہتے ہیں۔
آپ نے جواب دیا کہ اس کی نعمتوں کو گناہوں کی اعانت میں صرف نہ کیا جائے۔ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ
بے شک اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اب تعالیٰ کو عذاب کرتے دیر نہیں لگتی۔ یعنی جو اللہ تعالیٰ کے کئے ہوئے
احکام کی پاسداری اور نہ ہی شکر گزاری کرتا ہے تو اس کے عذاب دینے میں دیر نہیں لگاتا۔

سوال: وہ حلیم صبور ہے اور پھر مہلت بھی دیتا ہے پھر سرالعقاب کیسے؟

جواب: جس کے لئے عذاب دینے کا وقت آجاتا ہے اُس کے لئے عذاب میں دیر نہیں ہوتی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

مہلتے کہ سپہرت دہد ز راہ مرد
ترا کہ گفت ایں زال ترک دستاں کرد

ترجمہ: وہ مہلت جو تجھے آسمان نے دی۔ سیدھے راہ سے نہ ہٹ، تجھے کس نے کہا کہ بوڑھی (دنیا) تو
مکر وفریب سے پُر ہے۔

وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ اور بے شک وہ غفور رحیم ہے اس کے لئے جو اس کے حقوق و احکام میں
حتی الامکان پاسداری کرتا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں ایک شخص کو لایا جائے گا۔ جس نے حرام مال جمع کر کے حرام پر خرچ کیا ہو گا اس کے لئے حکم ہو گا اسے جہنم میں لے جاؤ اور ایک کو لایا جائے گا جس نے حلال
کمائی کر کے حلال پر خرچ کیا ہو گا لیکن اسے کہا جائے گا کہ تو نے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کمی کی ہو گی۔ مثلاً نماز نہیں
پڑھی ہو گی یا پڑھی تو اس کے ارکان رکوع سجود قیام وغیرہ میں غلطیاں کھائی ہوں گی کہ بلا ضرورت سواری خریدی یا
کپڑے۔ جنہیں فخر وریا کا شائبہ ہو گا۔ عرض کرے گا نہیں یا اللہ اس طرح میں نے نہیں کیا تھا۔ پھر حکم ہو گا کہ تو نے
اس مال کے خرچ کرنے میں کوتاہیاں کی ہوں گی کہ کسی کے حقوق ادا نہ کئے ہوں مثلاً عورت کے حقوق اسی طرح دیگر
رشتہ داروں اور یتامی و مساکین اور مسافروں کے حقوق میں کمی کی ہو گی۔ عرض کرے گا نہیں یا اللہ۔ ان کے حقوق میں بھی

یں نے کوتاہی نہیں کی تھی۔ میں نے مال حلال کمائی سے کمایا اور فرائض میں کسی قسم کی کمی نہیں کی اور نہ ہی حقوق العباد میں کوئی کوتاہی کی۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس کے حق داروں کو بلاؤ۔ وہ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ جب انہیں بلایا جائے گا تو وہ گواہی دیں گے یا اللہ تونے اسے مال دیا اور یہ ہمارا کفیل تھا اسے تیرا حکم تھا کہ وہ ہمارے حقوق ادا کرے اُس نے ہمارے پورے پورے حقوق ادا کئے اور تیرے فرائض کی ادائیگی میں بھی کوتاہی نہیں کرتا تھا پھر اُسے حکم ہو گا ٹھہر جا مجھے میری عطا کی ہوئی نعمتوں کی ادائیگی شکر کا حساب دے اور ایک ایک لقمہ اور ایک ایک گھونٹ پانی اور ایک ایک لذت کا شکرانہ تونے کیا یا نہ۔ اسی طرح اس سے کئی طرح کے سوالات ہوں گے۔ تب کہیں اسکی نجات ہو گی۔

تفسیر صوفیانہ جس طرح اللہ تعالیٰ جاہ و مال دیکھ کر دیکھتا ہے کہ ان میں کون شکر گزار ہے اور کون ناشکرا۔ اسی طرح حال یعنی خلافت کی استعداد عنایت فرما کر دیکھتا ہے کہ متخلق باخلاق اللہ اور اوامر و نواہی کا پابند اور حقوق العباد و البلاد وغیرہ پر قائم رہتا ہے اور کون رجعت قہقری کر کے صفات بہائم و انعام کی طرف لوٹتا ہے۔

قاعدہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے صفات کو صفات بہیمیہ میں تبدیل کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے قلب اور سمع و بصر پر مہر لگا دیتا ہے پھر وہ اس غیبی مکان کی طرف نہیں لوٹ سکتا کہ جس سے وہ مہجور ہو کر یہاں دنیا میں پھنسا بلکہ اسفل سافلین کے ملک طبیعہ میں گرفتار رہتا ہے ہاں جو خواہشات اور اتباع نفس اور مخالفت حق سے تائب ہو کر کورا مومن ہو جاتا ہے اور خلافت کے لئے عمل صالح کرتا ہے تو اسے ہدایت نصیب ہو جاتی ہے اور نہ ہی وہ رجعت قہقری میں پھنستا ہے۔

حکایت سیدنا ابراہیم بن ادہم رضی اللہ عنہ ایک دفعہ حج کیلئے تشریف لے گئے حرم شریف میں طواف کر رہے تھے اچانک ان کی نظر ایک نوجوان حسین و جمیل پر پڑ گئی اور اس نوجوان کے حسن و جمال نے لوگوں کو فریفتہ کر رکھا تھا۔ حضرت ابراہیم بھی اسے اسے دیکھنے لگ گئے اسے دیکھتے بھی جاتے اور روتے بھی جاتے۔ آپ کے بعض مریدوں نے یہ کیفیت دیکھ کر کہا " اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیۡہِ رٰجِعُوۡنَ " ان کا خیال تھا کہ شیخ بھی اس نوجوان پر عاشق ہو گئے ہیں اور آپ غفلت کا شکار ہو گئے ایک مرید نے عرض کی حضرت اس نوجوان کو دیکھ کر کیوں روتے تھے۔ آپ نے فرمایا اے عزیز میں نے اللہ تعالیٰ سے معاہدہ کیا تھا کہ اس کا توڑنا ناممکن ہے ورنہ تو مجھے اس کے بالکل قریب دیکھتا۔ بلکہ اس کے پاس جا کر اس سے علیک سلیک کرتا۔ یہ تو میرا لخت جگر اور آنکھوں کی ٹھنڈک پیارا بیٹا ہے اسے میں دودھ پیتا چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی تلاش میں نکلا تھا۔ اب بفضلہ تعالیٰ جوان ہو کر یہاں میری تلاش میں نکلا ہے۔ میرا بھی جی چاہتا ہے کہ میں اسے جا کر گلے لگاؤں لیکن مجھے اللہ تعالیٰ سے حیا آتی ہے کہ اپنے وعدہ کے خلاف کروں اب اے عزیز تم چلے جاؤ۔ اسے سلام جا کر کہو کچھ تو مجھے تسلی مل جائے گی اور اس کی جدائی سے جو آگ بھڑک رہی ہے کچھ تو ٹھنڈی

ہو جائے گی۔ مرید جاکر نوجوان سے کہنے لگا اللہ تعالیٰ تمہارے باپ کو خوش رکھے وہ نوجوان سن کر چونکا اور کہا میرا باپ کہاں انہیں تو کئی برس گزرے جو اپنے تخت کو چھوڑ کر راہِ حق میں نکلے تھے۔ کاش اب مجھے ان کی زیارت کے بعد مجھے موت بھی آ جائے یہ کہہ کر باپ کی یاد میں جب آنسو بہائے پھر کہا کاش مجھے ان کا دیکھنا نصیب ہوتا۔ پھر اگرچہ وہیں پر میں رہا وہ مرید صاحب فرماتے ہیں میں واپس حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کے ہاں لوٹا تو انہیں دیکھا کہ وہ مقام ابراہیم میں سربسجود ہو کر خوب رو رہے تھے۔ آپ کے آنسوؤں سے وہاں کے پتھر تر ہو گئے۔ آہ و زاری کرتے ہوئے یہ شعر پڑھ رہے تھے

هجرت الخلق طرا فی هواکا
وايتمت العيال لكی اراكا
فلو قطعتنی فی الحب اربا
لما سكن الفؤاد الی سواكا

ترجمہ: میں نے صرف تیری محبت سے تمام مخلوق سے قطع تعلق کر لیا اور صرف تمہارے دیدار کے لئے میں نے بچوں کو یتیم بنایا اگرچہ تو مجھ سے لاکھ بار دور ہو لیکن میرا دل تو تیرے سوا قرار نہیں پائے گا۔

میں نے کہا اگر بچے سے ملنا منظور نہیں تو اس کے لئے دعائے خیر فرمایئے۔ آپ نے بچے کیلئے کہا اللہ تعالیٰ اسے گناہوں سے بچائے اور وہ جو کچھ چاہتا ہے اس کی مدد فرمائے۔

سبق: یہ اس کا حال ہے جس نے حق کی تلاش میں تخت و سلطنت کو لات ماردی اور فقر و فقیری میں زندگی بسر فرمائی۔ ایک ہم ہیں کہ دولت کے پیچھے سرگردان اور فقر و فقیری کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حدیث شریف: میں ہے حضور علیہ السلام نے عرض کی اے اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی قوت اتنی فرما کہ جس سے فقط سانس باقی رہ سکے۔

فائدہ: قوت کفایۃ بلا اسراف کو کہتے ہیں۔

سبق: اس سے معلوم ہوا کہ کفایت شعاری دنیاداری سے افضل ہے اس لئے کہ اگر یہ افضل نہ ہوتی تو اس کے لئے حضور علیہ السلام آرزو نہ کرتے اور آپ نے اپنے لئے افضل الاحوال کی تمنا فرمائی

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دریں بازار گر سود یست با درویش خورسند است
الٰہی منعم گرداں بدرویشی و خرسندی

ترجمہ: یہ بازار پر منافع والے کی یا کسی درویش خوشحال کی۔ مجھے تو یارب درویشی اور خورسندی عطا فرما۔"

باقی صفحہ نمبر ۱۱۶ پر

سُورَةُ الْاَعْرَافِ

یہ سورۃ مکیہ ہے۔ اس سورۃ کی کل دو سو پانچ (۲۰۵) آیات ہیں۔ صرف آٹھ آیات جو واسئلھم سے شروع ہو کر واذ نتقنا الجبل الآیۃ تک ختم ہوتی ہیں مدنیہ ہیں۔ تمام آیات محکمہ ہیں۔ بعض نے کہا واعرض عن المشرکین تک مدنیہ ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِىْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳﴾ وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْ هُمْ قَآئِلُوْنَ ﴿۴﴾ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَاۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَنَسْئَلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْئَلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۶﴾ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ﴿۷﴾ وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ ن الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸﴾ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ﴿۹﴾ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِى الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

ترجمہ:- اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بہت مہربان رحم والا ہے المص [۱] اے محبوب [۲]! ایک کتاب تمہاری طرف اتاری گئی تو تمہارا جی اس سے نہ رکے اس لئے تم اس سے ڈر سناؤ اور مسلمانوں کو نصیحت اے لوگو اس پر چلو جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا اسے چھوڑ کر اور حاکموں کے پیچھے نہ جاؤ بہت ہی کم سمجھتے ہو [۳] اور کتنی بستیاں ہم نے ہلاک کیں تو ان پر ہمارا عذاب رات میں آیا یا جب وہ دوپہر کو سوتے تھے [۴] تو ان کے منہ سے کچھ نہ نکلا جب ہمارا عذاب ان پر آیا مگر یہی بولے کہ ہم ظالم تھے [۵] تو بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے ان سے جن کے پاس رسول گئے اور بے شک ضرور ہمیں پوچھنا ہے رسولوں سے [۶] تو ضرور ہم ان کو بتادیں گے اپنے علم سے اور ہم کچھ غائب نہ تھے [۷] اور اس دن تول ضرور ہونی ہے تو جن کے پلہ بھاری ہوئے وہی مراد کو پہنچے [۸] اور جن کے پلہ ہلکے ہوئے تو وہی ہیں جنہوں نے اپنی جان گھاٹے میں ڈالی ان زیادتیوں کا بدلہ جو ہماری آیتوں پر کرتے تھے اور بے شک [۹] ہم نے ضرور تمہیں زمین میں جماؤ دیا اور تمہارے لئے اس میں زندگی کے اسباب بنائے بہت ہی کم شکر کرتے ہو [۱۰]

بقیہ صفحہ نمبر ۱۱۷

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ان لوگوں سے بنائے جو حضور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مقدسہ پر چلنے والے ہیں اور ہماری تمنائیں وصول الی مقام التوکل والیقین کی طرف لگا دے اور وہ اپنے سائل کو ناامید نہیں کرتا اور نہ ہی اپنے دعا مانگنے والے کی دعا کو رد کرتا ہے اور نہ ہی کسی کی کوشش کو ضائع فرماتا ہے۔

صاحب روح البیان قدس سرہ نے فرمایا کہ سورۃ انعام بفضلہ تعالیٰ جمادی الاولیٰ کی آخری تاریخ سنہ ۱۱۰۰ھ میں ختم ہوئی۔

"وقد تمت هذه السورة من قلم الفقير القادري ابي الصالح محمد فيض احمد الاويسي الرضوي غفرله ربه يوم ولادة حبيب رب العلمين في السادس والعشرين من الشهر صفر المظفر المنتظم في سلك شهور سنة الف وثلاثمائة وخمس وتسعين سنه ۱۳۹۵ھ من هجرة امام الانبياء والمرسلين صلى الله عليه وعلى آله واصحابه اجمعين في دار التصنيف والتاليف التي من دار العلوم لاهل السنة والجماعة المعروفة بالجامعة الاويسيه الرضويه الواقعة في البلدة دار السرور الشهيرة ببهاولپور من بلاد الباكستان۔

صوفیانہ نکات ا آلمّص : (الف) ذاتِ احدیہ کی طرف (ل) مع ذات صفۃ العلم کی طرف اشارہ کرتے ہیں (م) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معنی یعنی آپ کی ذات اور حقیقت پہ دلالت کرتا ہے اور (ص) صُورۃ محمدیہ یعنی آپ کے جسدِ اطہر اور ظاہری صورت کی طرف اشارہ کرتی ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (صٓ) مکہ معظمہ میں ایک پہاڑ کا نام ہے جب رات تھی نہ دن تھا اس وقت اللہ تعالیٰ کا عرش اس پہ تھا۔ اس بنا پہ اس پہاڑ کی طرف اشارہ کرکے حضور علیہ السلام کے جسدِ مبارک اور عرش رحمٰن سے آپ کا قلب شریف مُراد لیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے "قلب المومن عرش اللہ" مومن کا دل عرش الٰہی ہے۔ حدیث شریف میں فرمایا کہ اس وقت رات تھی نہ دن تھا یعنی وحدت ہی وحدت تھی اس لئے کہ قلب جب نفس کی زمین کے سایہ میں ہو کر صفات نفس سے محجوب ہو جاتی ہے تو اس کے لئے وہی کیفیّت بمنزلہ رات کے ہوتی ہے پھر جب اس پہ روح کے سورج کی کرن پڑتی اور وہ اس سے نور حاصل کرتی ہیں تو وہ حالت اس کے لئے بمنزلہ دن کے ہوتی ہے پھر جب معرفت الٰہی اور شہود ذاتی سے وحدۃ میں پہنچتی ہے تو اس میں نور وظلمت مساوی ہو کر فانی ہو جاتے ہیں تو اس کے لئے یہی ہوتا ہے کہ اس کے لئے نہ رات ہے نہ دن اس وقت پہ عرشِ الٰہی مستقر ہوتا ہے اب مطلب یہ ہوا کہ وجود الکل من اعلہ الی الآخرۃ ایک کتاب ہے جس کا علم ہم نے آپ کی طرف نازل فرمایا (کذا فی التاویلات النقاشانیہ)

دوسری صوفیانہ تقریر حضرت الشیخ نجم الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے ذات وصفات بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے بیان فرمائے تو اپنا ذاتی تعارف "المص" سے کرایا۔ یعنی وہ اپنے لطف سے معبود ہے اور بندہ محبت ومعرفت سے فرد ہے اس نے آپ پہ نازل کردہ کتاب کے واسطہ سے معرفت ومحبت کے کمال کو قبول کرنے سے صبر وصدق سے نوازا گیا۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ "المصٓ" قرآن پاک کا نام ہے یا اس سورۃ کا نام ہے یا اس کا ہر حرف اسمائے الٰہی کے کسی اسم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جیسے الف سے اللہ لام سے لطیف میم سے ملک، صاد سے صبور یا ہر حرف اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت پہ دلالت کرتا ہے۔ مثلاً الف اکرام پہ لام لطف پہ اور میم مجد پر صاد۔ صدق پہ یا اسم "المصور" ہے کنایہ ہے یا بعض حروف اسماء پہ دلالت کرتے ہیں اور بعض افعال وتقدیر پہ۔ اب اس کا معنی ہوا "انا اللہ اعلم وافصل" میں اللہ ہوں۔ جانتا اور بیان کرتا ہوں یا یہ کہ میں تمام سے زیادہ عالم اور حقائق میں حق وباطل کا فرق بتاتا ہوں۔

فائدہ: حضرت سلمی فرماتے ہیں کہ الف کا اشارہ ازل کی طرف اور لام ابد کی طرف اور میم ازل وابد

کے مابین کی طرف۔ اور صاد کا اشارہ ہر متصل کے اتصال اور ہر منفصل کے انفصال کی طرف ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اسمیں اتصال کی گنجائش ہے نہ انفصال کو ؎

۱ : این چہ راہست این بروں از فصل و وصل
کاندرونی فرع می گنجد نہ اصل

۲ : نے معانی نے عبارت، نے عیاں
نے حقائق نے اشارت نے بیان

۳ : برتر است از مدرکات عقل و وہم
لاجرم گم گشت دروے فکر و فہم

۴ : چوں بکلی روئے گفت و گوئی نیست
ہیچکس را جز خموشی روئے نیست

ترجمہ ۱ : یہ کیا راہ ہے فصل و وصل سے خارج اسمیں نہ اصول سما سکتے ہیں نہ فروع

۲ : نہ معانی نہ عبارت نہ ظاہر نہ حقائق نہ اشارہ نہ بیان

۳ : مدرکات عقل و وہم سے برتر ہے۔ بہر حال اس میں وہم و فکر گم ہے۔

۴ : جب مکمل طور اس میں گفتگو نہیں ہو سکتی تو پھر کسی کو خاموشی کے سوا چارہ نہیں۔

صاحب روح البیان کا فیصلہ فقیر کہتا ہے کہ یہ حروف مقطعات، متشابہات سے ہیں ان میں عقول کو کسی قسم کا درک نہیں البتہ اسے اہل اللہ ضرور جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے علم سے وہ اُن سے خوب واقف نہیں۔ انہیں مفسرین نے جو کچھ کہا ہے وہ ان کے معانی و لوازم و حقائق سے اشارہ سمجھ کر کہا ہے۔ بنابریں ہم بھی اس کے متعلق کچھ کہتے ہیں۔ وہ یہ کہ ان حروف میں ترکیب صفاتی و فعلی واحدی ابدی ہے۔ یہ مرتبہ وحدۃ ذاتیہ میں ایک علیحدہ علیحدہ افراد تھے پھر تجلی الہٰی سے وہ فرد مرکب ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ وہ قوت سے فعل ہو گیا اور جمع سے متفرق ہو گیا۔ اس سے نسب و اضافات کا صدور ہوا جیسے کلام ترکیبی کا اصل حروف مفردہ ہیں یعنی حروف، تہجی پھر ترکیب سے آب و ہوا پھر ابجد ہوا بعد ازاں الحمد للہ ہوا یوں سمجھئے کہ انسان اصل تعین جسم کے لحاظ سے ایک نطفہ ہے پھر اس کی ایک تصویر کھینچی گئی اس سے ترکیب جسمانی ہوئی۔ واللہ اعلم"

کِتٰبٌ یہ کتاب ہے اُنْزِلَ اِلَیْکَ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے آپ کے ہاں نازل کیا گیا فَلَا یَکُنْ فِیْ صَدْرِکَ حَرَجٌ پس آپ کے سینہ میں کوئی تنگی نہ ہو یعنی اس کے حق ہونے میں شک نہ ہو یہ ایسے ہے

جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَاِنْ كُنْتَ فِیْ شَكٍّ مِّمَّاۤ اَنْزَلْنَاۤ اِلَیْكَ صرف فرق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہاں اسے حرج صدر سے تعبیر فرمایا ہے جو کہ شک کو لازم ہے اس لئے کہ شک کو ہی دلتنگی ہوتی ہے جیسے یقین کرنے والے کو انشراح صدر ہوتا ہے ۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کو ہے لیکن اُمت مراد ہے ۔ یعنی اسے اُمتیوا شک نہ کرو اور منہ حَرَجٌ کے متعلق ہے مثلاً کہا جاتا ہے " حرج منہ " ای ضاق بہ صدرہ ۔ اور جائز ہے کہ حرج اپنے حقیقی معنی پر ہو یعنی آپ کفار کے خوف سے تبلیغ کرتے ہوئے ملال نہ فرمائیں ۔ اس خیال سے کہ کفار تکذیب کریں گے جیسا کہ ابتداء اسلام میں آپ کو اپنی قوم کی تکذیب اور ان کے اعراض سے خوف رہتا تھا اس لئے کہ تبلیغ کے وقت آپ کو ملال ہوتی اور کھل کر آپ تبلیغ نہیں کر سکتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو امن وسلامتی عطا فرمائی اور فرمایا کہ آپ بے پرواہ ہو کر انہیں تبلیغ فرمائیں ۔

لِتُنْذِرَ بِهٖ یہ اُنزل کے متعلق ہے تا کہ اس کتاب منزل من اللہ سے ڈرائیں وَ ذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ تا کہ مومنین کو خوب نصیحت فرمائیں ۞ اِتَّبِعُوْا اتباع کرو اسے حکم بردارو ۔ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ اس کی جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے تمہارے لئے اُترا ہے ۔ یعنی قرآن مجید کی اتباع کرو ۔ وَ لَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖ اور اس کی تابعداری مت کرو جو تمہارے رب تعالیٰ سے نہیں اُترا ۔ اس لئے کہ وہ تمہیں حق کی طرف نہیں لے جائے گا ۔ من دونہ ولا تتبعوا ۔ کے فاعل سے حال ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ تابعداری نہ کرو درانحالیکہ تم اللہ تعالیٰ سے تجاوز کرنے والے ہو ۔ اولیاء یعنی وہ من دونہ اولیاء الجن والانس ہیں تم ان کی اطاعت سے اللہ تعالیٰ کی بے فرمانی میں پڑو گے ۔ قَلِیْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تذکرون دراصل تتذکرون تھا اس کی ایک تاء حذف کر دی گئی اور قلیلاً ما میں لفظ ما زائدہ ہے اسے علت کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے یعنی تم تھوڑی یا تھوڑی دیر نصیحت پا سکو گے یعنی اس کا زیادہ دیر اثر نہیں رہے گا ۔ پھر بہت جلدی تم اس سے متنفر ہو جاؤ گے قرآن کے موجب پر عمل نہیں کرو گے بلکہ سرے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو چھوڑ کر غیر دین کی پیروی کرنے لگ جاؤ گے ۔

ربط : اب گذشتہ امتوں میں سے جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی نہ کی بلکہ اپنے دوستوں کی باتوں کی اتباع کرتے اور اس پر اصرار کرنے لگے ، ان کی سزاؤں اور انجاموں کا بیان فرمایا کہ ۞ وَكَمْ یہ کم تکثیر یہ اور مبتدا ہے آنے والا جملہ اس کی خبر ہے مِّنْ قَرْیَةٍ یہ کم تکثیر یہ کی تمیز ہے ۔ اَهْلَكْنٰهَا ھا کی ضمیر کم کے معنی کثرت کی طرف راجع ہے یعنی بہت سے علاقوں کو ہم نے تباہ کرنے کا ارادہ کیا یا ان علاقوں کے بہت سے لوگوں کے ہلاک کرنے کا ارادہ کیا ۔ اس تقریر ثانی پر کم اھلکنا سے محلاً منصوب ہے جیسے بقدر انا کل شیئ خلقناہ میں محلاً منصوب ہے ۔ فَجَآءَهَا پس ان کے اہل کے ہاں آیا ۔ بَاْسُنَا بَیَاتًا ہمارا عذاب

بیاتا مصدر ہے بمعنی فاعل اور وہ حال کے قائم مقام ہے۔ بیاتا ای بائتین درانحالیکہ وہ رات میں سونے والے ہوتے۔ جیسے لوط علیہ السلام کی قوم کے ساتھ ہو۔

- **فائدہ** ۔ حدادی نے فرمایا کہ رات کو بیاتا سے اس لئے تعبیر کرتے ہیں کہ اس میں شب باشی ہوتی ہے اور ظلول کی ضد کو کہا جاتا ہے بیتوتتہ رات کے آنے کو کہتے ہیں اس میں نیند کی جائے یا نہ جیسے فارسی میں رات گذاشتن رات گزرنا کہتے ہیں۔ اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ۔ اس کا عطف "بیاتا" پر ہے اور قیلولۃ سے مشتق ہے دوپہر کے آرام کرنے کو کہتے ہیں۔ یعنی انہیں دوپہر میں اللہ تعالیٰ کے عذاب پہنچے۔ جیسے شعیب علیہ السلام کی قوم سے ہوا کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے سخت گرمی میں دوپہر کے وقت تباہ وبرباد کیا۔

نکتہ ۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ عذاب کو ان دونوں وقتوں سے اس لئے مخصوص کیا گیا کہ یہ دونوں استراحت اور آرام کے اوقات ہیں۔ ان دونوں وقتوں میں عذاب کا وقوع غیر متوقع ہوتا ہے اور یہ قاعدہ ہے کہ عدم توقع میں عذاب سخت تر محسوس ہوتا ہے جیسے نعمت غیر مترقبہ کا حصول لذیذ اور خوب تر ہوتا ہے۔

۵ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ پس اس وقت انکا کوئی دعوی نہ تھا انہوں نے نہ کوئی دعا کی اور نہ ہی عجز زاری اِذْ جَآءَهُمْ جب ان پر بَاْسُنَآ ہمارا دیا ہوا عذاب آیا۔ (یعنی اس کے علامات معلوم کئے) اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا مگر یہ کہ کہا کہا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِیْنَ ۔ بے شک ہم ظالم ہیں یعنی اپنی غلطیوں کا اب اعتراف کیا کہ واقعی جن امور کا ہم ارتکاب کرتے تھے وہ غلط تھے۔ اس وقت ان کی اپنی غلطی کی خود گواہی دینا حسرت و ندامت اور جان رہائی کے طمع پر تھا۔ لیکن اب وقت نکل گیا اس لئے کہ نزول عذاب کے وقت توبہ بھی ناقابل قبول ہے پھر صرف ندامت وغیرہ انہیں کیا فائدہ دیتی۔ اس لئے کہ توبہ اور مکلف ہونا ہر دونوں اسوقت اکٹھے مرتفع ہوجاتی ہیں۔ لیکن یونس علیہ السلام کی قوم اس سے مستثنیٰ ہے اس کا مفصل بیان آئے گا (انشاء اللہ) مثنوی میں ہے

۱۔ ہمچوں آں مرد مفلسف روز مرگ
عقل را می دید بس بے مال وبرگ

۲۔ بے غرض می کرد آندم اعتراف
کز ذکادت راندہ ایم اسب از گزاف

۳۔ از غروری کہ کشیدیم از رجال
آشنا کردیم در بحر خیال

۴۔ آشنا ہیچست اندر بحر روح
نیست آنجا چارہ جز کشتی نوح

۵ ۔ اینچنیں فرمودہ آں شاہِ رُسل
کہ منم کشتی دریں دریائے کُل

۶ ۔ باکسے کو در بصیر تہائے مَن
شُد خلیفہ راستی برجائے مَن

۷ ۔ کشتیٔ نُوحیم در دریا کہ تا
رو نہ گردانی زکشتی اے فتیٰ

ترجمہ ۱ ۔ اس فلسفی کی طرح جو موت کے وقت عقل کو بے سروسامان دیکھ کر
۲ ۔ بلا تاخیر اعتراف کرتا ہوا کہتا ہے کہ تیزیٔ عقل سے ہم بلا فائدہ گھوڑے دوڑاتے رہے ۔
۳ ۔ غرور سے لوگوں سے ہم علیحٰدہ رہے ہم صرف بحر خیال میں غرق رہے ۔
۴ ۔ بحر روح میں کون آشنا ہے وہاں کشتیٔ نوح کے سوا کوئی چارہ نہیں ۔
۵ ۔ ایسے شاہ رسولاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسی دریائے کل کا میں ہی کشتی نوح ہوں ۔
۶ ۔ جو بھی میری بصیرتوں پر میرا خلیفہ تابعداری ہوا ۔
۷ ۔ ہم کشتی نوح ہیں اس دریا میں اسے نوجوان اس کشتی سے منہ نہ پھیرنا ۔

۶ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ ۔ یہ فاء ترتیب کے لئے ہے کہ احوال اُخرویہ کو احوال دینویہ پر مرتب ہے یعنی قیامت میں ہم تمام اُمتوں سے سوال کریں گے درانحالیکہ ہم انبیاء علیہم السلام سے پوچھیں گے کہ جن کے ہاں بھیجے گئے انہوں نے تمہیں کیا جواب دیا وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ اور ہم پیغمبران عظام علیہم السلام سے بھی پوچھیں گے کہ تمہاری امتوں نے کیا کہا ۔ اس سے کافروں کو توبیخ اور انہیں تنبیہ کرنا مطلوب ہے ۔

سوال : دوسری آیت میں امت سے سوال کی نفی ہے "قال و لا یسال عن ذنوبہم المجرمون"

جواب۱ : استعلام کے سوال کی نفی ہے یعنی اُن سے صرف حالات کے اظہار کا سوال نہیں ہوگا ۔ اگر ہوگا تو سزا کے طور ۔

جواب۲ : سوال ہوگا موقف حساب میں لیکن ان سے موقف عقاب میں سوال نہ ہوگا بلکہ حساب کے بعد پوچھے بغیر جہنم میں دھکیلے جائیں گے ۔

جواب۳ : (فخر الدین رازی) تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں کہ اُن سے ان کے اعمال کے متعلق سوال ہوگا بلکہ ان اعمال کے اسباب کے متعلق ہوگا کہ یہ اعمال تم نے کیوں کئے اور ان کے ارتکاب پر کس چیز نے تمہیں ابھارا ۔

۵ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيۡهِمۡ - جب انبیاء علیہم السلام عرض کریں گے۔ "لا علم لنا انك انت علام الغیوب" تو ہم انہیں بیان کریں گے (لعلیم) علم سے اس لئے کہ ہم ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتے ہیں وَمَا كُنَّا غَآئِبِيۡنَ اور ہم اُن سے کسی وقت بھی غائب نہیں اس لئے ہمارے سے ان کے اعمال و احوال مخفی نہیں

فائدہ : قیامت میں رسل کرام علیہم السلام کہیں گے "سَلِّمْ سَلِّمْ" ۔ انہیں اپنی امت کا بہت بڑا خوف ہوگا اگرچہ وہ عذابِ الٰہی سے مامون و محفوظ ہوں گے۔ لیکن قربِ الٰہی کی وجہ سے خائف ہوں گے۔ وہ طاہر و مطہر اور اُن کے بواطن ضلالت و گمراہی کی ہر طرح کی گرد و غبار سے محفوظ رہے اور اُن کے ظواہر کے لئے شرعی مخالفت کا پہلو بھی نہیں نکل سکتا۔ وہ ہر طرح کے امن و سکون میں ہوں گے کہ انبیاء علیہم السلام بھی ان مراتب سے بوجہ خوشی رشک کریں گے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کو اپنی اُمتوں کا خوف ہوگا اور انہیں کسی قسم کا خطرہ ہی نہیں ہوگا۔

قیامت میں کون لوگ محفوظ ہوں گے

جس کی موت اس حالت میں واقع ہوئی کہ

(۱) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراتا۔

(۲) نبی علیہ السلام کی نبوت پر ایمان رکھتا تھا۔

(۳) ہر عمل صالح اخلاص سے کرتا تھا۔

(۴) سحر اور جادو سے پاک تھا۔

(۵) مسلمانوں کے ناحق خون نہیں بہاتا تھا

(۶) اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کا خیر خواہ تھا۔

(۷) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے فرمانبردار بندوں سے محبت کرتا تھا۔

(۸) اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ السلام کے باغیوں سے بغض رکھتا تھا۔

ایسے آدمی کو عرشِ الٰہی کے نیچے جگہ ملے گی اور قیامت کے ہر غم اور الم سے محفوظ ہو جائے گا اور جو ان امور میں کسی ایک کا ارتکاب کرتا ہوا مرا یا دینی باتوں میں سے اس کا دل بگڑا یا شک کیا تو وہ قیامت میں ایک ہزار سال سخت گرمی اور غم و الم اور عذاب میں مبتلا رہے گا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی جس طرح چاہے۔ فیصلہ فرمائے۔

حکایت کندہ کا بادشاہ بہت بڑا عیاش تھا ہر گھڑی عیش و عشرت میں گزارتا۔ ایک دن شکار یا کسی کام کے لئے گھر سے نکلا۔ دُور جا کر لشکر سے علیحدہ ہو گیا۔ ایک جگہ دیکھا کہ ایک شخص نے مُردوں کی بے شمار ہڈیاں جمع کی ہوئی ہیں اور انہیں لے کر ہڈیوں کی طرح الٹ پلٹ کر رہا ہے۔ بادشاہ نے اُس سے پوچھا اے بندۂ خدا یہ کیا کرتے ہو اور تجھے کیا ہے کہ رنگ فق ہے اور حالت تبدیل ہے اور اکیلا جنگل میں بیٹھا ہوا ہے۔ اُس نے

کہا بھائی کیا پوچھتے ہو۔ میں دور کا مسافر ہوں اور مجھے در سپاہی ایسے گھر کی طرف دھکیلتے جا رہے ہیں جس گھر میں نہ کوئی ساتھی اور نہ کوئی آرام کے اسباب نہایت ہی ویرانہ اور سخت تاریک" ماحول میں اور گہرائی کا کیا کہنا اور ٹھہرنے کے لئے طبیعت کو سخت کراہت و نفرت۔ وہاں مجھے سوائے گلنے اور سڑنے اور تباہی و ہلاکت کے اور کچھ حاصل نہ ہوگا۔ ایسی منزل تک مجھے بھیجا جا رہا ہے وہ زمین کے اوپر نہیں بلکہ زمین کے اندر ہے۔ مجھے پھر اس میں ایک حال پہ نہیں رکھا جائے گا بلکہ وہاں تنگی اور وحشت اور جسم کو کیڑے مکوڑے کھا جائیں گے اور میرے جسم کی بوٹی بوٹی نوچ لیں گے اور ہڈیاں چورہ چورہ ہو جائیں گی تو پھر جسم کو پہلے کی طرح کیا جائے گا باوجودیکہ اینہمہ یہ نہیں پتہ کہ پھر میرا انجام کیا ہوگا۔ نام معلوم مجھے سعیدوں میں رکھا جائے گا یا بدبختوں میں۔ مجھے پھر اس گھر سے نکال کر میدان محشر میں لے جائیں گے۔ اس میں مجھ سے زندگی بھر کے جرائم و معاصی و دیگر اعمال کے متعلق بہت بڑی دیر تک حساب ہوتا رہے گا۔ پھر معلوم نہیں مجھے کونسی دار میں رہنا نصیب ہو۔ اب سوچ کر بتلایئے جس کا یہ حال ہو وہ کس طرح عیش و عشرت سے گزارے۔ بادشاہ اس کی یہ بات سن کر خوفزدہ ہو کر گھوڑے سے اترا اور اس مرد کے قریب بیٹھ گیا اور کہا تیری باتوں سے میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میرے دل پر ان کا گہرا اثر ہوا ہے مہربانی کر کے کچھ اور سنایئے۔ اس مرد سے کہا تمہیں معلوم ہے یہ ہڈیاں کیسی ہیں۔ بادشاہ نے کہا فرمایئے۔ اس مرد نے کہا یہ ان بادشاہوں کی ہڈیاں ہیں جنہیں دنیا نے دھوکہ دیا اور اس کی رونقوں کے فریب میں آ گئے اور ان کے دلوں کو دنیا کی رنگینیوں میں پھنسا دیا۔ اور موت کے جھٹکوں کو بالکل فراموش کر بیٹھے یہاں تک کہ ان پر موت نے حملہ کیا۔ جس سے ان کی تمام تمنائیں خاک میں مل گئیں اور ان کی تمام شان و شوکت ملیا میٹ ہو گئی یہی ان کی ہڈیاں ہیں جنہیں چند دنوں کے بعد جسم دیکر اٹھائے جائیں گے۔ اُن سے دنیا کی نعمتوں کا حساب ہوگا۔ پھر یا انہیں دارالقرار (بہشت) میں جانا نصیب ہوگا یا دارالعذاب والبوار (جہنم) میں۔ یہ کہہ کر وہ نوجوان بادشاہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ اس کے بعد بادشاہ اپنے ساتھیوں سے جا ملا لیکن اس کا حال متغیر تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ جب رات ہوئی تو شاہی لباس اتار کر پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور راتوں رات وہاں سے نکل کھڑا ہوا اور مرتے دم تک اسی حال پر رہا۔ کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

افنی القرون التی کانت منعمة
کر الیسیلات اقبالا و ادبارا
یا راقدا باللیل مسرورا باوله
ان الحوادث قد یطرقن اسحارا
لا تامنن بلیل طاب اوله
ضرب آخر لیل اجج النار

ترجمہ: بہت سے خوشگوار زمانہ کے لوگوں کو راتوں کی آمد و رفت نے فنا کیا۔ اسے پہلی رات کو خوش ہو کر سونے والو۔ (خوف کرو) کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آخری رات کو حوادث گھیر لیتے ہیں پہلی رات کے سہانے سے خوش ہو کر نہ سو (ممکن ہے کسی غلطی سے) تم رات کے آخر میں جہنم کا ایندھن بن جاؤ۔

حضرت امام زین العابدین کی نصیحتیں

حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ مجھے اس اترانے والے متکبر سے تعجب ہوتا ہے کہ وہ نہیں سمجھتا کہ کل نطفہ تھا چند روز کے بعد اسے جیفہ بنا کر مٹی میں دبا دیا جائے گا اور اس شخص پر بھی بڑا تعجب ہے جو اللہ تعالیٰ کے متعلق شک کرتا ہے حالانکہ اسے معلوم ہے کہ یہ تمام مخلوق اس کی پیدا کردہ ہے اور اس بندے پر بھی تعجب ہے جو قیامت کا انکار کرتا ہے حالاں کہ اسے یقین ہے کہ دنیا فانی ہے اس انسان پر بھی تعجب ہے جو دارِ فنا کے لئے تو کمائی کرتا ہے لیکن دارِ بقا کے لئے کچھ نہیں کماتا۔

سبق

دانا پر لازم ہے کہ اپنی گذشتہ زندگی سے عبرت پکڑے۔ اس وقت افسوس کے ہاتھ ملے گا جب کہ قضاء و قدر کا پیغام پہنچیگا۔ طریق حق کے لئے جدوجہد کرے اور ہر صبح و شام اللہ تعالیٰ کے ذکر میں بسر کرے۔ موت کے نزول سے پہلے ہی تیار رہے۔ وقت ہوا کی طرح گزر جائے گا۔ غور کیجئے اب وہ بدبخت کہاں ہیں جو انبیاء علیہم السلام کی تکذیب کرتے تھے۔ انہیں بھی دارِ جزاء کی طرف دھکیلا گیا ہے ایک دن یہ دنیا فنا ہو جائے گی۔ پھر اس عالم دنیا پہ کوئی نہ ہوگا فرشتے۔ جن بنو آدم سب کو فنا ہے اس وقت تمام اعمالنامے لپیٹ لئے جائیں گے اور سوال و جواب کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور سب حاضر ہوں گے پھر ہر چھوٹا بڑا عمل سامنے آ جائے گا۔ بدبختوں کو بدبختی اور نیک بختوں کو سعادت نصیب ہوگی۔ اے اللہ ہم موت کی یاد کا سوال کرتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ ہمیں ہر وقت اطاعت کی توفیق نصیب ہو اور ظاہری باطنی طور سیدھے راہ پہ چلنے کی طاقت حاصل ہو اے قادر قوت رب کریم ہم ضعیفوں کی مدد فرما۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ

ۚ وَالْوَزْنُ یعنی وزن اعمال یعنی واضح کرنا کہ راجح عمل کونسا ہے اور کمزور کون اور انمیں کھرا کون ہے اور کھوٹا کون۔ فارسی میں اس کا ترجمہ یوں کیا گیا کہ "سنجیدن اعمال بر نیک" کے اعمال کی تول الحق ہے۔ فارسی میں اس کا ترجمہ ہے "راست و بودنی" سچ اور ہونے والی بات ہے۔ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ پس جس کے اعمال بھاری ہوں گے یعنی وہ نیکیاں جو تولی جائیں گی اگر بوجھل ہونگی موازین موزوں کی جمع ہے۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ وہ میزان کی جمع ہو۔ بوجہ مختلف ہونے موزونات اور متعدد ہونے وزن کے۔

تفسیر صوفیانہ

تاویلات نجمیہ میں ہے کہ موازین کو جمع لانے میں راز یہ ہے کہ ہر ایک بندے کے مناسب حال پر علیحدہ علیحدہ ترازو کھڑے کئے جائیں گے۔ مثلاً بدن کے لئے ایک ترازو ہوگا کہ اس سے

بدن کے اوصاف تولے جائیں گے۔ اسی طرح سر کا ترازو ہوگا۔ اس سے اس کے احوال تولے جائیں گے خفی کا ایک اور ترازو ہوگا اس سے اس کے اطلاق تولے جائیں گے۔

فائدہ: خفی لطیفہ روحانیہ کا نام ہے یہی اخلاق ربانیہ کے فیض کے قابل ہے۔

حدیث شریف: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ خلق حسن کا بوجھ تمام اعمال سے زیادہ وزنی ہوگا اس لئے کہ خلقِ حسن بندوں کے اوصاف سے نہیں بلکہ رب العالمین کی صفت ہے اس لئے بندوں کو حکم ہے کہ وہ اخلاقِ الٰہیہ کی عادت پیدا کریں۔

فَاُولٰٓئِكَ لفظ من کے معنی میں جمع کے معنی کا اعتبار کرکے اشارہ جمع کا لایا گیا۔ هُمُ یہ ضمیر فصل کی ہے جو مسند الیہ و مسند کے درمیان واقع ہوتی ہے۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ وہی لوگ کامیاب ہیں یعنی نجات و ثواب پانے والے۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِیْنُهٗ " فارسی میں اس کا ترجمہ یوں ہے "عملہائے وزن کردہ ایشان سبکی بمعصیت خواہد بود" یعنی جس کے عمل ہلکے ہوں گے یعنی دوسرا پلڑا گناہوں کی نحوست سے ہلکا ہلکا فَاُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے اپنی فطرت سلیمہ کہ جس پر ان کی تخلیق ہوئی کو ضائع کر دیا اور ایسے اعمال کا ارتکاب کیا جو عذاب کے سبب بنے تو انہوں نے اپنے نفوس کو خسارے میں ڈالا۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ "خسران بمعنی راس اعمال ضائع کر دینا اور انسان کا راس المال اپنا نفس ہے پھر جب وہ بُرے اعمال سے ہلاک و تباہ ہوا تو گویا اس نے نفس کو ضائع کر دیا۔ بِمَا كَانُوْا بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ ۝ بوجہ اس کے کہ انہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔ یعنی ان کی تصدیق کے بجائے تکذیب کی اور بِمَا خَسِرُوْا کے متعلق ہے اور ما مصدریہ اور بِاٰیٰتِنَا یَظْلِمُوْنَ کے متعلق ہو کر تکذیب کے معنا کو متضمن ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ ترازو صرف اہلِ حق اور ارباب صدق اور نیک عمل والوں کے لئے ہوگا اہل باطل کے لئے کوئی ترازو نہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَزْنًا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے مرد کو لایا جائے گا کہ دنیا میں بہت بڑا عظیم المرتبہ بڑا قد آور اور کھاتا پیتا تھا اُسے تو لا جائے گا تو مکھی کے پر کے برابر بھی اس کا وزن نہیں ہوگا۔ اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ وزن صرف اشخاص کا ہوگا نہ کہ اعمال کا جیسا کہ بعض علماء کا مذہب ہے لیکن جمہور کا مذہب ہے کہ اعمال کا وزن ہوگا ان اعمال کے صحیفے ہوں گے وہی صحیفے ترازو میں رکھے جائیں گے اس ترازو کے دو پلڑے ہوں گے اسے تمام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تاکہ حق تعالیٰ کے عدل و انصاف کا ظہور ہو اور مجرموں کا عذر ختم ہو جب کہ اللہ تعالیٰ اُن سے سوال فرمائے گا تو وہ اپنے گناہوں کا انکار کریں گے لیکن ان کی زبان اور دوسرے اعضاء گناہوں کی گواہی دیں گے اس کے بعد حضرات انبیاء علیہم السلام اور ملائکہ کرام اور دوسرے گواہ بھی گواہی دیں گے اور اُن کے اعمال اعمال ناموں میں

لکھے ہوں گے جنہیں مجرموں کے سامنے رکھ کر انہی سے پڑھایا جائے گا۔ یہ یوم حساب کے وقت ہو گا۔

حدیث شریف: قیامت کے دن ایک ایسے شخص کو لایا جائے گا جس کے ننانوے اعمالنامے کھولے جائیں گے جنہیں وہ بندہ آنکھوں سے دیکھ رہا ہو گا لیکن ایک ایسا پرچہ نکالا جائے گا جس پر کلمہ شہادت لکھا ہو گا اس کے تمام اعمال ایک پلڑے میں اور دوسرے پلڑے میں وہی کلمہ شہادت کا پرچہ رکھا جائے گا باوجود یکہ وہ پرچہ نہایت ہی چھوٹا ہو گا لیکن دوسرے تمام اعمال سے بوجھل ہو جائے گا۔

فائدہ: حدیث مذکور میں لفظ بطاقۃ واقع ہوا ہے کاغذ کے اس چھوٹے ٹکڑے کو کہا جاتا ہے کہ جو کپڑے کی لپیٹ میں رکھ دیا جاتا ہے اس پر کپڑے کی قیمت لکھتے ہیں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کی حکایت

حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ الٰہ العالمین مجھے ترازو کی اصل صورت دکھلیئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے ترازو کی اصل صورت ظاہر فرمائی۔ دیکھا تو اس کا ایک کونہ مشرق میں اور دوسرا مغرب میں۔ یہ دیکھ کر داؤد علیہ السلام پر غشی طاری ہوئی جب افاقہ ہوا تو عرض کی یا اللہ کس سے اس کے پلڑے کے لئے نیکیاں جمع ہو سکتی ہیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے داؤد علیہ السلام میں جس بندے سے راضی ہو جاؤں تو صرف ایک کھجور کے صدقے سے اس پلڑے کو پُر فرما دونگا۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ترازو کا ایک ستون پچاس ہزار سال کی مسافت کے برابر ہے اس کا ایک پلڑا نوری ہے دوسرا ظلماتی۔ نیکیاں نوری پلڑے میں اور برائیاں ظلماتی پلڑے میں رکھی جائیں گی۔

حکایت: ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے کسی بزرگ کو خواب میں دیکھا۔ میں نے ان سے پوچھا آپ کے ساتھ کیا ہوا انہوں نے فرمایا کہ میری نیکیاں اور برائیاں تولی گئیں میری برائیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا پھر اچانک ایک تھیلی آسمان سے اتری اور میری نیکی کے پلڑے میں رکھ دی گئی۔ اس سے میری نیکی کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ میں نے اس تھیلی کو دیکھا تو اس میں وہ مٹی کا ڈھیلا تھا جو میں نے ایک مسلمان کی قبر پر رکھا تھا۔

حکایت: ایک دوسرے شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے عمل نامے لائے جائیں گے تو اس کی برائیاں بھاری ہو جائیں گی اس کے بعد ایک بادل سا آسمان سے اترے گا جو اس کی نیکیوں کے پلڑے میں بیٹھ جائے گا اس سے اس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا پھر اسے کہا جائے گا تجھے معلوم ہے یہ کیا ہے کہا واللہ علم۔ اسے کہا گیا یہ تیرا علم ہے اس کی برکت سے تیرا کام بن گیا۔ یعنی وہ علم کہ تو لوگوں کو پڑھاتا تھا۔

حکایت: ایک اور شخص کا واقعہ ہے کہ اس کے دونوں پلڑے برابر ہو جائیں گے یعنی نیکیاں اور بدیاں برابر ہو جائیں گی عرض کرے گا یا اللہ اب میرا کیا ہو گا کہ نہ میں بہشتی اور نہ دوزخی۔ اس کے بعد ایک پرچہ اس کی

برائیوں میں اچانک آکر پڑے گا تو اس کی برائیاں بوجھل ہو جائیں گی دیکھا جائے گا تو اس میں وہ جھڑکی ہو گی جو اُس نے اپنے ماں باپ کو کی ہو گی اور یہ گناہ اتنا بوجھل ہے کہ پہاڑ بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس کے بعد حکم ہو گا کہ اسے جہنم میں لے جاؤ۔ بندہ عرض کرے گا مجھے جہنم سے تو انکار نہیں لیکن ایک دفعہ مجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں لے جاؤ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اسے میرے ہاں لے آؤ۔ جب وہ حاضر ہو گا اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے باپ کے بے فرمان تو مجھے کیا کہتا ہے عرض کرے گا یا اللہ مجھے معلوم تھا کہ میرے باپ نے جہنم میں جانا ہے۔ جیسا کہ اس کے اعمال تھے۔ میں نیکیوں پر بھروسہ کرتا تھا کہ میں بہشت میں جاؤں گا لیکن مجھے وہ بہشت دوہرا عذاب محسوس ہوتی جب کہ والد دوزخ میں ہو اس سے میرا ارادہ تھا کہ جہنم میں جا کر اسے چھڑا لوں گا اور جہنم میں جانے کا یہی واحد سبب تھا۔ جو میں نے کیا۔ اللہ تعالیٰ اُس کی اس بات سے خوش ہو کر فرمائے گا کہ دنیا میں تو باپ کا بے فرمان رہا اب آخرت میں اُس کی فرمانبرداری کا دم بھرتا ہے۔ جا میں نے تجھے بخش دیا اور تیرے والد کو بھی۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

طمع ز فیض کرامت مبر کہ خلق کریم
کہ بخشد و بر عاشقاں بخشا ید

ترجمہ: فیض کرامت سے امید منقطع نہ کر۔ وہ بخشتا ہے اور بخشتا بھی عشاق کو ہے

بے حساب و بے کتاب ستر ہزار افراد ایسے ہوں گے جو بغیر حساب و کتاب بہشت میں داخل ہوں گے اُن کے لئے کوئی ترازو نہیں لایا جائے گا۔ اس طرح اہل مصیبت کیلئے بھی کوئی ترازو نہیں رکھا جائے گا ان پر اجر و ثواب موسلا دھار بارش کی طرح برسے گا اس وقت دنیا میں تندرست رہنے والے لوگ آرزو کریں گے کاش ہمارے اجسام کو مقراضوں سے کاٹا جاتا جب کہ وہ بیماری و تکلیف والوں کے اجر و ثواب ملاحظہ کریں گے اس لئے کہ وہ لوگ بہشت کے ایک درخت کے سایہ تلے ہوں گے۔ شجرۃ البلوی نام ہو گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِنَّمَا يُوَفَّى الصَّابِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔

تفسیر صوفیانہ اہل تحقیق فرماتے ہیں کہ توحید رسمی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کی ضد پائی جاتی ہے۔ چنانچہ حدیث سجلات سے معلوم ہوا توحید حقیقی کے لئے ترازو رکھا جائے گا۔ اس لئے کہ اس کا مد مقابل کوئی نہیں اس لئے کہ ایمان و کفر کا اجتماع محال ہے۔ البتہ ایمان اور سیئات کا اجتماع ہوا کرتا ہے اس لئے کہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ افضل الاذکار ہے اور صرف اللہ اللہ سے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ذکر افضل ہے۔ یہی عارفین کا مذہب ہے کیوں کہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ جامع ذکر ہے اس لئے کہ اس میں نفی بھی ہے اور اثبات بھی اور علم و عرفان پر مشتمل ہے جس نے خلق کے عین کی نفی صرف حکماً

کی اور علاً نہیں تو اس نے حق کا اثبات کیا حکماً بھی علاً بھی اور الٰہ جامع جمیع الاسماء ہے اور وہ صرف ایک ہے کسی دوسرے پر اس کے اطلاق کا شائبہ تک نہیں۔ یہی ذات حق کا مسمیٰ ہے کہ جس کے قبضۂ قدرت میں سے اونچا نیچا کرنا۔

فائدہ: حضرت الشیخ الاکبر قدس سرہ الاطہر نے فرمایا کہ میزان صرف سات اعضاء کے اعمال کے لئے ہے اور وہ اعضا سات یہ ہیں (۱) سمع (۲) بصر، (۳) زبان (۴) ہاتھ (۵) پیٹ (۶) فرج (۷) پاؤں۔

فائدہ: اعمال معنویہ کے لئے یہی میزان ظاہری نہیں بلکہ ان کے لئے عدل کا ترازو ہوگا وہ بھی معنوی ترازو ہے اس سے واضح ہوا کہ ظاہری اعمال کے لئے ظاہری ترازو ہوگا اور معنوی اعمال کے لئے معنوی ترازو ہوگا۔ اس لئے کہ ہر شئے اپنی ہمجنس کے بالمقابل ہوتی ہے۔

فائدہ: علمائے کرام فرماتے ہیں کہ حساب کے اختتام کے بعد ہی ترازو رکھا جائے گا اس لئے کہ اعمال کا وزن جزاء کے لئے ہوگا اور وہ محاسبہ کے بعد ہی موزوں ہے کیوں کہ محاسبہ تقریرِ اعمال کے لئے ہوتا ہے اور وزن مقادیر کے اظہار کے لئے۔ تاکہ جزاء اسی کے مطابق دی جائے۔ (کذا فی تفسیر الفاتحہ للفناری)

سبق: ردقال پر لازم ہے کہ وہ خیرات وحسنات وطاعات میں سبقت کرے بالخصوص وہ حسنات جو سب سے افضل واعلیٰ ہوا اور وہ کلمۂ شہادت ہے اس لئے کہ اعمال میں یہی سب سے زیادہ وزنی ہے تاکہ اسے کامیاب لوگوں کے زمرہ میں داخل ہونے کی سعادت نصیب ہو۔

تفسیر عالمانہ ۞ وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ ۔ اور بے شک ہم نے تمہیں زمین پر قدرت بخشی یعنی تمہارے لئے زمین پر مکان وقرار بنایا اور تمہیں اسمیں تصرف کرنے کی قدرت دی کہ جیسے چاہو اسمیں تصرف کرو۔ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ اور تمہاری اس میں وجہ معاش بنائی یعنی اسمیں تمہاری ضروریات ومصلحتوں کے لئے اسباب پیدا کئے تاکہ تم اس میں زندگی بسر کر سکو معاش معیشۃ کی جمع ہے وہ شئے جس سے زندگی بسر کی جائے۔ مثلاً کھانے پینے ودیگر ضروریات کی اشیاء یہ قریش کو خطاب ہے اس لئے کہ انہیں جملہ عرب پر فضیلت تھی پھر وہ گرمیوں میں ملک شام میں اور سردیوں میں ملک یمن میں تجارت کے لئے جاتے انہیں ایسے سفروں میں کسی قسم کا خطرہ نہیں تھا جیسے اور جب چاہتے چلے جاتے۔ انہیں کسی سے کوئی خوف نہ تھا اور لوگ عزت واحترام سے پیش آتے اس لئے کہ حرم شریف سے نسبت رکھتے اور اس کے مجاور تھے۔ لوگ ان کے گرد جمع ہوتے اور وہ تجارت کے کام میں سے اپنے کھانے پینے ودیگر ضروریات پہ کامیاب تھے۔ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ تم میں بہت تھوڑے سے لوگ ہیں جو میری دی ہوئی نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ "تمکین لفظ عام اور جامع ہے اس سے ہر قسم کے اسباب خیر کی تحصیل کی تملیک وتسلیط وقدرت مراد ہو سکتی ہے وہ دینی ہو یا دینوی یا آخروی

اسی طرح کمال استعداد المعرفۃ والمحبۃ اور طلب اور سیر الی اللہ ونیل الوصول والوصال وغیرہ اور یاد رہے کہ اس تمکین کا شرف صرف حضرت انسان کو نصیب ہوا ہے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل وکرم ہے۔ اس وجہ سے وہ مسجود ملائکہ ٹھہرا اور اسی سے اس کی خلافت کا امر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اور وہ نہ صرف حضرت آدم علیہ السلام سے مخصوص ہے بلکہ اس کی اولاد کو بھی یہ دولت عطا ہوئی چنانچہ وَلَقَدْ مَکَّنّٰکُمْ فِی الْاَرْضِ کے عموم سے معلوم ہوتا ہے یعنی اے بنو آدم علیہ السلام ہم نے تمہیں زمین کی خلافت بخشی جو کہ اور کسی دوسرے زمین کے مکینوں کو نصیب نہ ہوئی اور نہ ہی آسمان والوں کو اور صرف تمہیں اس کی معاش سے ہر قسم کی اشیاء بخشیں کہ تمہارے اندر ملکیت حیوانیت شیطانیۃ کے جواہر رکھ دیئے گئے کہ تم ان سے دنیا میں زندگی بسر کرو۔ یا معنیٰ یہ ہے کہ تمہارے لئے انہیں میں وجہ معاش بنائی ہے کہ تم ان چہار عناصر یعنی ملکیت شیطانیہ حیوانیہ وانسانیہ کا مجموعہ ہو۔ اس بنا پر ملکی معیشہ انسان کے روح کو نصیب ہوئی اور حیوانی اس کے بدن اور شیطانی اس کے نفس امارہ کو جب کسی کو یہ تینوں معیشتیں نصیب ہوتی ہیں تو وہ اس ترکیب سے مرتبۂ انسانیت کو پاتا ہے۔ اسی طرح کا مجموعہ نہ ملک کو نصیب ہے نہ کسی دیگر حیوان کو اور نہ شیطان کو اور انسانی مراتب یہ ہیں (۱) قلب (۲) سر (۳) خفی قلب کی معیشت شہود اور سر کی معیشت کشوف اور خفی کی معیشت وصال وصول، "قَلِیْلاً مَّا تَشْکُرُوْنَ" بہت تھوڑے ہیں جو ان نعمتوں کا شکر کرتے ہیں۔ وہ نعمتیں یہ ہیں (۱) نعمۃ التمکین (۲) نعمۃ الانس، ان نعمتوں کو سامنے رکھ کر انہیں بیان کرو اس لئے کہ نعمتوں کو ماننا شکر ہے تو انہیں بیان کرنا بھی شکر ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) ؎

نعمت بے وشکر گذار ندہ اندکیست
گویند سپاس الٰہی زصد یکیست۔۔

ترجمہ: نعمتیں بہت لیکن شکر کرنے والے کتنے ہیں۔ اللہ کا شکر کرنے والا سو میں ایک ہے

قاعدہ جو نعمت کا شکر نہیں کرتا کبھی اس سے وہ نعمت چھین لی جاتی ہے اور اس سے بھی نعمت چھن جاتی ہے جو اس کی قدر نہیں کرتا۔

حکایت مروی ہے کہ کسی نبی علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ بلعم باعورا کو اتنی بڑی نعمتیں اور کرامتیں دیکر اس سے کیوں چھینی گئیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اسے جب سے یہ نعمتیں اور کرامتیں عطا کیں اس نے کبھی کسی ایک دن بھی اس کا شکر ادا نہ کیا۔ اگر وہ ایک دفعہ بھی ان کا شکر ادا کرتا تو کبھی اس سے یہ نعمتیں وکرامتیں نہ چھینتا۔

سبق اے بندۂ خدا غور وفکر کر اللہ تعالیٰ ہر نعمت پر شکر کرنے کی جدوجہد کر بلکہ اُس کی حمد بجالا کہ اُس نے اپنی کرم نوازی سے تجھے اسلام جیسی نعمت سے نوازا۔ مثلاً اپنی تسبیح و تہلیل کی توفیق بخشی اور ایسے غلط کلمہ استعمال کرنے سے بچایا جو اس کی ناراضگی کا موجب بنے۔ یہ بھی اس کا لطف ہے کہ ہم اس کا شکر کریں تو پھر مزید نعمتوں سے نوازتا اور ایسی ذلت سے بچاتا ہے کہ اتنے بڑے عہدے سے نہیں ہٹاتا ورنہ سب سے بڑی ذلت وخواری اس کے لئے سمجھی جاتی ہے جو بہت بڑے اونچے عہدے پر پہنچ کر نیچے گرا دیا جائے بلکہ اس سے وہ عہدہ و مرتبہ چھین لیا جائے اسے کہتے ہیں الاہانۃ بعد الاکرام (عزت دے کر ذلیل کرنا)۔ الطرد بعد التقریب (قربت سے نواز کر دُور ہٹا دینا)۔ "الفراق بعد الوصل" وصال دیکر جُدا کر دینا۔

شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ہے

۱: ندانند کسے قدر روز خوشی
گر روزے افتد بسختی کشی

۲، مکو تکیہ بر دست گاہے کہ ہست
کہ باشد کہ نعمت نماند بدست

۳، بسا اہل دولت ببازی نشست
کہ دولت بر فتش ببازی زدست

۴، فضیحت بود خوشہ اندوختن
پس از خرمن خویشتن سوختن

۵: تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

۶، اگر بندہ کوشش کند بندہ دار
عزیزش بدارد خداوندگار

۷، وگر کند ایست در بندگی
ز جانداری افتد بجز بندگی

ترجمہ ۱: "خوشی کے ایام کی قدر کوئی نہیں جانتا تو ایک دن وہ سختی کھینچنے میں مبتلا ہوگا۔
۲: اس طاقت پر جو تجھے ملی ہے تکیہ نہ کر۔ ہوسکتا ہے تیرے ہاتھ میں یہ نعمت نہ رہے۔
۳، بہت سے دولتمند کھیل کود میں بیٹھے ہی تھے کہ ان کے ہاتھ سے دولت چھین لی گئی۔

باقی صد ۱۳۵ پر

وَلَقَدۡ خَلَقۡنٰكُمۡ ثُمَّ صَوَّرۡنٰكُمۡ ثُمَّ قُلۡنَا لِلۡمَلٰٓئِكَةِ
اسۡجُدُوۡا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوۡۤا اِلَّاۤ اِبۡلِيۡسَ ؕ لَمۡ يَكُنۡ
مِّنَ السّٰجِدِيۡنَ ﴿۱۱﴾ قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسۡجُدَ اِذۡ
اَمَرۡتُكَ ؕ قَالَ اَنَا خَيۡرٌ مِّنۡهُ ۚ خَلَقۡتَنِىۡ مِنۡ نَّارٍ وَّخَلَقۡتَهٗ مِنۡ
طِيۡنٍ ﴿۱۲﴾ قَالَ فَاهۡبِطۡ مِنۡهَا فَمَا يَكُوۡنُ لَكَ اَنۡ تَتَكَبَّرَ فِيۡهَا فَاخۡرُجۡ
اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيۡنَ ﴿۱۳﴾ قَالَ اَنۡظِرۡنِىۡۤ اِلٰى يَوۡمِ يُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ
اِنَّكَ مِنَ الۡمُنۡظَرِيۡنَ ﴿۱۵﴾ قَالَ فَبِمَاۤ اَغۡوَيۡتَنِىۡ لَاَقۡعُدَنَّ لَهُمۡ صِرَاطَكَ
الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۙ ﴿۱۶﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمۡ مِّنۡۢ بَيۡنِ اَيۡدِيۡهِمۡ وَمِنۡ خَلۡفِهِمۡ وَعَنۡ
اَيۡمَانِهِمۡ وَعَنۡ شَمَآئِلِهِمۡ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكۡثَرَهُمۡ شٰكِرِيۡنَ ﴿۱۷﴾ قَالَ اخۡرُجۡ
مِنۡهَا مَذۡءُوۡمًا مَّدۡحُوۡرًا ؕ لَمَنۡ تَبِعَكَ مِنۡهُمۡ لَاَمۡلَئَنَّ جَهَنَّمَ
مِنۡكُمۡ اَجۡمَعِيۡنَ ﴿۱۸﴾ وَيٰۤاٰدَمُ اسۡكُنۡ اَنۡتَ وَزَوۡجُكَ الۡجَـنَّةَ فَكُلَا
مِنۡ حَيۡثُ شِئۡتُمَا وَلَا تَقۡرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوۡنَا مِنَ الظّٰلِمِيۡنَ ﴿۱۹﴾

فَوَسۡوَسَ لَهُمَا الشَّيۡطٰنُ لِيُبۡدِىَ لَهُمَا مَاوٗرِىَ عَنۡهُمَا
مِنۡ سَوۡاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰٮكُمَا رَبُّكُمَا عَنۡ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ
اِلَّاۤ اَنۡ تَكُوۡنَا مَلَكَيۡنِ اَوۡ تَكُوۡنَا مِنَ الۡخٰلِدِيۡنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَاۤ
اِنِّىۡ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيۡنَ ۙ ﴿۲۱﴾ فَدَلّٰٮهُمَا بِغُرُوۡرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا
الشَّجَرَةَ بَدَتۡ لَهُمَا سَوۡاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخۡصِفٰنِ عَلَيۡهِمَا
مِنۡ وَّرَقِ الۡجَـنَّةِ ؕ وَنَادٰٮهُمَا رَبُّهُمَاۤ اَلَمۡ اَنۡهَكُمَا عَنۡ تِلۡكُمَا

الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا
رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ
مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾ قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ
وَلَكُمْ فِى الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾ قَالَ فِيْهَا
تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور بے شک ہم نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہارے نقشے بنائے پھر ہم نے ملائکہ سے فرمایا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب سجدے میں گرے مگر ابلیس یہ سجدہ والوں میں نہ ہوا[11] فرمایا کس چیز نے تجھے روکا تو نے سجدہ نہ کیا۔ جب میں نے تجھے حکم دیا تھا بولا میں اس سے بہتر ہوں تو نے مجھے آگ سے بنایا اور اسے مٹی سے بنایا فرمایا[12] تو یہاں سے اتر جا تجھے نہیں پہنچتا کہ یہاں رہ کر غرور کرے نکل تو ہے ذلت والوں میں[13]۔ بولا مجھے فرصت دے اس دن تک کہ لوگ اٹھائیں جائیں[14] فرمایا تجھے مہلت ہے[15] بولا قسم اس کی کہ تو نے مجھے گمراہ کیا میں ضرور تیرے سیدھا راستہ پر ان کی تاک میں بیٹھوں گا[16] پھر ضرور میں ان کے پاس آؤں گا ان کے آگے اور پیچھے اور داہنے اور بائیں سے اور تو ان سے اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا فرمایا[17] یہاں سے نکل جا رد کیا گیا راندہ ہوا ضرور جو ان میں سے تیرے کہے پر چلا میں تم سب سے جہنم بھر دوں گا اور[18] اے آدم تو اور تیرا جوڑا جنت میں رہو تو اس میں جہاں چاہو کھاؤ اور اس پیڑ کے پاس نہ جانا کہ حد سے بڑھنے والوں میں ہو گے[19] پھر شیطان نے ان کے جی میں خطرہ ڈالا کہ ان پر کھول دے شرم کی چیزیں جو ان سے چھپی تھیں اور بولا تمہیں تمہارے رب نے اس پیڑ سے اسی لئے منع فرمایا ہے کہ کہیں دو فرشتے ہو جاؤ یا ہمیشہ[20] جینے والے اور ان سے قسم کھائی کہ میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں[21] تو اتار لایا انہیں فریب سے پھر جب انہوں نے وہ پیڑ چکھا ان پر ان کی شرم کی چیزیں کھل گئیں اور اپنے بدن پر جنت کے پتے چپٹانے لگے اور انہیں ان کے رب نے فرمایا کیا میں نے تمہیں

بقیہ صہ ۱۳۳

۴ ؛ رسوائی ہے خوشے جمع کرنا اپنی خرمن جلانے کے بعد۔

۵ ؛ سزا سے پہلے معافی کا دروازہ کھٹکا۔ ڈنڈہ برستے وقت فریاد بے سود ہے۔

۶ ؛ اگر بندہ بندوں کی طرح کوشش کرے تو اس سے مالک پیار کرتا ہے۔

۷ ؛ اگر خدمت میں سستی کرے تو عزت سے ذلت میں گر یگا۔

اے اللہ ہمیں ناشکری سے بچا اور ہر گھڑی اور ہر آن ہمیں شکر کرنے کی توفیق عطا فرما۔

اس پیڑ سے منع نہ کیا اور نہ فرمایا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے[۲۲] دونوں نے عرض کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان والوں میں ہوئے[۲۳] فرمایا اترو تم میں ایک دوسرے کا دشمن ہے اور تمہیں زمین میں ایک وقت تک ٹھہرنا اور برتنا ہے[۲۴] فرمایا اسی میں جیوگے اور اسی میں مروگے اور اسی میں اٹھائے جاؤگے۔[۲۵]

تفسیر عالمانہ

[۱۱] وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ۔ اور ہم نے تمہیں پیدا کیا اور تمہاری تصویر بنائی یعنی ہم نے آدم علیہ السلام کو پہلے مٹی سے بلا صورۃ مخصوصہ بنایا۔ اس کے بعد اس کا نقشہ تیار کرکے اس کی صورت بنائی یعنی اس سے آدم علیہ السلام کی مکمل تخلیق مراد ہے گویا یوں کہا گیا کہ پہلے ان کی تخلیق کا ارادہ ہوا پھر اس کی مکمل تخلیق فرمائی یا یہ مراد ہے کہ ان کی اولاد کو زمین پر آباد کیا۔ اگر صرف آدم علیہ السلام مراد ہیں اور ان کی اولاد ان کے ضمن میں مطلوب ہے تو ضمیر کا جمع لانا مجازی ہے ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ پھر ہم نے تمام ملائکہ سے فرمایا اس سے تمام ملائکہ مراد ہیں کہ لفظ عام ہے اور اس کا مخصص بھی کوئی نہیں۔ اِسْجُدُوْا لِاٰدَمَ آدم علیہ السلام کو تحیۃً وتکریم کا سجدہ کرو۔ اس لئے شرعی سجدہ یعنی عبادت کی نیت پر سر زمین پر ٹیکنا۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے فَسَجَدُوْا حکم سنتے ہی بلا جھجک تمام فرشتے سجدے میں گر گئے۔ اِلَّآ اِبْلِيْسَ " لیکن شیطان ابلیس لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ"۔ ان حضرات سے نہ ہوا جنہوں نے آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا ورنہ وہ اللہ تعالیٰ کو تو سجدہ کرتا تھا[۱۲] قَالَ یہ نیا جملہ ہے اور سوال کا جواب ہے گویا پوچھا گیا کہ جب شیطان نے سجدہ نہ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا تو اس کے جواب میں کہا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "مَا" کونسی شے نے مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ تجھے سجدہ کرنے سے روکا۔ لفظ لا لئلا يعلم اهل الكتاب کی طرح صلہ کا ہے۔ وہاں بھی یہی مطلب ہے کہ اہل کتاب کا علم محقق ہو جائے۔ جیسے یہی مطلوب ہے کہ ابلیس کا سجدے سے انکار محقق ہو جائے۔ اِذْ اَمَرْتُكَ جب کہ میں نے تجھے حکم فرمایا۔ قَالَ ابلیس نے کہا اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ مجھے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے اس بات نے روکا ہے کہ میں اس سے افضل ہوں۔ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ تو نے مجھے آگ سے اور اُسے مٹی سے پیدا کیا۔ نار ایک نورانی لطیف جوہر ہے اور طین ظلمانی اور کثیف جسم ہے فلہٰذا نار طین سے افضل ہوئی۔ وہ لعین فضیلت کا دار و مدار مادیہ عنصریہ کو سمجھ بیٹھا۔ تب ہی تو دھوکا کھا گیا۔

۱: ز آدمی ابلیس صورت دید و بس
غافل از معنی شد آں مردود خس

۲: نیست صورت چشم را نیکو بجال
تا ببینی شمع نور جمال

ترجمہ ۱ : ابلیس نے آدمی کا صرف ظاہر دیکھا وہ کیمیۂ معنی سے غافل تھا۔

۲ : بال کی طرح آنکھ لگائے رکھنا اچھا نہیں اس سے ہٹ کر نور جلالی کی شعاعیں دیکھ۔

کسی نے کیا خوب فرمایا ہے

۱ ، صورتِ خاک ارچہ دارد تیرگی دَر تیرگی
نیک بنگر کز رہ معنیٰ صفا اندر صفاست

۲ ، ایں ہمایوں خاک کاندر وصف او صاحب دلی
نکتہ گفتش کہ از وے دیدۂ جانرا جلاست

۳ ، جستن گوگرد احمر عمر ضائع کردنست
روئے بر خاک سیاہ آر کیسر کیمیا ست

ترجمہ ۱ : صورت خاک اگرچہ تاریکی در تاریکی ہے (اندھیرا ہی اندھیرا ہے) اچھی طرح دیکھ اس لئے کہ معنیٰ کا دیکھنا صفائی میں ہی ہے۔

۲ : اس مبارک خاک کے متعلق کسی صاحبِ دل نے نکتہ کہا ہے کہ اس سے دیدۂ ہی دیدۂ جان کو روشنی نصیب ہوتی ہے۔

۳ : گندھک سرخ کی تلاش سراسر عمر ضائع کرنا ہے اسی خاک سیاہ کی طرف توجہ کر یہ کہ سراسر کیمیا ہے۔

مثنوی شریف میں ہے ۔

۱ ، گفت نار از خاک بے شک بہتر است
مَن ز نار اُو ز خاک اکدر ست

۲ ، پس قیاس فرع بر اصلش کنیم
او ز ظلمت مَن ز نُور رَوشنیم

۳ ، گفت حق نے بلکہ لا انساب شُد
زہد و تقویٰ فضل را محراب شد

۴ ، ایں نہ میراثِ جہاں فانیست
کہ بانسابش بیان جانیست

۵ ، بلکہ ایں میراثِ انبیاء ست
وارث ایں جانہا اتقیا ست

۶۔ پور آن بوجہل شد مؤمن عیاں
پور آں نوح نبی از گمرہاں

۷۔ زادۂ خاکی منور شد چو ماہ
زادۂ آتش توئے اے روسیاہ

۸۔ ایں قیاسات و تحری روز ابر
یا بشب مر قبلہ را کردست خبر

۹۔ لیک با خورشید و کعبہ پیش رو
ایں قیاس و ایں تحری را مجو

۱۰۔ کعبہ نادیدہ مکن رو زو متاب
از قیاس واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱: کہا کہ نار خاک سے بہتر ہے میں نار سے ہوں اور وہ میلی کچیلی مٹی سے ہے۔

۲: تو فرع کا اصل پر قیاس کریں گے وہ اندھیرے سے میں روشن نور سے ہوں۔

۳: اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میرا قانون لا انساب (نسب کی کوئی بات نہیں) زہد و تقویٰ فضیلت کی محراب (اصل) ہے۔

۴: یہ میراث جہان فانی کی نہیں اسکی انساب تو روحانی میراث ہے۔

۵: بلکہ یہ انبیاء علیہم السلام کی میراث ہے ایسی جانوں کے وارث متقی ہیں۔

۶: بوجہل کا بیٹا مومن (کامل) ہوا۔ نوح علیہ السلام کا بیٹا گمراہوں میں مل گیا۔

۷: مٹی کا پیدائشی روشن چاند کی طرح ہوگیا۔ آتش کا پیدائشی تو ہے اے سیاہ چہرے والا (لعنتی)۔

۸: یہ قیاسات اور سوچیں ابر کے دن میں ہوتی ہیں یا رات میں کہ اسے قبلہ مجبوراً بنایا گیا۔

۹: لیکن جب سورج سامنے اور کعبہ آگے ہو تو یہ قیاس اور سوچ کی تلاش کیوں۔

۱۰: کعبہ دیکھے بغیر کسی طرف منہ نہ کر ہاں نظر نہ آئے تو قیاس سے منہ نہ پھیر (واللہ اعلم بالصواب)

تفسیر صوفیانہ

حضرت آدم علیہ السلام کی مسجودیت اور سجدہ کرنے والوں پر فضیلت اسی مٹی سے خمیر ہونے کی وجہ سے نہیں تھی۔ اگرچہ ان کا یہ شرف بھی کچھ معمولی نہیں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بلاواسطہ خود اپنے دست قدرت سے بنایا۔ کما قال مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِيَدَيَّ" اور حدیث شریف میں ہے " خمر اللہ طینۃ آدم بیدہ اربعین صباحاً " آدم علیہ السلام کے گارے کو چالیس روز تک

اپنے دستِ اقدس سے گوندھا۔ بلکہ اُن کی یہ خصوصیت وفضیلت، نفخ رُوح سے تھی۔ جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلا واسطہ کما قال تعالیٰ ونفخت فیہ من روحی۔ اور اس خصوصی تجلّی کی وجہ سے تھی جو نفخ روح کے وقت انہیں نصیب ہوئی۔

چنانچہ حدیث شریف میں ہے " ان اللہ خلق آدم فتجلی فیہ۔ بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا فرما کر انہیں اپنی خصوصی تجلّی سے نوازا" یہی وجہ ہے کہ ملائکہ کو ان کے سجدہ کا حکم تخلیق کے بعد نہیں بلکہ نفخ رُوح کے بعد ہوا چنانچہ فرمایا " انی خالق بشرًا من طین فاذا سویتہ ونفخت فیہ من روحی فقعوا لہ ساجدین"

نکتہ: آدم علیہ السلام نفخ روح کے بعد تجلّی حق کے مستعد ہوگئے کیوں کہ رُوح میں بوجہ لطافت و نورانیت تجلّی حق کا استحقاق حاصل تھا۔ پھر وہ مٹی کا ڈھانچہ جس نے فیضِ الٰہی کو قبول کیا اور تجلّی کے وقت اسے اپنے اندر محفوظ رکھا وہ مسجود ملائکہ حق دار ٹھہرا۔ اس وجہ سے وہ حقیقی کعبہ کہلانے کا مستحق ہے اور حقیقی کعبہ ہونے کی وجہ سے ملائکہ کرام نے سجدہ کیا۔

تفسیر عالمانہ

۱۳ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا" فاھبط اے ابلیس اُتر جا منھا بہشت سے۔

سوال: ابھی بہشت کا ذکر نہیں ہوا۔ اور ضمیر اس کے لئے پہلے لائی گئی۔ اس لئے اضمار قبل الذکر لازم آگیا اور وہ ناجائز ہے۔

جواب: اس کے ساکنین کیوجہ سے وہ بہشت مشہور تھی اور کسی کی شہرت پر لمعہود فی الذین کی بنا پر ضمیر لائی جاتی ہے۔

فائدہ: وہ اس وقت جنتِ عدن میں تھے نہ کہ جنت خلد میں اور اسی جنت عدن میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور ابلیس کو یہ امر سزا کے طور ہے جب کہ اس نے حکم الٰہی سے انکار کر کے معصیت کا ارتکاب کیا۔ فما یکون لک تیرے لئے ناروا ہے یا نامناسب یا تیرے شان کے لائق نہیں کہ ان تتکبر فیھا یہ کہ تو بہشت میں تکبر کرے۔

مسئلہ: اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ باہر تکبر جائز ہے بلکہ وہ ہر جگہ ناجائز ہے۔ فاخرج پس نکل جا۔ فاھبط کی تاکید کے طور واقع ہوا ہے۔ انک من الصٰغرین بے شک تو ذلیلوں سے ہے یعنی تو اُن ذلت بھروں سے ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیاء کے نزدیک ذلیل و خوار ہیں صرف تیرے تکبر کی وجہ سے۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شیطان کو اس لئے اپنی درگاہ سے ہٹا کر بہشت سے نکالا کہ اُس نے تکبر کیا نہ کسی دوسری غلطی کی وجہ سے۔

حدیث شریف: جس نے اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع کی اسے اللہ تعالیٰ بلند مرتبہ دے گا اور جو تکبر کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ذلیل و خوار کرے گا۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱ : علتی بدتر ز پندار کمال
نیست اندر جانت اے مغرور ضال

۲ : از دل و دیدہ ات بس خوں رود
ناز تو معجب بیروں رود

۳ : علت ابلیس انا خیر بدست
وین مرض در نفس ہر مخلوق ہست

۴ : گرچہ خود را بس شکستہ بیند او
آب صافی دان و سرگیں زیر جو

۵ : چوں بشوراند ترا در امتحان
آب سرگیں رنگ گردد در زماں

۶ : در تگ جو ہست سرگیں اے فتی
گرچہ جو صافی نماید مر ترا

ترجمہ ۱ : کوئی بیماری پندار (خیالی قیاس سے خود کو اچھا سمجھنا) سے بد۔ اے مغرور اے گمراہ تیری جان میں کوئی بیماری۔

۲ : تیری دل اور آنکھ سے بہت خون جاری ہوگا یہ تیرا ناز و فخر او رعجب خارج ہوجائیگا

۳ : انا خیر (میں بہتر ہوں) کی بیماری ابلیس کو ہوئی اور یہ بیماری مخلوق کے ہر نفس میں ہے۔

۴ : اگرچہ وہ بظاہر خود کو نہایت عاجز ظاہر کرے اور صاف پانی کی طرح صاف ہو لیکن سرگین (گندگی) تو نیچے چھپی ہوئی ہے۔

۵ : امتحان کے وقت تجھ سے ظاہر ہوجائے گی اسی وقت میں وہ سرگین کے پانی سے صاف پانی گدلا ہوجائے گا۔

۶ : نہر کے تہہ میں اے نوجوان سرگین (گندگی) ہے اگرچہ وہ تجھے صاف نظر آتا ہے۔

فائدہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نفس کی شرارتوں سے خون کے آنسو بہاتے تھے۔

حکایت منقول ہے کہ شہر کا قاضی حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہنے لگا کہ تمہاری طرح ہم بھی تو پڑھے ہیں لیکن جتنی تمہارے اندر کشش اور تاثیر ہے ہمارے میں نہیں اس کی کیا وجہ ہے آپ نے فرمایا کہ سیر بھرا خروٹ لے کر ایک برتن میں ڈال کر اپنے گلے میں ڈال دے اور بر سر بازار اعلان

کرتا جا کہ جب مجھے ایک طمانچہ لگے گا میں اسے ایک اخروٹ دوں گا۔ یہاں تک کہ تمام اخروٹ ختم ہو جائیں اسی طرح طمانچے کھاتے جاؤ اور اخروٹ دیتے جاؤ۔ جب تم اس طرح کروگے تو تمہارے اندر بھی ہماری جیسی کشش اور تاثیر پیدا ہو جائے گی۔ قاسمی نے کہا " استغفر اللہ" حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ نے فرمایا یہ تم نے دوسرے گناہ کا ارتکاب کیا اس لئے کہ تجھے تکبر سے بچنے اور خلوص پیدا کرنے کا نسخہ بتاتا ہوں اور تو اس پہ استغفار پڑھتا ہے یہی تو تکبر ہے جو تمہیں ہماری جیسی تاثیر اور کشش پیدا نہیں کرنے دیتا۔

روحانی نسخے: حضرت ابو جعفر بغدادی نے فرمایا چھ خصلتیں چھ آدمیوں سے اچھی نہیں۔

(۱) طمع علماء سے (۲) عجلت امراء سے (۳) بخل اغنیاء سے (۴) تکبر فقراء سے (۵) کینہ پن مشائخ سے (۶) خطرہ ملامت محابین سے۔

سبق: سالک کو توحید کا پابند ہونا لازمی ہے اس لئے کہ وہ سیف براں ہے کہ وہ گندی خصلت کو نفس سے کاٹ کر باہر پھینک دیتی ہے۔ قَالَ شیطان نے کہا جب کہ وہ بارگاہِ حق سے دھتکارا گیا۔ انظرنی مجھے مہلت دیجئے یعنی موت واقع نہ ہو۔ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ اس وقت تک جب کہ لوگ اٹھائے جائیں یعنی آدم علیہ السلام اور انکی اولاد جزاء کے دن اٹھائے جائیں۔ فنا ہونے کے بعد۔ اس سے نفخ صور ثانی مراد ہے اس سے اس ملعون کا یہ ارادہ ہوا کہ آدم اور آدم زادوں کو گمراہ کرنے اور ان سے ایمان کی پونچی چھیننے کا مقصد تھا اور ارادہ کیا کہ وہ موت سے بچ جائے گا۔ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ انکَ من المنظرین ۝ بے شک تجھے مہلت دی گئی یعنی تو منجملہ ان لوگوں کے ہے جن کی عمریں نفخہ اولی تک باقی رکھی جائینگی۔

سوال: شیطان نے مہلت مانگی نفخہ ثانیہ تک۔ تم نے آیت میں نفخہ اولی کی قید کیوں لگائی۔

جواب: ہم نے اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا بلکہ اللہ تعالیٰ المنظرین کو دوسرے مقام پہ "الی یوم الوقت المعلوم" سے تعبیر فرمایا ہے اور بالاتفاق الوقت المعلوم سے نفخہ اولی مراد ہے اس لئے کہ اس دن تمام مخلوق مرمٹے گی۔ اس میں ان کے ساتھ ابلیس بھی مرے گا۔

فائدہ: نفخہ اولی و ثانیہ کے درمیان کا فاصلہ چالیس سال کا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بعض دعا مستجاب ہوتی نہ کہ کل۔

مسئلہ: اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استدراج کے طور کافر کی بعض دعائیں قبول ہو جاتی ہیں اس پہ علماء کا فتوی ہے

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ مِنَ الْمُنْظَرِیْنَ فرمایا حالانکہ اس وقت سوائے ابلیس کے اور کوئی نہ تھا۔ گویا آنے والوں کو مدنظر رکھ کر کہا گیا۔

فائدہ عجیبہ ابلیس زمانہ کی رفتار کے مطابق بوڑھا ہو کر پھر اسے تیس ۳۰ سالہ بنایا جاتا ہے اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ؎

غافلاں از مرگ مہلت خواستند

عاشقاں گفتند نے زود باد

ترجمہ: غافلوں نے موت سے مہلت چاہی لیکن عشاق نے کہا بہت جلد ہو۔

نکات: ابلیس کو مہلت دینے کے چند وجوہ ہیں (۱) وہ گمراہ کرنے پہ زور لگائے اس سے واضح ہو کہ بندوں میں فرمانبردار کون ہے اور نافرمان کون۔ گویا بندوں کی آزمائش کے لئے اسے مہلت دیدی۔

(۲) اسے مہلت دیکر مخلصین کے ثواب میں اضافہ فرمایا تاکہ وہ اس کی شرارت سے بچ کر اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کے مستحق بنیں اور مجرموں کی سزا کا معیار قائم ہو جائے کہ نافرمانی سے یوں سزا ملتی ہے۔

(۳) اسے اس لئے مہلت ملی کہ اس نے لاکھوں سال آسمان و زمین پہ عبادت کی اس کی عبادت کا ثمرہ اسے ابھی مل جائے تاکہ قیامت میں اس کا مطالبہ نہ کر سکے اور معلوم ہو کہ وہ کریم کسی کے عمل ضائع نہیں کرتا۔

(۴) استدراجاً اسے طویل عمر عطا ہوئی کہ اسے معلوم ہو بھی نہیں کہ اس سے اس کا بیڑا غرق ہو رہا ہے کہ قیامت میں تمام اشرار و کفار سے اس کے جرائم کا انبار بڑھا ہوا ہو گا۔

طویل عمر بنانے سے عقل والوں کو عبرت دلانے کے لئے ہے کہ طویل عمر ہونا کچھ اچھا معاملہ نہیں۔ اگر یہ معاملہ اچھا ہوتا تو شرارتیوں کے سردار کو لمبی عمر نصیب نہ ہوتی۔

فائدہ: اسمیں اختلاف ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے بلا واسطہ کلام فرمایا یا کہ فرشتہ کا درمیان میں واسطہ تھا۔ اصح یہی ہے کہ اس وقت اس سے فرشتے کے واسطے سے کلام کیا گیا۔ اس لئے کہ بلا واسطہ کلام کرنا ایک شرافت اور بزرگی اور عزت و احترام پہ دلالت کرتا ہے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے بلا واسطہ کلام ان کی عزت و احترام کی وجہ سے تھا اور یہ مرتبہ صرف حضرت موسیٰ اور حضرت خلیل اور سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو نصیب ہوا اور بس۔

سوال: بذریعہ پیغام اس سے ہمکلام ہونا بھی ایک شرافت ہے حالاں کہ یہ ابلیس کے لئے ثابت ہے جیسے تم نے بھی مانا۔ پھر جیسے پیغام ابلیس وغیرہ کے لئے ثابت ہے اور اس سے شرافت اور بزرگی کا پہلو نہیں نکلتا کلام میں بھی ایسے ہی ہو۔

جواب کسی کی طرف پیغام بھیجنا ہمیشہ شرافت اور بزرگی کی وجہ سے نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام حجت کے لئے بھی ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ فرعون اور ہامان کو میرا فلاں پیغام پہنچا دو تو اس سے

ان کی شرافت کا کیا معنیٰ جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمن تھے۔ بہرحال بلاواسطہ کسی سے ہمکلام ہونا ایک شرافت ہے، جو ابلیس کو نصیب نہ ہوئی۔

سوال: قرآن مجید میں ہے "یوم ینادیھم" یہ ضمیر کفار کی طرف لوٹتی ہے قیامت میں کفار سے ہمکلام ہونا ثابت ہوا۔

جواب: وہاں بھی بالاتفاق یہ ندا ملائکہ کرام کے واسطہ سے ہوگی۔[۱۶] قَالَ کہا ابلیس نے فَبِمَآ اَغْوَیْتَنِیْ پس جس کی وجہ سے تونے مجھے گمراہ کیا۔ یہ بار قسم محذوف فعل سے متعلق ہے اور اغوار بمعنی اضلال (گمراہ کرنا یعنی سیدھی راہ سے ہٹا دیا) اور انہی کی وجہ سے مجھے اپنی رحمت سے محروم کر دیا تو میں تیری عزت کی قسم کھاکر کہتا ہوں لَاَقْعُدَنَّ لَھُمْ میں آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کی تاک میں بیٹھا رہوں گا جیسے راہگیروں کے لئے ڈاکو ڈاکہ مارنے کے لئے راستوں پر تاک میں بیٹھتے ہیں۔ صِرَاطَکَ تیرے سیدھے راستہ پر اَلْمُسْتَقِیْمَ۔ وہ راستہ جو بہشت کی طرف لے جائے۔ اس سے دینِ اسلام مراد ہے اور قعود سے بنو آدم کو گمراہ کرنے میں جدوجہد کرنا مراد ہے اس لئے کہ جو شخص شیطان کی جدوجہد کی وجہ سے گمراہی کے گھاٹ اُترا تو گویا وہ اپنی منزل مقصود سے محروم رہ کر فارغ البال ہو کر بیٹھ گیا۔[۱۷] ثُمَّ لَاٰتِیَنَّھُمْ پھر میں ان کے ہاں آؤں گا۔ مِنْ بَیْنِ اَیْدِیْھِمْ یوم آخرت سے پہلے اور انہیں آخرت کے متعلق شک میں ڈال دوں گا یا ان کے دلوں میں حسد ڈالوں گا اور اس طریقہ سے بہتر بنا کر اُن کے دلوں میں حسد پیش کروں گا کہ وہ اپنے ہم زمان علماء مشائخ پر حسد کرکے اُن کے احوال واعمال واقوال پر طعن زنی کریں گے[۱] وَمِنْ خَلْفِھِمْ اور ان کے پیچھے یعنی از جہت دنیا کہ انہیں دنیوی امور کی رغبت دلاؤنگا یا از جہت تعصب کہ وہ صحابہ تابعین اور سالقہ مشائخ و اولیاء کرام پر طعن وتشنیع کریں گے اور اُن کے بغض میں مبتلا ہوں گے۔ وَعَنْ اَیْمَانِھِمْ اور ان کی دائیں جانب یعنی از جہت حسنات کہ انہیں عجب و ریا میں مبتلا کروں گا یا از جہت انبساط کہ مریدین کو باوجودیکہ مشائخ و علماء و اولیاء کی صحبت میں گزاریں گے لیکن آداب مجلس سے محروم ہونگے کہ ان کی عظمت وہیبت اُن کے دلوں میں اُٹھالوں گا اور ایسا بے باک بنادوں گا کہ وہ ان کے ساتھ بیٹھ کر بلاتکلف کلام کریں گے اور مذاق اور ہنسی اور ٹھٹھہ مخول کرنے سے نہیں رکیں گے۔ اس بنا پر وہ صحبت کے فیوض وبرکات سے محروم ہو جائیں گے۔ وَعَنْ شَمَآئِلِھِمْ اور ان کی بائیں جانب سے یعنی از جہت مخالفت کہ اپنے مشائخ

---

[۱] جیسے عموماً وہابیہ، دیوبندیہ اور اُن کے جملہ فرقوں، شیعہ، خارجی، تبلیغی، احراری، مودودی وغیرہ کا حال اور عادت ہے یا پھر آج کل کے نیچری و طلوع اسلامی ومغرب زدہ۔
۱۲ اُویسی غفرلہٗ۔

وعلماء کے اوامر نواہی کی صریح مخالفت کریں گے۔ اور انہیں ان کی مخالفت پر سمت اکساؤنگا۔ پھر غیرت ولایت کے حملوں سے انہیں تباہ و برباد کرڈالوں گا۔ اگرچہ وہ اُن کے ارشادات کے قبول کرنے کے مدعی ہونگے لیکن ہونگے پکے مخالف۔

فائدہ: ان چہار جہتوں کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ دشمن کا حملہ ہمیشہ انہیں جہات سے ہوتا ہے اس سے شیطان کی سخت جدوجہد کا بیان ہے کہ وہ انسان کو بہکانے اور سیدھے راہ سے ہٹانے میں یونہی جدوجہد کرتا ہے۔ جس طرح سے اس سے بن پڑتا ہے وہ انسان کو راہِ حق سے ہٹا کر جہنم کی طرف لے جانا چاہتا ہے

نکتہ: اس وجہ سے تحت و فوق کا ذکر نہیں کیا گیا کہ دشمن کا حملہ ان دو جہتوں سے ہوتا نہیں اور اگر ہوتا ہے تو بہت کم۔

نکتہ: چار جہتوں میں پہلی دو جہتوں کو "مِنْ" سے بیان کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان دو جہتوں سے شیطان انسان کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اور دوسری دو جہتوں کو لفظ عن سے اس لئے کہ ان دونوں جہتوں سے مجاوزت مطلوب ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے کہ "جَلَسْتُ عَنْ یَمِیْنِہٖ۔ اس سے مقصود یہ ہے کہ میں اس کی جانب یمین سے متجاوز ہو کر بیٹھا گویا اس سے منحرف ہو کر بیٹھنا ہوا۔ اس سے شیطان کے شدید حملہ کی طرف اشارہ ہے۔ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ○ اور تم اُن کے اکثر کو ناشکرا پاؤ گے۔ یعنی اُن کے اکثر مطیع نہیں ہوں گے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ کافر ہے وہ جو اپنے منعم کو پہچانتا۔

فائدہ: شیطان نے یہ بات بطور ظن و تخمینہ کے کی نہ کہ اسے اس کا علم یقینی تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لقد صدق علیہم ابلیس ظنہ اس لئے کہ اولاد آدم کے جب اوصاف سُنے تو ان میں متعدد اوصاف مبداء شرور و فساد تھے۔ مثلاً شہوت، غضب اور دیکھا کہ اسمیں مبداء خیر و فساد ایک ہے یعنی عقل اور اُسے خیال گزرا کہ متعدد کو اکیلے پر غلبہ ہو سکتا ہے بنا بریں وہی کہا جو مذکور ہوا۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہٗ نے فرمایا

ع

۱۔ نہ ابلیس در حق ما طعنہ زد
کہ نیاں نیاید بجز کارِ بد

۲۔ فغان از بدیہا کہ در نفس ماست
کہ ترسم شود ظن ابلیس راست

۳۔ چوں ملعون پسند آمدش قہر ما
خدا ایش بہ انداخت از بہر ما

۴ : کجا سر بر آریم ازیں عار و ننگ
که با او بصلحیم و با حق بجنگ

ترجمہ ۱ : کیا ابلیس نے ہمارے حق میں طعنہ نہیں مارا تھا کہ ان سے سوائے برے کاموں کچھ نہیں آئے گا۔
۲ ۔ نفسوں کی برائیوں سے فریاد ہے کہ کہیں ابلیس کا گمان سچا نہ ہو جائے۔
۳ ۔ چونکہ ملعون کو ہمارے لیئے قہر پسند ہے اسی لئے اسے اللہ تعالیٰ نے ہماری خاطر رتبہ سے گرایا۔
۴ ۔ اس عار و ننگ سے ہم کب سر اونچا کر سکتے ہیں کہ اس دشمن ابلیس کے ساتھ ہمیشہ صلح اور حق تعالیٰ کے ساتھ جنگ۔

۱۸ قال اللہ تعالیٰ نے ابلیس سے فرمایا " اُخْرُجْ مِنْهَا بہشت سے نکل جا درانحالیکہ مَذْءُومًا تو مذموم ذامہ سے ماخوذ ہے بمعنی ذمہ ذام ۔مہموز الفاء اور مضاعف کا ایک معنیٰ ہے دراصل کسی کو سخت عیب دار کرنے کو کہا جاتا ہے۔ مَّدْحُورًا دھتکارا گیا جب کہ اُس نے عیب کیا اور اپنے آپ کو اعلیٰ افضل سمجھا۔
فائدہ : اس سے آنے والی تمام مخلوق کو عبرت حاصل کرنی چاہیے لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ ۔ یہ لام قسم کے لئے اور من شرطیہ ہے اس کا فارسی میں معنی ہوا کہ بخدا کہ ہر کہ در پے تو آید " خدا کی قسم جو بھی تیری تابعداری کریگا ۔ لَأَمْلَأَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْمَعِينَ ۔ میں تمہیں جہنم سے بھر دونگا ۔ یہ قسم کے جواب اور شرط کی جزا کے جواب کے قائم مقام ہے ۔یعنی اے ابلیس میں تجھے اور تیری اولاد سے آدم علیہ السلام کی افراد سے جہنم کو بھروں گا۔

حدیث شریف جہنم اور جنت نے آپس میں جھگڑا کیا۔ دوزخ نے کہا میرے اندر سرکش اور متکبر گے ۔ بہشت نے کہا میرے اندر ضعیف و مسکین ہوں گے ۔ اللہ تعالیٰ نے جہنم سے فرمایا تو میرا عذاب ہے تیرے ذریعہ میں جسے چاہوں عذاب دوں گا اور بہشت سے فرمایا تو میری رحمت ہے تیرے اندر انہیں داخل کروں گا ۔جن پر میرا رحم و کرم ہو گا اور میرا وعدہ ہے کہ میں تم دونوں کو پُر کروں گا۔

فائدہ : شیطان کے تابع وہی لوگ ہوں گے جنہیں چار جہتوں سے شیطان گمراہ کرنے کی قسم کھا چکا ۔ اور وہ اس کے حکم کو مانیں گے ۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ شیطان کی اتباع سے بچ کر اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت میں زندگی کرے تاکہ جہنمیوں کے ساتھ اسے جہنم میں داخل نہ ہونا پڑے ۔

حدیث شریف جب قیامت کا دن ہو گا تو ہر مومن کو ہر دینِ باطل کا ایک فرد دکھایا جائے اسے تجھ پر فدا کر کے جہنم میں داخل کیا گیا ہے ۔

فائدہ : اس حدیث شریف سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اہلِ ایمان سے بہت بڑا لطف وکرم ہے کہ اُن پر اپنے دشمنوں کو فدا کرے گا۔

فائدہ : فدیہ بننے کا کچھ معنی اور ہے وہ یہ کہ جب اللہ تعالیٰ نے دوزخ سے وعدہ کیا کہ تمہیں جنوں اور انسانوں سے پُر کیا جائے گا تو اب جب کہ اسے کافروں مجرموں سے بھردیا تو گویا یہی لوگ اہلِ ایمان کا فدیہ بن گئے۔

فائدہ : اہلِ اسلام جب پُل صراط سے گزریں گے تو جہنم سے بچنے کے لئے کفار کو شعلوں میں جھونکا جائے گا اس معنی پر انہیں اہلِ اسلام کا فدیہ کہا گیا۔

حکایت : ایک بزرگ نے فرمایا کہ میں نے حضرت ابو بکر بن الحسین المقری کو اس رات خواب میں دیکھا جس شب کو ان کا انتقال ہوا میں نے اُن سے پوچھا۔ استاد کیا معاملہ ہوا انہوں نے کہا کہ جس رات میں فوت ہوا اسی رات ابُوالحسن عامری فوت ہوا تو اسے میرا فدیہ بنا یا گیا (ابوالحسن عامری مشہور فلسفی تھا) اور مجھے کہا گیا کہ اسے تیرا فدیہ بنایا گیا ہے۔

حدیث شریف قیامت میں اہلِ اسلام پہاڑوں کی طرح گناہ لائیں اور اللہ تعالیٰ انہیں بخش دے گا اور ان کے گناہ یہود و نصاریٰ کے سر پر رکھ دے گا۔

مسئلہ : اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے یہ کچھ بعید نہیں کہ وہ اپنے فضل وکرم سے اہلِ اسلام پر اہلِ کفر کو فدا فرما دے اور یہ بھی اہلِ معصیت کے ساتھ اس کا عدل اور اہلِ اسلام سے فضل ہے۔ اسمیں معتزلہ کا اختلاف ہے۔ وہ اس مسئلہ میں کہتے ہیں کہ کسی کا گناہ کسی دوسرے پر نہیں رکھا جائے گا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرٰی " اگرچہ اس آیت کا اہلِ سنت کے نزدیک کچھ اور معنی ہے لیکن یاد رہے کہ معتزلہ اس مسئلہ میں قرآن و سنت کے خلاف چلے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وَلَیَحْمِلُنَّ اَثْقَالَھُمْ وَ اَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِھِمْ ۔ یہ آیت مذکورہ بالا مسئلہ کی تائید کرتی ہے اس کا پہلی آیت سے استدلال صحیح نہیں اس لئے کہ جن گناہوں کا بوجھ کفار پر رکھا جائے گا اگرچہ لفظاً غیروں کے ہیں لیکن درحقیقت یہ اُنہیں کے ہیں۔ " وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ وَ اِلَیْہِ الْمَاٰلُ "

۱۹ وَ یٰاٰدَمُ اور ہم نے کہا اے آدم علیہ السلام۔ یہ ارشاد آدم علیہ السلام کو ابلیس کو بہشت سے نکالنے کے بعد ہوا اُسْکُنْ اَنْتَ ، تم ٹھہرے رہو۔ یہ امر اباحت کا ہے۔ آدم کی عزت و تکریم کے لئے فرمایا وَ زَوْجُکَ اور اپنی زوجہ سمیت (یعنی بی بی حوا) زوج کا لفظ اہلِ عرب کے نزدیک اس عددی فرد کو کہا جاتا ہے جس کے ساتھ دوسرا ساتھی ہو اور وہ ان دونوں پر زوجان مستعمل ہوتا ہے۔ (اَلْجَنَّۃَ) بہشت میں۔

فائدہ : اس سے یا تو دارالخلد مُراد ہے، دارالجزا ہے۔ اسی کو اکثر اہلِ علم نے لیا ہے اسپر چند دلائل بھی قائم

کئے ہیں۔ بعض کے نزدیک اس سے وہ جنت مراد ہے جو آسمان میں ہے۔ جس سے یہ حضرات نیچے اُترے تھے اور بہشت جیسے سلسلے اور نعمتیں اور رونق و سرور وغیرہ اسے اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے امتحان کے لئے یہاں زمین پر تیار فرمائی۔ بعض محققین اسی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ان میں چند اہل ظواہر ہیں اور کچھ اہل باطن اُن کی دلیل یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اسی میں ٹھہرا کر حکم فرمایا کہ فلاں درخت سے نہ کھانا۔ یہ حکم تکلیفیہ ہے اور بہشت میں احکام تکلیفیہ کہاں۔ وہاں تو احکام کی خبر ملے گی۔ علاوہ ازیں وہ اس میں نیند کرتے رہے اور پھر نکلے بھاگ گئے اور اس کے اندر ابلیس بھی چلا گیا۔ حالانکہ بہشت میں نیند کیسی اور آدم علیہ السلام کا خروج بعد الدخول کیا اور پھر ابلیس کو جب بہشت سے نکالا گیا تو پھر اس کا داخلہ کیسا۔ چوتھی بات یہ ہے کہ قابیل مدعی تھا کہ میں بہشت کا بچہ ہوں۔ (یعنی میری ولادت بہشت میں ہوئی۔)

حکایت مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو وصال کے وقت بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی آپ کی اولاد میں سے چند لوگ اس کی تلاش کے لئے نکلے۔ راستہ میں انہیں ملائکہ کرام ملے اور پوچھا کہاں کا ارادہ ہے، انہوں نے کہا ہمارے والد ماجد کو بہشت کے انگور کی خواہش ہوئی۔ فرشتوں نے کہا اب تم واپس جاؤ۔ تمہارا کام بن گیا جب وہ واپس لوٹے تو ملائکہ کرام نے آدم علیہ السلام کی روح قبض کرلی۔ انہیں غسل دیا گیا۔ ان کے کفن کو خوشبو لگائی گئی آپ کی نماز جنازہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے پڑھائی۔ آپ کی اولاد نے اُن کے پیچھے پڑھی پھر انہیں دفنایا گیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا قیامت تک تمہارے مُردوں کے لئے یہی طریقہ رہے گا۔

فائدہ: اس روایت سے ثابت ہوا کہ اگر جنت زمین پر نہیں اور اس کا ملنا ناممکن ہے تو پھر اس کی تلاش کیسی۔ معلوم ہوا کہ بہشت زمین پہ ہے نہ کہ آسمان پر۔ پانچویں دلیل یہ ہے کہ دریائے نیل بہشت سے نکلتا ہے اگر وہ زمین پر نہیں تو دریائے نیل کے نکلنے کا کیا مطلب۔ ان دلائل سے ثابت ہوا کہ وہ بہشت زمین کے باغ سے ہے[۵۸]۔ (واللہ اعلم) فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا پس کھاؤ جہاں سے چاہو اور بہشت کی جن نعمتوں اور اور اس کے ثمرات سے جس طرح کھاؤ۔ تمہارے لئے عام اجازت ہے اور وہ بہت بڑی وسعت ہے۔ فَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔ اور اس درخت کے قریب مت جانا۔

فائدہ: اس درخت کے متعلق بھی اختلاف ہے جس کا تفصیلی ذکر سورہ بقرہ میں گزرا ہے اور اسے مبہم رکھنے اور ذکر نہ کرنے میں مصلحت ہے اگر اسے ذکر کیا جاتا تو آدم علیہ السلام کو جس مصلحت کے لئے روکا گیا ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا گیا۔ ہمیں بھی اس کے کھانے سے روکا جاتا جیسے کہ دوسرے امور کا معاملہ ہے اس طرح سے ہمارے لئے تکلیف ہوتی اور اللہ تعالیٰ بندوں کی تکلیف نہیں چاہتا۔ (کذا فی احکام الرحمان) فَتَكُونَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ پس تم دونوں ظالموں سے ہو جاؤ گے۔ یعنی تم بھی منجملہ ان لوگوں سے ہو جاؤ گے جو اپنے نفسوں

---

[۵۸]: ان اقوال کی تردید فقیر کی تفسیر اُویسی میں ہے (۱۲)

پر ظلم کیا کرتے ہیں۔ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطٰنُ ای یہ یدالیہما۔ اہلِ عرب مجموعہ فعل کو کسی کی طرف پہنچانے کا اسے وسیلہ بناتے ہیں۔ دراصل اس خفی کلام کو کہا جاتا ہے جو بار بار شیطان کسی انسان کے دل میں ڈالے تاکہ جو چیز شرعاً بُری ہے وہ اسے اچھی محسوس ہو۔

فائدہ: شیطان نے جب آدم علیہ السلام کو بہشت سے نکلنے کی تدبیر بتائی تو پہلے بی بی حوا اور ان کے سامنے بہت رویا۔ ایسا کہ اُس کے رونے سے دونوں میاں بیوی غمگین وحزیں ہوئے انہوں نے اس سے پوچھا۔ ارے بیچارے تو کیوں روتا ہے اس نے کہا مجھے تمہارا غم لاحق ہوا ہے وہ یہ ہے کہ تم مر جاؤ گے تو ایسے اعزاز واکرام سے محروم ہو جاؤ گے۔ شیطان کی بات اُن کے دل پہ اثر کر گئی۔ اس کے بعد اُن کے پاس آیا اور وسوسہ ڈالا اور کہا "تا آخر" اس کا بیان ابھی آتا ہے لِيُبْدِيَ لَهُمَا تاکہ انہیں ظاہر کر دے یہ لام عاقبت کی ہے اس لئے کہ اس لعین نے اُن کے دل میں اس لئے ڈالا تاکہ اس کا انجام یہ ہو کہ وہ دونوں معصیت میں مبتلا نہ ہوں۔ اس کا ارادہ نہیں تھا کہ اُن کے عورات ظاہر ہوں۔

سوال: جب اس کا ارادہ معصیت میں ڈالنے کا نہ تھا تو اللہ تعالیٰ نے ظہورِ عورات کا نام کیوں لیا۔

جواب: چونکہ معصیت کے بعد انجام یہی ہونا تھا اس لئے بطور تشبیہ اسے بیان فرمایا گیا۔

فائدہ: یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ لام غرض کی ہو اس لئے کہ شرمساری میں مبتلا ہوں وہ اسی طرح ہو سکتا تھا کہ ملائکہ کے سامنے اُن کے ستر کھل جائیں اس لئے کہ ابلیس نے ملائکہ کی کتابیں پڑھی تھیں کہ آدم علیہ السلام کا بھی ستر ہے لیکن خود آدم علیہ السلام کو اپنے ستر سے (بوجہ استغراق وغیرہ) بے خبری تھی۔

مسئلہ: اس سے ثابت ہوا کہ ستر کا کھولنا خلوت میں بھی ناجائز ہے کہ اس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

مسئلہ: اپنی زوجہ کے سامنے بھی بلاضرورت کشفِ عورت قبیح اور ناموزوں ہے۔

حکایت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے زندگی بھر اپنا فرج نہیں دیکھا۔ اس نیت پہ کہ جن آنکھوں نے محبوبِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ اقدس دیکھا پھر نہایت قبیح امر ہے کہ اُن آنکھوں سے فرج کو دیکھوں[1]۔

سبق: جب اپنے فرج کو دیکھنے کے متعلق علماء کرام کا یہ خیال ہے تو پھر غیر کے فرج کو دیکھنے کے متعلق وہ کیا فرمائیں گے۔

مسئلہ: ستر کھولنا سب سے قبیح ترین فعل ہے۔ سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ زندگی بھر نہ میں نے حضور علیہ السلام کا ستر دیکھا اور نہ آپ نے میرا۔ مَا وُرِيَ عَنْهُمَا وہ جو ان دونوں سے چھپایا گیا

---

[1] بعض روایتوں میں یہ واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے لئے منقول ہے ۱۲۔ اُویسی رضوی غفرلہ،

دوریٰ داری کا ماضی مجہول ہے مِنْ سَوْاٰتِهِمَا ان دونوں کے ستر سے وہ نہ ملے۔ اپنا ستر دیکھتے تھے اور نہ ہی ایک دوسرے کا۔ اس لئے کہ انہوں نے کچھ اس طرح کا لباس پہنا ہوا تھا کہ انہیں اندر کے حصے نظر نہیں آتے تھے۔

فائدہ: سَوْاٰت دسُوْءَۃ کی جمع ہے اور اسے سَوْرہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے انسان شرمساری اور رسوائی پاتا ہے۔

سوال: ان دونوں کے لئے جمع صیغہ کیوں۔

جواب ۱: نحوی قاعدہ ہے کہ تثنیہ کا صیغہ تثنیہ کی طرف مضاف نہیں ہوتا اور ایسی اضافت مکروہ ہے بوقت ضرورت مضاف کو جمع کر لایا جاتا ہے۔

جواب ۲: اسے جمع لانا ہی موزوں تھا۔ اس لئے کہ ان دونوں کے دو دو علیحدہ ستر شمار ہوئے مثلاً دُبُر و قُبُل اس طرح سے چار ہوئے اور اس کے لئے صیغہ جمع کا لانا مناسب ہے۔

سوال: انہیں سَوْءَۃ سے کیوں تعبیر کیا جاتا ہے۔

جواب: اُن سے کھلنے سے انسان کو شرمساری اور خجالت ہوتی ہے بنابریں انہیں سَوْءَۃ سے تعبیر کیا گیا۔ وَقَالَ اُس کا عطف اور وسوس پر ہے اور اس کی وضاحت کے لئے شیطان نے کہا۔ مَانَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اور تمہیں اللہ تعالیٰ نے اس درخت کے کھانے سے نہیں روکا۔ اِلَّآ مگر اس لئے کہ اسے نامنظور ہے۔ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ۔ یہ کہ تم دونوں ملائکہ کی طرح ہو جاؤ جسمانیت کے لحاظ سے یا غذا کھانے پینے سے مستغنی ہو جانے سے وغیرہ وغیرہ۔

مسئلہ: ملائکہ کا بعض باتوں میں (مثلاً نہ کھانا نہ پینا) انبیاء کرام پر مطلقاً افضلیت ثابت نہیں ہوتی اس لئے کہ نوع بشر میں بعض دوسرے وجوہ موجود ہیں جو ان کی ملائکہ پر افضلیت کو ترجیح دیتے ہیں اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ میں یہ بھی مراد نہیں کہ اس کی حقیقت بشریہ حقیقت ملکیہ سے تبدیل ہو جائے گی۔ اس لئے کہ ایسا انقلاب محال ہے

فائدہ: سعدی مفتی نے فرمایا کہ اشاعرہ کے نزدیک انقلاب حقیقت جائز ہے۔ اس لئے کہ اجسام ایک دوسرے کے ہمجنس ہیں۔

فائدہ: انسان، ملک، جن کی صورت اور شکل میں ایک دوسرے کے مباین ہیں۔ اگر انسان اس صورت اور شکل پر باقی رہے تو انسان ہے۔ اگر اس شکل و صورت سے اسے تبدیل کیا جائے تو وہ انسان نہیں رہتا فرشتے اور جن تشکلات ظاہرہ کے بدلنے سے اپنی حقیقت سے مختلف نہیں ہو جاتے اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ۔ یا ہمیشہ رہنے والے ہو جاؤ یعنی تمہیں موت نہ آئے اور ہمیشہ بہشت میں رہو ۞ ۲۱ وَقَاسَمَهُمَآ اور اُن کے سامنے

قسمیں کھائیں۔

سوال : قسم تو صرف ابلیس نے کھائی پھر تثنیہ کیوں جب کہ یہ جانبین کے لئے مستعمل ہوتا ہے اس نے قسم کھانے کی ایسی جد و جہد کی گویا اس کی ایک قسم دو کے برابر تھی۔ **اِنِّیْ لَکُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ** بے شک میں تمہارے لئے خیر خواہ ہوں سے ہوں یعنی جو کچھ کہتا ہوں اس میں تمہاری خیر خواہی مطلوب ہے النصح بمعنی بذل المجہود فی طلب الخیر فی حق الغیر۔ دوسرے کی طلب خیر میں جد و جہد کرنا۔ **فَدَلّٰهُمَا** پس درخت سے کچھ کھلانے کیلئے انہیں اوپر سے نیچے اتارا۔ یا بلند مرتبہ سے گرا دیا۔ یعنی اطاعت کے مرتبہ سے گرا کر معصیت کے مرتبہ میں پہنچا دیا اور یہی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا راستہ ہے۔

فائدہ : التدلیہ بمعنی ارسال الشی من الاعلیٰ الی الاسفل کارسل الالو فی البر یعنی شے کو اوپر سے نیچے لٹکانا جیسے ڈول (ڈولکہ) کو کنویں لٹکایا جاتا ہے۔ **بِغُرُوْرٍ** بوجہ اس کی جھوٹی قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر دھوکہ میں ڈالنے کے وہ اس لئے کہ جب آدم علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ قسم کھا کر بات کر رہا ہے تو سمجھے کہ جھوٹی قسم کون کھاتا ہے اس لئے دھوکہ کھا گئے اس لئے کہ مومن کی شان یہی ہے کہ قسم کا اعتبار کرے خواہ جھوٹی ہو۔ اس لئے کہ مومن کے دل میں اللہ تعالیٰ کے نام عظمت ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض علماء کرام کا فرمان ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے دھوکہ کھا جاتے ہیں۔ حدیث شریف میں مومن اچھا اور کریم ہے اور فاجر کم بخت لئیم ہے۔ **فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا**۔ پس جس وقت انہوں نے درخت کو چکھنے کا ارادہ کیا تو انہیں سزا نے گھیرا اور معصیت کی شامت سامنے آ گئی تو ان سے لباس اترنے لگا اور ان کے ستر کھل گئے اس سے دونوں حضرات حیاء میں ڈوب گئے۔

حدیث شریف اخبار میں ہے کہ ان کے ستر کو ان کے سوا اور کسی نے نہ دیکھا۔ آدم علیہ السلام کا لباس جنت میں ان کا لباس ناخنوں کی طرح تھا جو نہایت لطیف اور نرم اور بہت سفید تھا۔ جس سے اصلی بدن پر کسی کی نظر نہ پڑ سکتی تھی۔ جب انہوں نے گندم دانہ کھایا تو وہ تمام لباس اتر گیا صرف ان کے انگلیوں کے سروں پر باقی رہا تاکہ چھنی ہوئی نعمت کی یاد دہانی ہو سکے اور انہیں دیکھ کر ہر وقت نادم ہوتے رہیں۔ بعض کہتے ہیں ان کا لباس نورانی تھا جو ان کے بدن کے اندرونی حصہ کے نظر سے حاجب تھا۔ بعض کے نزدیک بہشت کے لباسوں سے ایک لباس تھا۔ **وَطَفِقَا یَخْصِفٰنِ** اور وہ دونوں ڈھانپنے اور چپاتے تھے ایک پتے کو دوسرے پتے پر **عَلَیْهِمَا** اپنے بدن پر یا اپنے ستر پر۔ اگر سوآتہما یعنی سر مراد ہو تو صفت قلوبکما کے قبیل سے ہو گا۔ یعنی جمع کے صیغے کی طرف تثنیہ کا ارجاع اور وہ جائز ہے جب کہ اس جمع سے تثنیہ کا معنیٰ مراد ہو۔ جس کا قاعدہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں[۱] اور قاعدہ مذکورہ کے علاوہ جب مقصد

---

[۱] : اس کی تفصیل فقیر کی کتاب "نعم الحامی" میں دیکھیئے۔ اویسی غفرلہٗ

ومراد میں التباس نہ ہو تو بھی جمع کی طرف تثنیہ کی ضمیر لوٹانا جائز ہے۔ مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّۃِ بہشت کے پتوں سے بعض کہتے ہیں کہ وہ انجیر کے پتے تھے۔

انجیر کی کہانی بہشت میں آدم وحوا علیہما السلام کو انجیر کے سوا کسی اور درخت نے پتے نہ دیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے فرمایا کہ جیسے تونے آدم وحوا علیہما السلام کو پتے دیئے ہیں ایسے ہی تجھ سے تیرا پھل پہلے نکالوں گا اور دوسرے درختوں کے پھل بعد کو ہوتے ہیں[1]۔ یہی وجہ ہے کہ انجیر کے سوا باقی تمام درختوں کے ثمر پہلے ایک غلاف میں ہوتے ہیں اور جب پکتے ہیں تو ظاہر ہوتے ہیں بخلاف انجیر کے کہ اس کا پھل غلاف کے بغیر ابتداءً ہی ظاہر ہوجاتا ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ ستر کھولنا آدم علیہ السلام کے زمانے سے ہی قبیح ہے کسی شریعت نے اسے جائز نہیں رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ آدم وحوا علیہم السلام ستر کھلتے ہی فوراً پتوں سے ستر ڈھانپنے کے درپے ہوئے کیونکہ اُن کے عقول میں یہ مسئلہ راسخ تھا کہ کشف عورت قبیح ہے۔ وَنَادٰهُمَا رَبُّهُمَآ اُن کے رب نے فرمایا یعنی اُن کے ما منعک کے امر سے یعنی اللہ تعالیٰ نے انہیں زجر و توبیخ (محبت کرتے ہوئے) فرمایا۔ ممکن ہے کہ یہ حکم انہیں بذریعہ وحی پہنچا ہو اگرچہ فرشتے کے ذریعے یا اُن کے دل میں الہام کے طور کہا گیا ہو۔

ف: بعض مفسرین فرماتے ہیں اس دفعہ کی خجالت اُن کے لئے تمام دُکھ اور تکالیف سے سخت تر تھی۔

اَلَمْ اَنْهَكُمَا۔ کیا میں نے تمہیں منع نہ کیا تھا۔ یہ نادٰھُمَا کی تفسیر ہے اور اس کا علیحدہ کوئی اعراب نہیں۔ عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ۔ کیا میں نے تمہیں نہیں فرمانا تھا۔ وَاَقُلْ لَّكُمَا کا اَلَمْ اَنْهَكُمَا پر عطف ہے اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے۔ یہ قول باری تعالیٰ اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا يُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰى کی طرف اشارہ ہے اور لکما فیہ کے معنیٰ سے متعلق ہے۔

آدم علیہ السلام کا زمین پر اُترنا مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے فرمایا کہ اے آدم علیہ السلام کیا بہشت کے دوسرے درخت اس درخت سے بہتر نہیں تھے۔ عرض کی یا اللہ بہتر تھے لیکن مجھے یہ خیال گزرا کہ یہاں کون جھوٹی قسم کھا سکتا ہے۔ جب ابلیس نے قسم کھا کر کہا تو مجھے اعتبار آگیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسا عیش تا قیامت نہیں ملے گا۔ اب زمین پر جاؤ اور کما کر کھاؤ۔ دکھ اور تکلیف سے رزق ملے گا۔ آدم علیہ السلام زمین پر اُترے اور لوہے کے کاروبار اور کھیتی باڑی کے لئے مامور ہوئے۔ آپ نے کھیتی کی اُسے پانی دیا۔ بڑی ہوئی تو اسے کاٹا اور کاٹ کر گاہا اور صاف کرکے پیسا اور چھانا اور آٹا گوندھ کر روٹی پکائی پھر کھائی ۲۳ قَالَا غلطی کا اعتراف اور اظہار توبہ کرکے دونوں نے کہا۔

---

[1] یعنی عام درختوں کو پہلے پھول لگتے ہیں پھر پھل، مگر انجیر کو پہلے پھل پھر پھول۔

رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا ۔ ہم نے اپنے آپ پر ظلم کیا یعنی خطا کرکے اپنے آپ کو ضرر پہنچایا اور بہشت سے
ز انے جانے کا سبب ہم نے خود تیار کیا ۔ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا اور اگر تو ہمیں نہ بخشے یعنی ستر لوشی نہ فرمائے ۔
وَتَرْحَمْنَا اور ہماری توبہ قبول کرکے ہم پر رحم نہ فرمائے ۔ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ تو ضرور ہم ہلاکت والوں
سے ہوں گے ۔ جنہوں نے گھڑی بھر کی لذت کے بدلے آخرت کا بہت بڑا حصہ ضائع کیا ۔

مسئلہ : اس آیت سے معلوم ہوا کہ صغائر پر بھی سزا ہوتی ہے اگر انہیں معاف نہ کیا جائے ۔ ان میں
مغفرت مشکوک ہے یقینی نہیں ۔

تنبیہ : آدم علیہ السلام کا یہ فعل بھی صغائر سے ہے اس لئے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کی ۔
قصداً گندم دانہ نہیں بلکہ شیطان لعین کی جھوٹی قسم پر اعتماد کرکے کھایا تھا کہ اس ملعون نے قسم کھا
کر جھانسا دیا ۔ جس سے اُن کی طبیعت کا میلان ہو گیا ۔ جیسے فطرۃِ انسانی کا تقاضا ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم کے
پیش نظر پھر بھی آپ رک گئے ۔ چند لمحات کے بعد انہیں حکم ربانی یاد نہ رہا اور جو حکم اس درخت کے کھانے سے
مانع تھا وہ زائل ہوا تو میلانِ طبع کے تحت اسے تناول فرما لیا اور یہ کوئی قابلِ گرفت بات نہیں جب کہ نسیان
کی گواہی اللہ تعالیٰ نے خود ہی دی ہے ۔ کما قال فنسی آدم اور اُن کے قصداً کھانے کی نفی فرمائی ہے ۔
قال " ولم نجد لہ عزماً " اور جو فعل نسیان سے کیا جائے وہ عام انسانوں کے لئے بھی گناہ نہیں چہ جائیکہ ایک
پیغمبر علیہ السلام ۔

دوسری تقریر : آدم علیہ السلام نے اجتہاد کے طور گندم دانہ کھایا اور انبیاء علیہم السلام کو اجتہاد
روا ہے جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد مشہور ہے اور وہ اجتہاد یہ تھا کہ " نہی ربانی " مبنی بر تنزیہ ہے ۔
اگرچہ ان کا یہ اجتہاد مبنی برصواب نہیں تھا اور وہ قابل گرفت نہیں جیسے داؤد علیہ السلام کا اجتہاد [۱]

مسئلہ : کھیتی میں مبنی برصواب نہیں تھا اور انہیں کوئی گرفت نہ ہوئی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی بھی
(سلیمان علیہ السلام) کی تعریف فرمائی ۔

تیسری تقریر : آدم علیہ السلام نے ایک خاص درخت کی طرف اشارہ سمجھا ۔ اگرچہ اشارہ خاص درخت
کی جنس تھا ۔ لیکن اس سے اس کے جمیع انواع مراد تھے ۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے
ریشم اور سونا ہاتھ میں لے کر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ دونوں میری اُمت کے مردوں پر حرام اور عورتوں
کے لئے حلال (جائز) ہیں ۔ اس کے اجتہادات قابلِ گرفت نہیں ہوتے ۔ قال اللہ تعالیٰ نے فرمایا ۔ اھبطوا ،

---

[۱] ایسے ہی امیر معاویہ کا اجتہاد جو انہوں نے حضرت علی سے جنگ لڑی ۔ رضی اللہ عنہما ۔ ۱۲ ۔ اویسی غفرلہ ،

اُتر جاؤ۔ یہ خطاب آدم وحوا علیہما السلام اور ان کی اولاد کو یا انہیں اور ابلیس کو ہے بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ تم میں ایک دوسرے کے ہو۔ یہ اهْبِطُوا کے فاعل سے حال ہے۔ یعنی در انحالیکہ تم ایک دوسرے سے دشمنی رکھنے والے ہوگے۔ ابلیس کی عداوت کی عادت ایسے ہے جیسے بچھو کو ڈسنے کی اور بھیڑیے کو بکری وغیرہ پر جھپٹنے کی عادت ہے کہ اسے اس لئے عداوت ہوئی کہ اس کی شان وشوکت آدم علیہ السلام نے چھینی ہیں اسی لئے ابلیس سے عداوت کرنے کا حکم ہے کہ بیٹے پر لازم ہے کہ وہ باپ کے دشمن سے دشمنی رکھے۔ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ اور تمہیں زمین پر ایک وقت ٹھہرنا (مستقر) بمعنی قرار گاہ اور آرام کی جگہ ــ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ۔ ایک وقت تک یعنی جب تمہاری عمریں ختم ہوں گی۔

(ربط) یہ سن کر آدم علیہ السلام مغموم ومحزون ہوئے کہ شاید ان کی بہشت کی طرف واپسی نہ ہو۔ ۲۵ قَالَ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ فِيهَا تَحْيَوْنَ ۔ اسی زمین میں زندہ رہوگے یعنی زندگی بسر کروگے۔ وَفِيهَا تَمُوتُونَ ۔ اور اسی میں تمہاری قبریں ہوں گی۔ یعنی اس میں تم مدفون ہوگے۔ وَمِنْهَا اور اسی سے جزا کے لئے نکالے جاؤگے۔

فائدہ :۔ آیت کے مضمون سے ثابت ہوا کہ آدم علیہ السلام بہشت میں واپس تشریف لائیں گے اور اس میں تسلی بھی دی گئی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے نوازے گا اور ان کے ساتھ بہشت کا وعدہ کریمہ بھی ہے۔

فائدہ عجیبہ : امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو عجائبات سے نوازا کہ وہ ملائکہ کے مسجود ہوئے تو انہیں ان کا مسجود بنایا گیا۔ ان کے سر پر موصل وصال کا تاج شاہانہ رکھا گیا اور ان کے جسم اطہر کو کرامت کا لباس پہنایا گیا اور ان کی کمر میں قربت کا کمر بند باندھا گیا اور ان کے گلے میں قربِ الٰہی کا ہار پہنایا گیا۔ اپنی مخلوق میں اس سے اور کسی کو افضل نہ بنایا اور نہ ہی کوئی ہم پلہ پیدا ہوا نہ ہوگا۔ ہر لحظہ انہیں اللہ تعالیٰ سے تسلی کے لئے ندا آتی "یا آدم یا آدم" لیکن جب لباس اُتارا گیا تو اس سے وہ اُنس اٹھا گیا اور وہ مراتب (وقتی طور) چلے گئے اور زمانہ کا رنگ بدل گیا۔

سبق سالک کو غور کرنا چاہیے کہ جب ایسے ذی شان بزرگ سے صرف ایک سہو (خطا) کے ساتھ کی وجہ سے ایسے ہوا تو اس کا کیا حشر ہوگا جو معمولی انسان ہو کر سر سے پاؤں تک جرائم ومعاصی میں گھرا ہوا ہو۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؂

چہ گونہ دعویٰ وصلت کنم بجانکہ شُد است
م وکیل قضا و دلم ضمان فراق

ترجمہ :۔ کیسے وصال کا دعوی کروں اس جان سے جس کی قضا رکا وکیل اور دل فراق کی ضمانت میں ہے۔

قاعدہ : اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر ہر ایک پر جاری ہوتی ہے نبی علیہ السلام ہو یا ولی کامل ؎

نہ از پردہ تقویٰ پدر اُفتادم و بس
پدرم نیز بہشت ابد از دست بہشت

ترجمہ : پردہ تقویٰ سے ہمارا دادا علیحدہ ہوا میرے باپ نے بھی دائمی بہشت ہاتھ سے گنوادی تھی۔

تفسیر صوفیانہ درحقیقت حضرت آدم علیہ السلام نے محبت کے درخت کا پھل کھایا جس سے محنت کے جال میں گرفتار ہوئے تو انہیں ہجر و فراق کی تلقین کی گئی اور فرمایا کہ چند دنوں کے بعد تمہیں اس دیدار سے نوازا جائے گا پھر سب نے دیکھا کہ تنزلات صوریہ سے انہیں کتنی ترقیات معنویہ نصیب ہوئیں

مقام عیش میسر نمی شود بے رنج
بلیٰ بحکم بلا بستہ اند حکم الست

ترجمہ : عیش کا مقام بلا تکلیف حاصل نہیں ہوتا۔ ہاں بحکم قالوا بلیٰ الست کے حکم کے ہم پابند ہیں۔

فائدہ صوفیانہ شجرۂ علم مجرّد مکاشفہ و مشاہدہ و معائنہ کے بغیر قریب جانے سے منع کیا گیا ہے اس لئے کہ صاحب شجرہ لذات ثمرات الحقیقۃ سے محروم و محجوب کر دیا جاتا ہے اسے چاہیئے کہ ابتداء میں مشاہدہ کے لئے ہمت سے کام لے تاکہ موت سے پہلے ایسے کمال تک پہنچ سکے۔ اگر اچانک موت نے گھیر لیا اور وہ ابھی راستہ میں ہوا۔ جب بھی اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اُسے منزل مقصود تک پہنچادے گا۔ اگرچہ دنیا میں نہ سہی برزخ میں ہی۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ شجر تدبیر کے قریب بھی نہ بھٹکے اس لئے کہ تقدیر نہ غنی کو چھوڑتی ہے اور نہ فقیر کو۔ یہی راز ہے صوفی کی نماز میں۔

صوفی نماز : قیام صلوٰۃ میں تقدیر ازلی کی طرف اشارہ ہے یعنی اپنے جملہ اُمور اللہ تعالیٰ کی طرف سپرد کر دے اور رکوع میں تقدیر ابدی یعنی تسلیم و رضا کی طرف اشارہ ہے اور سجدہ میں فناء کلی کی طرف اس لئے کہ جیسے سالک پر لازم ہے کہ وہ جیسے ان صفات کی عادت ڈالے ایسے ہی پورے طور فنائیت بھی حاصل کرے۔

دوسری آیت کی تفسیر صوفیانہ : اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فِيهَا تَحْيَوْنَ" یعنی محبت و صدق طلب صبر کر کے کشادگی کا دروازہ کھٹکانے اور عبودیت پر ثابت قدم رہنے کی زندگی بسر کرو گے۔ وَفِيهَا تَمُوتُونَ طلب حق میں اقدام طریقت سے شریعت پر مرو گے۔ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ اور اس سے عالم حقیقت کی طرف رجوع کرو گے۔ چنانچہ حضور علیہ السلام

باقی ص ۱۵۶ پر

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ
سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ
خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾
يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ
اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا
لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ
هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا
الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٢٧﴾
وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَاۗءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا
بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ
مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٨﴾ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا
بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ﴿٢٩﴾ فَرِيْقًا هَدٰى وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ
الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ﴿٣٠﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ
عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا
يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾

ترجمہ: "اے آدم کی اولاد بے شک ہم نے تمہاری طرف ایک لباس اتارا کہ تمہاری شرم کی چیزیں

چھپائے اور ایک وہ کہ تمہاری آرائش ہو اور پرہیزگاری کا لباس وہ سب سے بھلا یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے کہ کہیں وہ نصیحت مانیں[۲۶] اے آدم کی اولاد خبردار تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے جیسا تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا اُتروا دیئے اُن کے لباس کہ ان کی شرم کی چیزیں انہیں نظر پڑیں بیشک وہ اور ان کا کنبہ تمہیں وہاں سے دیکھتے ہیں کہ تم انہیں نہیں دیکھتے بے شک ہم نے شیطانوں کو ان کا دوست کیا ہے جو ایمان نہیں لاتے[۲۷] اور جب کوئی بے حیائی کریں تو کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے دادا کو پایا اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا تم فرماؤ[۲۸] بے شک اللہ بے حیائی کا حکم نہیں دیتا کیا اللہ پر وہ لگاتے ہو جس کی تمہیں خبر نہیں تم فرماؤ میرے رب نے انصاف کا حکم دیا ہے اور اپنے منہ سیدھے کرو ہر نماز کے وقت اور اس کی عبادت کرو نرے اس کے بندے ہو کر جیسے اُس نے تمہارا آغاز کیا ویسے ہی پلٹو گے[۲۹] ایک فرقے کو راہ دکھائی اور ایک فرقے کی گمراہی ثابت ہوئی انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو والی بنایا اور سمجھتے یہ ہیں کہ وہ راہ پر ہیں[۳۰] اے آدم کی اولاد اپنی زینت لو جب مسجد میں جاؤ اور کھاؤ اور پیو اور حد سے نہ بڑھو بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں"[۳۱]

تفسیر عالمانہ [۲۶] یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ یہ تمام لوگوں کو خطاب ہے۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ اہلِ عرب کی عادت تھی کہ وہ بیت اللہ شریف کا ننگے ہو کر طواف کرتے تھے اور کہتے کہ ہم وہ کپڑے پہن کر طواف نہیں کرتے۔ جن سے ہم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ چنانچہ یہی آیت اُن جوابی رَد میں نازل ہوئیں۔ قَدْ اَنْزَلْنَا لِبَاسًا۔ اے بنی آدم ہم نے تمہارے سے لباس اُتارا۔ یعنی آسمان سے ایسی بارش نازل فرمائی جو تمہارے لباس کی پیدائش

بقیہ صد ۱۵۴

نے فرمایا "جیسے زندگی بسر کرو گے اسی حال پہ مَرو گے اور جس حال پہ مَرو گے اسی پہ اُٹھو گے۔

۱۔ بکوش خواجہ و از عشق بے نصیب مباش
که بنده را نخرد کس بعیب بے ہنری

۲۔ مرادریں ظلمات آنکہ رہنمائی کرد
دُعائے نیم شبے بود و گریہ سحری

ترجمہ ۱: اے خواجہ کوشش کر عشق سے بے نصیب نہ ہو۔ کوئی بھی اس بندے کو نہیں خریدتا جس میں عیب کے ساتھ بے ہنری ہو۔

۲: میری اس ظلمات میں کس نے رہبری کی وہ دُعائے نیم شب اور سحر کے وقت کی گریہ وزاری۔

کا سبب بنے ۔ جو کچھ بھی زمین سے نکلتا ہے مثلاً کپاس روئی وغیرہ یہ سب آسمان کے پانی سے پیدا ہیں۔
ایسے ہی جانوروں کے بال اور اُون وغیرہ بھی آسمان کے پانی سے ہیں۔ کیونکہ جانور جب تک گھاس وغیرہ
نہ کھائیں پیئں تو اُون وغیرہ کہاں سے آئے ۔ اس سے معلوم ہوا کہ جانوروں کا قوام بھی آسمان کے پانی پر ہے۔
- **فائدہ :** آسمان کے پانی میں قوت فاعلہ ہے اور زمین میں قوت قابلہ اور تمام حوادث ارضیہ آسمان کی طرف
منسوب ہوتے ہیں ۔ اس لئے کہ تمام وہ اشیاء جو زمین سے پیدا ہوتی ہیں تمام کی تمام آسمانی تدبیرات سے
ہوتی ہیں ۔ **یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ** جو تمہارے ستروں کو ڈھانپے ۔
- **فائدہ :** باوجودیکہ ستر ڈھانپنے کا کپڑا بھی موجود ہو تب بھی کوئی اس سے ستر نہ کرے تو قبیح ترین عمل ہے
- **فائدہ :** جیسے شیطان گمراہ کرتا ہے تو اس کی یہی حالت ہوتی ہے جیسے آدم و حوا علیہما السلام سے گیا جیسے ان کا

وَرِیْشًا ط یہ اس قبیل سے ہے کہ جس کا موصوف محذوف کرکے اس کی صفت اس کے قائم مقام کھڑی کر
دی جائے ۔ یعنی دراصل لباس ریشاً تھا ای ذات ریش وزینۃ تجعلون بہ" یعنی ایسا لباس جو پروں وزینت والا ہے
جس سے تم سنگرتے ہو ۔ زینت کو ریش سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ جیسے پرندے کے لئے پر زینت ہیں ایسے ہی لباس
انسان کے لئے بناؤ سنگار ہے ۔ ہم نے تمہارے اُوپر دو لباس نازل کئے ہیں ایک وہ جو تمہارے لئے ستر عورت کرے
دوسرا وہ جو تمہاری زینت بنے ۔ اس لئے کہ لباس سے اصلی غرض زینت ہے ۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے لترکبوھا وزینۃً
- **فائدہ :** حسین کاشفی نے فرمایا کہ " زاہد کی یہی تفسیر ہے کہ وہ لباس روئی وغیرہ کا پہنے ۔ اور ریش ابریشم و
کتان وپشم وغیرہ سے ہوتا ہے ۔ **وَلِبَاسُ التَّقْوٰی** اور اللہ تعالیٰ کے خوف وخشیہ کا لباس ۔ یہ مبتداء
ہے اور ذٰلِکَ خیر خبر ہے وہ اچھا ہے ۔ تقویٰ کو لباس سے اس لئے تشبیہہ دی گئی ہے کہ جیسے لباس انسان
کو چھپاتا ہے اور حفاظت کرتا ہے ۔ ایسے ہی تقویٰ انسان کو ضرر رساں چیزوں سے بچاتا ہے ۔
فوائد ۔ فائدہ : قتادہ وسدی تقویٰ سے عمل صالح مراد ہے اس لئے کہ عمل صالح ہی بندے کو عذاب سے بچاتا ہے
اس سے ثابت ہوا کہ تقویٰ کا لباس اس ظاہری لباس سے بہتر ہے اس لئے کہ فاسق کتنا ہی اچھا لباس پہنے تو
صرف ظاہری ستر ڈھانپنے کا ہے ؎

انی کانی اری من لاحیا لہ
ولا امانۃ وسیط القوم عریانا

ترجمہ : میں حیاء وامانت کے عاری کو قوم کے اندر ننگا دیکھتا ہوں ۔
حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

قلندراں حقیقت بہ نیم جو نخرند
قبائے اطلس آنکس کہ از ہنر عاریست

ترجمہ :

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے " وہ لباس جو تقویٰ کے طور متواضعانہ منکسرانہ لباس پہنتے ہیں جیسے اُونی اور موٹا کپڑا وغیرہ ایسا لباس عبادت کے وقت اللہ والے پہن کر یادِ خدا میں گزارتے ہیں ۔ وہ زرق برق اور نرم و نازک لباس متکبرانہ طور نہیں پہنتے ۔

حدیث شریف : جس کا نرم و نازک لباس ہو تو اس کا دین بھی ضعیف ہے ۔

فائدہ : مروی ہے کہ اُون کا لباس سب سے پہلے حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے پہنا ۔ جب کہ بہشت سے نکالے گئے ۔ عزت و احترام کا لباس اُتر گیا اس سے اُتار لیا گیا ۔ (ہم شیطان کے شر سے پناہ مانگتے ہیں ۔)

فائدہ : حضرت عیسیٰ علیہ السلام اُون کا لباس پہنتے اور درخت کے پتے کھاتے تھے جہاں شام ہوتی وہیں قیام پذیر ہو جاتے ۔

فائدہ : اون اور بالوں کے کپڑے پہننا تواضع کی علامت نہیں البتہ مسکینوں درویشوں سے مشابہت ضرور ہے

سبق : دانا وہ ہے جو نیک بخت لوگوں کی سیرت کو اپنانے کی جد و جہد کرتا ہے ۔ صائب نے فرمایا ؎

جمعے کہ پشت گرم بعشق نیند
ناز سمور و منت سنجاب میکشند

ترجمہ : وہ لوگ جن کی پشت عشق سے گرم نہیں وہی سمور کا ناز اور سنجاب کی منت اٹھاتے ہیں ۔

تفسیر صوفیانہ

انسان کا ہر جز ایک لباس ہے اور ہر جز اپنے ظاہری باطنی ستر کو ڈھانپتا ہے پس شریعت کا لباس احکام شریعت ، ظاہرہ سے افعال قبیحہ کو ڈھانپتا ہے اور باطن میں آداب طریقت سے صفات ذمیمہ نفسانیہ حیوانیہ کا ستر ڈھانپا جاتا ہے تقویٰ قلب کا لباس ہے اسی طرح روح اور سر اور خفی کا لباس بھی ، یہی تقویٰ ہے لیکن ان چاروں کے لباس تقویٰ سے مختلف اطوار ہیں قلب کے لئے تقویٰ کا لباس یہ ہے کہ بندہ طلب میں صداقت کر کے طبع دنیا و مافیہا کے ستر کو ڈھانپے اور روح کا لباس یہ ہے کہ محبت حق سے بغیر مولا کے تعلق کے ستر کو ڈھانپے اور سر کا لباس یہ ہے کہ شہود انواع نقار سے مولیٰ کے دیدار کے ستر کو ڈھانپے اور خفی کا لباس ہویت حق کی بقا سے ہویت خلق کے ستر کو ڈھانپے یعنی تعینات مضمحل اور لاشے ہو جائیں ۔ موجودات سے پندار

کے حجابات ہٹا کر سرلمن الملک کے ساتھ وحدت واحد کے دریچے کو جھانکے سے:

۱۔ ملک ملک اُوست او خود مالکست
غیر ذاتش کل شیئ ھالکست

۲۔ کل شئی ما خلا اللہ باطل
ان فضل اللہ غیم ھاطل

۳۔ ھالک آمد پیش وجہش ہست نیست
ہستی اندر نیستی خود طرفہ ایست

ترجمہ ۱: تمام ملک اسی کی ملک ہے وہی سب کا مالک ہے اس کی ذات کے سوا باقی سب فانی ہیں۔
۲: ہر شئے اللہ کے سوا باطل ہے اور اللہ تعالیٰ کا فضل برسنے والا بادل ہے۔
۳: یہ سب فانی ہیں اس کی وجہ وہی ہے کہ اس کی حقیقت نیست ہے عجیب بات ہے کہ نیستی ہستی کے رنگ میں کیونکر آئی۔

تفسیر عالمانہ ذٰلِكَ لباس کو نازل کرنا مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے آیات سے ہے جو اس کے فضل اور رحمت پر دلالت کرتی ہیں۔ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ۝ تاکہ نصیحت حاصل کرکے اس کی نعمتوں کو پہچانیں کہ پتوں کے پیٹنے کے بجائے لباس سے نوازا یا معنیٰ یہ ہے کہ نصیحت حاصل کرکے قبائح کشف عورۃ کی طرح جمیع قبائح سے بچیں۔

تفسیر صوفیانہ اسرار محمدیہ میں ہے کہ تمام جہان ارواح سے پُر ہے۔ گھر کی کوئی جگہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں روح نہ ہو اسے خدا جانتا ہے کیوں کہ وہ اپنے لشکروں کو آپ جانتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ ہی)

فائدہ: حجۃ الاسلام نے اپنی کتاب معراج السالکین میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام نے تنہائی میں ننگے ہونے سے روکا ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ننگے ہو کر زن وشوہر جماع نہ کریں۔

فائدہ: حضرت حسن وحسین اور عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم پانی میں داخل ہوتے تب بھی سلوار پہن کر تشریف لے جاتے اور فرماتے کہ پانی کے اندر مکینوں سے بھی حیاء آتا ہے۔

حکایت حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے ایک جماعت کو غسل خانے میں ننگے نہاتے دیکھا تو میں نے حدیث پاک کو مدنظر رکھ کر غسل خانے میں ننگے نہانے سے احتراز کیا۔ وہ حدیث پاک یہ ہے وجو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے وہ حمام میں چادر پہنے بغیر داخل نہ ہو۔ اس ارشاد پر میں نے ننگے ہو کر غسل نہ کیا تو اسی رات میں نے کسی کو خواب میں دیکھا کہ وہ مجھے فرما رہا ہے تمہیں مبارک ہو اے احمد بن حنبل۔

تجھے اللہ تعالیٰ نے سنت پر عمل کرنے کی وجہ سے بخش دیا۔ میں نے اس سے پوچھا تو کون ہے انہوں نے فرمایا۔ میں جبریل علیہ السلام ہوں اور تمہیں خوشخبری سناتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو دنیا کا امام بنائے گا۔ تمام مخلوق آپ کی اقتدا کرے گی۔

مسئلہ: لباس پہننے میں ستر عورت کی نیت کرے اور اُن سے عیوب کو چھپانے کے لئے کہ جن کا ڈھانپنا ضروری ہے اور اہل اسلام کی نظروں میں محبت رکھنے کے لئے اور نہ حظ نفس کے لئے۔ اس لئے کہ ایسا لباس تصفیہ قلب اور عقل کو جلا بخشتا ہے اور عقل کی تمام کدورتیں دُھل جاتی ہیں۔ ایسی نیت کرنے سے نفس کی تمام اُمنگیں مٹ جاتی ہیں اور وہ اپنے حظ کو ملیا میٹ سمجھتا ہے پھر ایسی نیت سے ثواب بھی ملتا ہے یہی فرق ہے انسان اور حیوان میں کہ انسان کا ہر عمل نیک نیتی سے ہوتا ہے اور حیوان کی سرے سے نیت ہی نہیں (اور جس انسان کی حالت حیوان سی ہو اُسے صورتاً انسان کہا جاتا ہے لیکن حقیقی انسان کہلانے کا ہرگز مستحق نہیں۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ وہ اپنے عزم کو اتنا بلند کرے کہ اس کے دل میں سوائے حق کے کسی کا گذر تک نہ ہو

تفسیر عالمانہ ۲۷ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا یَفْتِنَنَّكُمُ الشَّیْطٰنُ اے بنی آدم تمہیں شیطان فتنہ میں نہ ڈالے یعنی تمہیں فتنہ و محنت میں نہ واقع کردے بایں طور کہ وہ تمہیں گمراہ کرکے بہشت میں داخل ہونے سے روکے گا۔ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَیْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ جیسے اُس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکالا یہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں ہے۔ لَا یَفْتِنَنَّكُمْ فِتْنَةً مِثْلَ فِتْنَةِ اِخْرَاجِ آدَمَ وَحَوَّاء مِنَ الْجَنَّةِ اس لئے کہ جب وہ آدم و حوا کے ساتھ مکر کرکے گمراہ کرنے پر قدرت پا گیا تو وہ ان کی اولاد کو گمراہ کرنے پر بطریق اولیٰ قدرت رکھتا ہے۔ اس لئے تمہارے لئے واجب ہے کہ تم اس کے وسوسہ سے احتراز کرو۔ اس میں نہی شیطان کی طرف منسوب ہے لیکن مراد عوام ہیں اس لئے کہ انہیں شیطان کی اتباع اور اس کے فتنہ ڈالنے سے روکنا مطلوب ہے۔ یہ عبارت لا تقبلوا فتنۃ الشیطان سے زیادہ بلیغ ہے۔ یَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا یہ مِنْ اَبَوَیْكُمْ سے حال ہے۔ یعنی درانحالیکہ وہ شیطان اُن کے لباس اُتارتا تھا۔

اعجوبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام کا لباس ناخن کی طرح تھا یعنی ناخن کے مشابہ تھا۔ یعنی ان کے جسم پر وہ لباس ناخن کی طرح پیدائشی تھا۔

سوال: شیطان کی طرف لباس اتارنے کا کیا معنی۔ اس لئے کہ اُس نے ان کا لباس نہیں اُتارا تھا بلکہ بحکم خداوندی ملائکہ نے اُتارا تھا۔

جواب: چونکہ لباس اُترنے کا سبب شیطان ہوا اس لئے لباس اتارنے کی نسبت اس کی طرف ہے گئی۔ لِیُرِیَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا۔ تاکہ انہیں ان کا ستر دکھائے اس لئے کہ اس سے پہلے نہ انہوں نے اپنا ستر دیکھا تھا نہ کسی دوسرے نے۔

آدم علیہ السلام کی کہانی مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام طویل القامت تھے ایسے معلوم ہوتے تھے گویا ایک کھجور کا درخت ہے اور آپ کثیر بالوں والے تھے۔ جب آپ سے خطا ظاہری سرزد ہوئی تو آپ کا ستر کھل گیا۔ آپ نے ستر دیکھا تو فوراً بہشت کی طرف دوڑے۔ آگے آپ کو ایک درخت نے اپنے پتوں سے گھیر لیا اور آگے نہ جانے دیا۔ اللہ تعالےٰ نے فرمایا اے آدم مجھ سے بھاگ کر کہاں جاتے ہو۔ آدم علیہ السلام نے عرض کی اے مولا کریم مجھے آپ سے بھاگنے کا ارادہ نہیں بلکہ ستر کھلنے سے حیاء دامنگیر ہوا۔ اِنَّهٗ بے شک شان یہ ہے کہ شیطان " یَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ " تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ یعنی شیطان کا لشکر اور اُس کی اولاد بھی دیکھتی ہے۔ "مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ" یہ من ابتدائیہ ہے جو رویت کی غایت کے لئے ہے اور حَیْثُ، رویت کی نفی کا ظرف مکان ہے یعنی تمہیں شیطان اور اس کی اولاد اس لئے نہیں نظر آتی کہ اُن کے اجسام نہایت باریک اور لطیف ہیں اور چونکہ تمہارے اجسام کثیف ہیں اس لئے وہ تمہیں دیکھتے ہیں۔ جس کا دشمن چھپا ہوا ہو وہ بہت زیادہ خطرناک ہوتا ہے بنا بریں تمہیں اُن سے زیادہ خوف رکھنا چاہیے۔

مثنوی شریف میں ہے ؎

۱؎ از نبی برخواں کہ دیو و قوم او
می برند از حال انسی خفیہ بو

۲؎ از رہے کہ انس ازاں آگاہ نیست
زانکہ محسوس وزیں اشباہ نیست

۳؎ مسلکے دارند از دیدہ دروں
ما ز دز دیہائے ایشاں سرنگوں

۴؎ دمبدم خبط و زیانے مے کنند
صاحب نقب و شگاف زور بند

ترجمہ ۱؎ نبی علیہ السلام سے پڑھ کہ شیطان اور اس کی قوم انسان کے حالات پوشیدہ طور لے جاتے ہیں۔

۲؎ اس راہ سے کہ انسان بے خبر ہے، اس لئے کہ وہ محسوس صورتوں سے تو نہیں ہیں۔

۳؎ وہ راستہ ایسا رکھتے ہیں جو آنکھوں کے اندر ہے یعنی مخفی ہے۔ ہم اُنکی چوری سے پریشان ہیں ۔ ر

۴؎ ہر گھڑی پریشان اور ہمارا نقصان کرتے ہیں یہ صاحب نقب اور طاقتور ہیں۔

فائدہ: ہمارا شیاطین کو نہ دیکھنا اس صورت میں ہے جب کہ وہ اپنی اصلی شکلوں میں ہوں ورنہ اگر وہ متشکل

ہو کر دوسری شکلیں اختیار کرکے نظر آ جائیں تو یہ ناممکن نہیں ۔ مثلاً ہوا کتنی لطیف ہے جب اپنی صورت میں رہتی ہے تو ہمیں نظر نہیں آتی ۔ لیکن جب وہ غبار کی صورت اختیار کرے تو اُسے ہم دیکھ لیتے ہیں ۔

فائدہ : بعض لوگوں سے منقول ہے کہ انہوں نے جنات کو اپنی اصلی صورت میں کُھلم کھلا دیکھا علاوہ ازیں آکام المرجان فی احکام الجان" میں ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اُن کے اجسام کو ظاہر فرمائے اور ہماری آنکھوں کو روشن تر بنادے تو ان کو دیکھ لیں گے ۔ نیز لوں بھی ہے کہ وہ ان کے اجسام کثیف ہو جائیں تب بھی ہم انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں جیسے کہ ہوا اپنی لطافت پر رہے تو ہمیں نظر نہیں آتی لیکن جب وہ کثیف ہو کر غبار بن جائے تو ہم اسے دیکھ لیتے ہیں ۔

فائدہ : جنات کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ناممکن نہیں جیسے ہوا اور ہماری اپنی سانس ہمارے اجسام میں سرایت کر جاتے ہیں یعنی ہماری روح ہمارے اجسام میں ہر وقت اِدھر اُدھر پھر رہی ہے جیسے یہ ممکن ہے تو وہ بھی ایک لطیف اجسام ہیں تو اُن کا داخل ہونا بھی ممکن ہے ۔

حدیث شریف : شیطان آدم میں خون کی طرح پھرتا ہے

انسان سے جنات کے نکالنے کا طریقہ :- اگر کسی کے اندر جن گھس جاتا ہے تو اس کی جن سے جان چھڑانے اور شیطان کے بھگانے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس انسان کے پاؤں پر ایک مضبوط ڈنڈا تین یا چار سو بار یا اس سے کم و بیش زور سے مارا جائے تو یہ مار جن پر پڑے گی جس پر جن کا حملہ ہے اسے محسوس تک نہ ہوگا ۔ ورنہ اگر یہی مار انسان پر پڑتی تو کبھی وہ بچ کر نہ نکلتا فوراً مر جاتا ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے ۔

فائدہ :- جن پتھروں کے اندر بھی شگاف کئے بغیر گھس جاتے ہیں جب کہ اس پتھر میں پہلے سوراخ ہوں ۔ جیسے اس سوراخ دار پتھر میں ہوا داخل ہو جاتی ہے

سوال : اگر یہ عقیدہ مان لیا جائے کہ جن انسان کے اندر گھس جاتا ہے تو دو خرابیاں لازم آتی ہیں ۔

(۱) تداخل الاجسام یعنی ایک جسم کا دوسرے میں داخل ہونا اور یہ اسلامی نظریہ کے خلاف ہے

(۲) جن ناری جسم ہے اگر اس کا انسان میں داخل ہونا مانا جائے تو اس کا جل جانا ماننا پڑے گا ۔ حالانکہ وہ جلتا نہیں ۔ اس سے ثابت ہوا کہ جن انسان میں داخل نہیں ہو سکتا ۔

جواب :- یہ قاعدہ ہے کہ جسم لطیف جسم کثیف کے سوراخوں کے اندر داخل ہو جاتا ہے جیسے ہوا تمام اجسام میں داخل ہو جاتی ہے اس سے کسی نے نہیں کہا کہ ایک چیز میں متعدد جواہر کا اجتماع ہو گیا ۔ یہ اس لئے کہ ان کا اجتماع علے طریق اجاورۃ نہیں ۔ سی علے سبیل الحلول ہے ان کا ہمارے اجسام میں داخل ہونا ایسے ہے جیسے برتن سوراخ دار میں ہوا

کا داخل ہونا ہوتا ہے۔ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ جن نار محرقہ (جلانے والی) نہیں۔ بلکہ ان کی نار سے تخلیق ہے، جیسے آدم کی تخلیق مٹی سے ہے پھر شے کسی سے کے غلبہ کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہوتی ہے ایسے ہی یہاں سے کہ جن نار کے عنصر کا غلبہ ہے اس لئے اس کی طرف وہ منسوب ہے۔

تفسیر صوفیانہ بحر الحقائق میں فرماتے ہیں کہ آیت میں اشارہ ہے کہ وہ تمہیں اس حیثیت بشریت سے دیکھتے ہیں کہ دراصل یہی صفات حیوانیہ کا منشا ہے اور تم انہی صفات حیوانیہ کی وجہ سے ان سے محجوب ہو کر انہیں نہیں دیکھ سکتے ہو اور حیثیت روحانیت کو اس میں دخل نہیں۔ کیونکہ وہ تو علوم اسماء و معرفت سے عبارت ہے بنابریں وہ تمہارے اس مقام کو نہیں دیکھ سکتے بلکہ تم انہیں اس نظر روحانی بلکہ نظر ربانی سے دیکھتے ہو۔ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ نہ دیکھنے کی علت ہے کہ وہ تمہارا ایسا سخت دشمن ہے کہ تمہارا اس کے ضرر سے بچنا مشکل ہے اس لئے کہ جو دشمن ہمیں دیکھ سکتا ہو اور ہم اُسے نہ دیکھ سکیں تو اس کے شر سے بچنا نہایت ہی محال ہوتا ہے۔ ہاں جسے اللہ تعالیٰ کا فضل حمایت کرے وہ ہر طرح سے اس کے شر اور ضرر سے محفوظ ہوتا ہے۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ ہر وقت ایسے دشمن شیطان سے ڈرتا رہے۔

سوال: جسے ہم دیکھ بھی نہیں سکتے پھر ہم اس سے جنگ کیسے کریں اور اس سے بچ بھی کس طرح سکتے ہیں اور ہمیں اس کا حکم بھی دیا جا رہا ہے یہ تکلیف مالایطاق ہے۔

جواب: ہمیں ان کی ذات سے لڑائی اور بچنے کا حکم نہیں بلکہ اُن کے وسوسے کو دور کرنے اور اس کے شر کو قبول نہ کرنے کا حکم ہے کہ جس وقت وہ ہمارے دلوں میں اس طرح کے وسوسے ڈالے تو ہم انکار کر دیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی پناہ میں آ کر اس کے شر سے بچیں۔

نکتہ: سیدنا ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ وہ ہمیں دیکھتا ہے اور ہم اُسے نہیں دیکھ سکتے لیکن ہمارا رب تو اُسے دیکھتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کو نہیں دیکھ سکتا۔ پھر ہم اپنے رب کریم سے استمداد کر کے شیطان کے شر اور مکر سے بچنے کی کوشش کریں اس لئے کہ اس کا مکر اور شر اللہ تعالیٰ کے سامنے بیکار ہے اور نہایت کمزور ہے۔ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ۔ بے شک ہم شیطانوں کو ان کا یار بنایا ہے جو بے ایمان ہیں کہ اُن کے مابین خذلان و غوایت (گمراہی) کی مناسبت پیدا کر دی۔ جس سے وہ ایک دوسرے کے دوست ہو کر بے ایمان لوگ اُن کی گمراہی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اولیاء ولی کی جمع ہے بمعنی پکا دوست اس معنی پر ولی عدو کی نقیض ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "تولاہ" فلاں نے فلاں کو پکا اور گہرا دوست بنایا ہے۔

شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں

حضرت وہب بن منبہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے شیطان ابلیس سے کہا کہ میرے محبوب حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہیں سوالات کا جواب دے۔ شیطان حضور علیہ السلام کی خدمت میں ایک بوڑھے کی شکل میں ایک گٹھڑی لے کر حاضر ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے۔ عرض کی ابلیس ہوں۔ آپ نے فرمایا میرے ہاں کیوں آیا۔ عرض کی مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور جن باتوں کا آپ مجھ سے سوال کریں میں اُن کا جواب دوں۔ آپ نے اس سے ایک سوال کیا جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

ابلیس لعین کے پندرہ۱۵ دشمن اور دس۱۰ دوست

حضور علیہ السلام نے فرمایا میری امت میں تیرے کتنے دشمن ہیں۔ شیطان نے کہا پندرہ۔

(۱) آپ میرے سب سے بڑے دشمن ہیں (۲) امام عادل (۳) غنی متواضع (۴) سچا تاجر (۵) خدا ترس عالم دین۔ (۶) مومن دین کا جاں نثار (۷) مومن رحیم القلب (۸) توبہ کرکے اس پر مضبوط ہونے والا (۹) حرام سے بچنے والا۔ (۱۰) وضو پر مداومت کرنے والا (۱۱) مومن بہت زیادہ صدقہ وخیرات دینے والا (۱۲) حُسنِ خلق (۱۳) لوگوں کو نفع پہنچانے والا (۱۴) قرآن کا حافظ پھر اس کی تلاوت پر مداومت کرنے والا۔ (۱۵) رات کو اُٹھ کر عبادت کرنے والا جب کہ دوسرے لوگ نیند کر رہے ہوں۔

ابلیس کے دس دوست

پھر حضور علیہ السلام نے شیطان ملعون سے پوچھا کہ تیرے دوست کتنے ہیں۔ اُس نے کہا دس۔

(۱) سلطان ظالم (۲) غنی متکبر (۳) تاجر خائن (۴) شرابی (۵) چغلخور (۶) سود خوار (۷) یتیم کا مال کھانے والا (۹) مانع زکوٰۃ (۱۰) ریا کار (۱۰) بڑی بڑی آرزو دل میں لانے والا۔

فائدہ: مذکورہ بالا تقریر سے ثابت ہوا کہ اس کے دوست نہ صرف کفار و مشرکین ہیں بلکہ اہلِ ایمان کے نفاق میں سے بھی بعض اُس کے دوست ہیں (نسال اللہ العنایۃ والتوفیق)

حکایت: منقول ہے کہ ابلیس ملعون نے حضرت یحیٰی بن زکریا علیٰ نبینا وعلیہما السلام کے ہاں حاضر ہو کر عرض کی کہ میں آپ کو کچھ نصیحت کرنا چاہتا ہوں آپ نے فرمایا مجھے تیری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہاں بنو آدم کے متعلق کوئی باتیں بنانی ہیں تو سُنا دے۔ اُس نے کہا بنو آدم ہمارے نزدیک تین قسم ہیں۔ (۱) یہی ہمارے لئے سخت پریشان کن ہیں ہم جتنا ہی ان کے بہکانے کی تدبیریں بناتے ہیں وہ تمام رائیگاں جاتی ہیں۔ وہ لوگ استغفار پڑھنے والے ہیں کہ ہم جب انہیں بہکانے کا پروگرام بناتے ہیں تو وہ استغفار پڑھ کر ہمیں بھگا دیتے ہیں لیکن ہم بھی ان کے گمراہ کرنے سے نا اُمید بھی نہیں ہوتے۔ مگر وہ ہمارے قابو میں نہیں آسکتے۔

(۲) یہ لوگ ہمارے ہاتھوں کے اشارہ پر ہوتے ہیں جیسے بچوں کے ہاتھ میں گیند ہی ہمارے اور ہم اُن کے۔ یعنی وہ لوگ گناہوں میں ہر وقت لگے رہتے ہیں۔
(۳) آپ جیسے معصوم حضرات پر ہمارا کسی قسم کا بس نہیں چل سکتا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے ساتھ تو نے کبھی کوئی ایسا معاملہ کیا ہے کہ جسے تو اپنی کامیابی سمجھتا ہو۔ اس نے کہا آپ کی زندگی میں مجھے آپ پر صرف ایک بار حملہ کرنے کا موقع ملا۔ یحییٰ علیہ السلام نے کہا وہ کب اور کیسے۔ شیطان نے کہا ایک دفعہ آپ کو طعام کی خواہش ہوئی اور آپ نے باوجودیکہ اپنی طبیعت کو روکا۔ لیکن آپ نہ رُک سکے اور خوب پیٹ بھر کر کھایا اس سے مجھے موقع مل گیا تو آپ کو رات کو سُلا دیا۔ آپ رات کی عبادت معمول کے مطابق نہ کر سکے یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اب کے بعد میں کبھی بیسر ہو کر طعام نہیں کھاؤں گا۔ شیطان نے کہا آئندہ میں بھی کبھی کسی کو اپنا راز نہیں بتاؤں گا۔

حکایت: حضرت یحییٰ علیہ السلام سے ایک دفعہ شیطان ابلیس کی اصلی شکل میں ملاقات ہوئی تو حضرت یحییٰ علیہ السلام نے اس سے پوچھا کہ تیرے محبوب ترین کون لوگ ہیں اور مبغوض ترین کون۔ شیطان نے کہا ہمیں محبوب ترین وہ مومن ہیں جو بخیل ہو اور مبغوض ترین وہ فاسق ہے جو سخی ہو۔ یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا وہ کیسے؟ ابلیس نے کہا وہ اس لئے کہ بخیل کو میرے بخل سے حصہ ملا اور فاسق سخی کی سخاوت سے مجھے خطرہ رہتا ہے کہ اس کی سخاوت کو دیکھ کر اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے یہ کہہ کر چل پڑا اور کہہ رہا تھا کہ اگر آپ یحییٰ علیہ السلام نہ ہوتے تو میں آپ کو یہ راز نہ بتاتا۔ (کذا فی احکام المرجان فی احکام الجان)

۲۸ وَاِذَا فَعَلُوْا اور جب کرتے ہیں (کفار قریش) (مکہ) فَاحِشَۃً کسی برائی کو۔ یعنی ایسا فعل جو برائی کی انتہاء کو پہنچا ہوا ہے۔ جیسے بُت پرستی اور ننگا ہو کر طواف کرنا جیسے قریش مکہ ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ جنہیں مذکورہ بالا برائیوں سے رُوکا گیا تو وہ نصیحت گروں کو جواب دیتے گویا وہ انہی افعال قبیحہ کے اچھے ہونے پر حجت کے طور کہتے کہ ان میں قباحت کیسی جب کہ وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا۔ ہم نے ایسے ہی اپنے آباء کو پایا علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ پر افتراء کر کے کہتے کہ (معاذ اللہ) ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے چنانچہ کہا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا اور ان کا ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا ہے۔

سوال: ان کی دو حجتیں ہیں (۱) تقلید الآباء (۲) "امر الہٰی" اللہ تعالیٰ نے ان کی امر الہٰی کی حجت کی تو تردید فرمائی۔ لیکن تقلید الاباء کی کوئی تردید نہیں فرمائی۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: تقلید الاباء درحقیقت ایسی دلیل نہیں جسے صحتِ نقل پر حجت قائم بنایا جا سکے بالخصوص ایسے نقل کے لئے جس کے بطلان پر دیگر دلائل قاطعہ موجود ہوں گویا تقلید الآباء کی حجت ایسی ظاہر البطلان ہے کہ جس کی تردید کی ضرورت ہی نہیں اور دوسری دلیل بھی ان کی ایسی ہی ہے لیکن چونکہ اس کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کرنا ان کا افتراء

تھا۔ بنابریں اس کی تردید میں فرمایا قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ فرمایئے اللہ تعالیٰ برائی کا حکم نہیں فرماتا اس لئے کہ اس کی عادت کریمہ ہے کہ وہ صرف محاسن افعال کا حکم فرماتا ہے اور مکارم خصال کی ترغیب دیتا ہے۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔ کیا اللہ تعالیٰ پر ایسی باتوں کا افترا کرتے ہو جن کا تمہیں خود بھی علم نہیں کہ واقعی اللہ تعالیٰ نے تمہیں حکم دیا ہے یا نہ اس لئے کہ علم کا حصول یا تو ابتداءً اللہ تعالیٰ سے ہو یعنی کسی نبی علیہ السلام کے واسطہ کے بغیر کہ اسے کسی نبی علیہ السلام سے تبلیغ کے ... معلوم نہ ہوا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم ہو اور وہ اس کے منکر تھے کہ انہیں نبی علیہ السلام نے بتایا ہے اس لئے کہ وہ تو ہر نبی علیہ السلام کی نبوت کے منکر تھے دوسرا طریقہ علم کے حصول کا انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے ہوتا ہے اور وہ علی الاطلاق انبیاء علیہم السلام کی نبوت کا انکار کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے ثابت ہوا کہ احکام الٰہی کے حصول کا اُن کے ہاں کوئی طریقہ ہی نہیں تھا۔ اس سے نتیجہ نکلا کہ جو وہ کہتے ہیں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا۔ ان کی یہ بات ایسی کہ جسے وہ خود بھی نہیں جانتے۔ اَتَقُوْلُوْنَ اُن کے مامور بہ کے قول کا تتمہ ہے اور یہ ہمزہ انکار کے لئے ہے کہ جو کچھ تم کہتے ہو اس کا کوئی وجود ہی نہیں اور تمہارا دعویٰ سراسر قبیح ہے

تفسیر صوفیانہ

آیت ہذا میں اشارہ ہے کہ فاحشہ سے دنیا اور طلب دنیا اور اس کے جمع کرنے کی حرص مراد ہے اس لئے کہ تمام فواحش کا سرچشمہ حُبِ دنیا ہے جو کہ ہر برائی کی جڑ اور سردار ہے اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ جب اہلِ غفلت طلبِ دنیا اور اس کی زینت اور اس سے متمتع ہونے میں شیطان کے اکسانے اور اس کی تدبیریں بتانے اور اس کی زینت کے ابھارنے سے واقع ہوئے تو اللہ تعالیٰ کے داعی نے انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف بلایا اور فرمایا دنیا اور اس کی طلب کو چھوڑ دو تو انہوں نے اُس کے جواب میں کہا کہ ہم نے اپنے آباء کو بھی حبِ دُنیا اور اس کی شہوات میں پایا۔ پھر ہم اُن کی تقلید کو کیسے چھوڑ سکتے ہیں علاوہ ازیں ہمیں اللہ تعالیٰ نے کسب حلال کی طلب کا حکم بھی دیا ہے۔ اے پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم انہیں فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ فحشاء یعنی حبِ دنیا اور اس کے جمع کرنے کے حرص کا نہیں بلکہ اس نے تو بقدر ضرورت کسب حلال کا حکم فرمایا کہ جس سے تمہارے بدن کا قوام صحیح رہ سکے اور بقدر ضرورت ضرورت لباس مہیا کر سکو تاکہ حقوق عبادت میں تساہل و تکاہل نہ ہو۔ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ کیا تم اللہ تعالیٰ پر ایسے امور کا افترا کرتے ہو جن کے آفات کو تم نہیں جانتے اور نہ ہی تم ان کے عاقبت کے وبال کو جانتے ہو اور یہ بھی تمہیں معلوم نہیں کہ یہ بھی منجملہ شیطان کے فتنوں سے اور اس کی تزیین و اغوار سے ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ) مثنوی شریف میں ہے ؎

این جہان جیفہ است و مردار رخیص

بر چنیں مردار چوں باشم حریص

ترجمہ: یہ جہان مردار اور نہایت ہی بدبودار مردار ہے تو ہم ایسے مردار کے لئے کیسے حریص بن سکتے ہیں۔

تفسیر عالمانہ ۲۹ قُلْ اَمَرَ رَبِّیْ بِالْقِسْطِ ۔ (فرمائیے اے محبوب کریم صلی اللہ علیہ وسلم کہ میرے رب تعالیٰ نے عدل و انصاف کا حکم فرمایا ہے (ربط) جس امر کی غلط نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے اس کی نفی کے بعد اب مامور بہ کا بیان فرمایا۔ القسط بمعنی عدل ہر وہ درمیانہ امر جو افراط و تفریط سے خالی ہو۔ حدیث شریف میں ہے خَیْرُ الامور اوسطھا۔ امور میں وہ امر بہتر ہوتا ہے جو اوسط ہو ۔

تَوَسَّطْ اِذَا مَاشِئْتَ امرا خانہ

کلا طرفی مقصد الامور ذمیم

ترجمہ:۔ جب تم کسی کام کو کرنا چاہتے ہو تو اس کے درمیانہ کام کو اختیار کرو۔ اس لئے کہ شے کے درمیان کی ہر دونوں طرفین مذموم ہوتی ہیں۔

وَاَقِیْمُوْا وُجُوْهَكُمْ اس کا امر مقدر ہے۔ یعنی قل محذوف ہے۔

سوال: تم نے فعل قل کو مقدر کو کیوں مانا ہے۔

جواب: تاکہ جملہ خبریہ پر جملہ انشائیہ کا عطف ڈالا جائے اب معنیٰ یوں ہوا کہ فرمائیے اب محبوب صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کیجئے (ذا نخا لیکہ تم سیدھے یعنی خلوص قلب سے عبادت کرو۔ عبادت سے منہ نہ موڑو۔ یا یہ معنی ہے کہ تم اپنے چہرے قبلہ کی طرف متوجہ رکھو۔ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ نزدیک ہر نماز کے سجدے کے وقت اس سے ظرف زماں مراد ہے یا ظرف مکاں یعنی سجدہ کے وقت یا سجدہ کے مکان میں، اور مسجد سے سجدہ نماز مراد ہے۔ جزو بول کر کل مراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: کلبی نے فرمایا کہ جب نماز کا وقت ہو جائے اور اس وقت تم مسجد میں ہو تو تم نماز پڑھو یہ نہ کہو کہ ہم اپنی مسجد میں جا کر نماز پڑھیں گے۔

مسئلہ: اگر مسجد میں نہ ہو اور نماز کا وقت ہو جائے تو جونسی مسجد مل جائے اس میں نماز پڑھ لو۔

مسئلہ: نماز کی ادائیگی محلہ کی مسجد میں جامع مسجد سے افضل ہے۔ بشرطیکہ مسجد محلہ میں نماز پڑھانے والا (سُنی) عالم دین ہو۔

مسئلہ: کاروباری لوگ اور دکانداروں کے لئے اس علاقہ کی مسجد محلہ کہلائے گی۔

مسئلہ: حدادی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے فرضی نماز کو باجماعت ادا کرنے کا وجوب ثابت ہوا۔

حدیث شریف حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے نماز کی اذان سُنی اور وہ بلا عذر نماز کے لئے حاضر نہ ہوا تو اس کی نماز کامل نہ ہوئی۔

مسئلہ: اکیلی نماز سے باجماعت نماز کا ستائیس درجے زائد ثواب ہے۔

نکتہ: ایک نماز باجماعت ادا کرنے سے دن رات کی نمازوں کا ثواب مِل جاتا ہے اس لئے کہ دن اور رات کی جملہ فرضی نمازیں سترہ اور سنتیں دس رکعتیں ہیں اُن کا مجموعہ ستائیس ہوتا ہے۔

مسئلہ: فرائض و تراویح کو مسجد میں باجماعت ادا کرنا انہیں گھر پہ ادا کرنے سے افضل ہے کذا قال العلماء

نکتہ: اس لئے کہ مسجد میں نماز ادا کرنا شعائر اسلام سے ہے۔ جیسے گھر پہ اکیلے نماز پڑھنے والے کی بہ نسبت گھر پہ باجماعت نماز پڑھنے کا زیادہ ثواب ہے۔ وَادْعُوْهُ۔ اور اللّٰہ تعالیٰ کو پکارو یعنی عبادت کرو۔

قاعدہ: دعا بمعنی عبادۃ اطلاق الخاص علی العام کے قبیل سے ہے[1] اس لئے دُعا بھی ایک عبادۃ ہے۔ اس لئے کہ دُعا کے وقت فقیری و مسکینی کا اظہار ہوتا ہے اور عبادۃ بھی اس اظہار فخر و فقر اور مسکینی کو کہتے ہیں بلکہ دُعا کا جوہر یہ خضوع و خشوع ہے[2] مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ط اس لئے دین یعنی اطاعت کو اخلاص کے ساتھ ادا کرنے والے ہو کر۔ اس لئے کہ تم سب کا رجوع آخرت کی طرف ہے ؎

فردا کہ پیش گاہِ حقیقت شود پدید

شرمندہ رہروئے کہ عمل بر مجاز کرد

ترجمہ: کل قیامت میں حقیقت کے سامنے شرمسار ہوگا وہ راہرو جس نے مجاز کے مطابق عمل کیا ہوگا۔

كَمَا بَدَاَكُمْ: جیسے تمہاری ابتداء کی ہے یعنی تمہیں ابتداءً پیدا فرمایا تَعُوْدُوْنَ ٥ تم اسی کے بولانے پر اسی کی طرف لوٹو گے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کی تمہیں جزا دے گا اور کاف محل نصب میں ہے اور وہ مصدر محذوف کی صفت ہے اصل عبارت یوں تھی۔ تَعُوْدُوْنَ عُوْدًا مِثْلَ مَا بَدَاَكُمْ اور بداء ہمزہ کے ساتھ بمعنی انشاء واختراع۔

سوال: انشاء (پیدا کرنے) کو بداً سے کیوں تعبیر کیا ہے۔

جواب: تاکہ معلوم ہو کہ یہ فعل ممکن اور اللّٰہ تعالیٰ کی قدرت میں ہے یعنی اپنے لوٹنے کو اپنی پہلی پیدائش پر قیاس کر کے قیامت میں لوٹنے کا انکار نہ کرو اس لئے کہ جو ذات ابتدائی تخلیق پر قدرت رکھتی ہے اسے لوٹانے کی بھی طاقت و قدرت ہے اسے تمہاری تخلیق سے تمہارا لوٹانا کوئی مشکل نہیں فَرِيْقًا ما بعد کی وجہ سے منصوب ہے هَدٰى ایک گروہ کو ہدایت دی بایں طور کہ انہیں ایمان کی ہدایت بخشی وَفَرِيْقًا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے۔ پھر معنوی لحاظ سے فعل ما بعد اس فعل مقدر کی تفسیر کرتا ہے اور وہ فعل مقدر کا اصل ہے اب معنی یوں ہوا کہ اصل فریقاً ایک گروہ کو گمراہ کیا۔ حَقَّ عَلَيْهِمُ۔ ان کے لئے لائق ہو گئی۔ الضَّلٰلَةُ گمراہی تقضائے سابق

---

[1] لیکن اس قاعدے سے وہابیوں، دیوبندیوں، مودودیوں وغیرہم کو انکار ہے ۱۲۔ اُویسی غفرلہ،

[2] اس لئے حدیث شریف میں ہے " الدعا مخ العبادۃ (دعا عبادت کا مغز ہے) ۱۲، اُویسی غفرلہ،

پر جو کہ مشیت کے تابع ہے اور اس میں بے انتہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۔ بے شک انہوں نے شیطانوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا دوست بنایا۔ یہ ما قبل کی علت ہے یعنی وہ گمراہ اسلئے ہوئے کہ انہوں نے شیطان کو دوست بنایا اور اُن کی دعوت کو بلا تامل قبول کر لیا اور حق و باطل کی تمیز نہ کر سکے۔

مسئلہ : اگرچہ ہدایت و گمراہی کی تخلیق اللہ تعالیٰ کرتا ہے لیکن اس وقت جب کہ بندہ ہدایت و گمراہی کے آمادہ ہو کر اس کے حصول کی سعی کرتا ہے۔ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

مسئلہ : اس سے معلوم ہوا کہ خطا سے کفر کرنے والا اور ضد میں عمداً کفر کرنے والا ہر دونوں برابر ہیں اس لئے کہ خطاءً کفر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ نے مذمت فرمائی ہے کہ اس کا گمان ہے کہ وہ جس دین پہ ہے وہ حق ہے اِس بناء پر گمراہی اس کے دل میں راسخ ہے اس لئے کہ یہ بھی معاند و جاحد کے حکم میں ہے۔

مسئلہ : اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ دین میں صرف گمان اور خیالی ارادہ بیکار ہے جب تک کہ اس پر یقین اور جزم نہ ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کی مذمت، اُن کے گمان کی وجہ سے کی ہے۔ کما قال ویحسبون انهم مهتدون۔ کیوں کہ اگر محض گمان مفید ہوتا تو اللہ تعالیٰ اُن کی مذمت نہ کرتا۔

سبق : دانا پر لازم ہے کہ یقین اور تحقیق حاصل کرے محض تقلید اور اصحابِ تحقیق کی تقلید میں گرفتار نہ رہے اس لئے کہ عقائد میں تقلید معتبر نہیں بلکہ مسائل میں تقلید ضروری ہے اس لئے کہ حال و مقام کا مرتبہ عرفان سے معلوم ہوتا ہے۔ صائب نے خوب فرمایا ؎

واقف نمے شوند کہ گم کردہ اند راہ
تا رہروان بہ رہنمائی نے رسند

ترجمہ : آگاہ نہیں ہوتے کہ وہ راہ گم کر چکے ہیں۔ ایسے گمراہ کہ اب راہ بتانے والوں سے بھی رہنمائی نہیں لیتے (تاکہ منزل تک پہنچ سکیں۔)

تفسیر صوفیانہ تقلید باطل اور شک و ریاء اور حُبِ دنیا و حبِ خلق سب کی سب اللہ تعالیٰ کے ہاں مذموم ہیں اور انہیں کسی قسم کا فائدہ نہیں۔

حکایت حضرت ذوالنون مصری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں ایک پہاڑ کے قریب سے گزرا تو دیکھا کہ ایک بندۂ خدا نماز پڑھ رہا ہے اور اس کے گرداگرد درندے گھوم رہے ہیں۔ گویا اس کا پہرہ دے رہے تھے۔ جب مجھے دیکھا تو وہ درندے بھاگ گئے اور اس بندۂ خدا نے نماز مختصر کر کے مجھے فرمایا

اے ابوالفیض اگر تم طلبِ حق میں خلوص کرو تو یہ درندے بھی تمہارے غلام ہیں اور پہاڑ بھی تیرے حکم کے پابند۔ میں نے کہا۔ خلوصِ قلب کا کیا معنیٰ۔ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی غیر کا تصور تک نہ ہو۔ میں نے پوچھا۔ وہ کس طرح حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس نے فرمایا کہ حب خلق کو دل سے نکال دو۔ جیسے شرک کو دل میں جگہ نہیں ایسے حبِ خلق کو جگہ نہ دو۔ میں نے کہا یہ تو ہمارے لئے مشکل ہے۔ انہوں نے فرمایا عارفین کیلئے یہ معمولی بات ہے۔

سبق : جب عام مخلوق کی دوستی کا یہ حال ہے تو پھر سوچیئے کہ شیطان کی دوستی کا کیا حال ہوگا۔ یاد رہے کہ جیسے شیطان سے دوستی اچھی نہیں ایسے ہی شیاطین الانس کی یاری و دوستی بھی نہایت ناموزوں ہے

سبق : سالک کے لئے حُبِ الٰہی ضروری ہے وہ بڑا بدبخت ہے جو اللہ تعالیٰ کی دوستی کا دم بھرتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ماسویٰ اللہ کی دوستی کو مِن دُونِ اللہ سے تعبیر کرکے اس کی مذمت فرمائی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ ہمارے قلوب کو ہدایت کا راہ دکھانے کے بعد ٹیڑھا نہ بنائے بلکہ اپنی محبت کا وافر حصہ نصیب فرمائے اور ہمیں اپنی طاعت و عبادت کا راہ عنایت فرمائے۔ (آمین)

تفسیر عالمانہ ۳۱ یٰبَنِیۡۤ اٰدَمَ خُذُوۡا زِیۡنَتَکُمۡ عِنۡدَ کُلِّ مَسۡجِدٍ اے آدم زادو ہر نماز کے وقت اپنی زینت لو۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ اگرچہ زینۃ بمعنی ما یتزین بہ ہے یعنی ہر وہ لباس فاخرہ کہ جس سے زینت حاصل کی جائے۔ لیکن یہاں پر بالاتفاق وہ کپڑے مراد ہیں جن سے ستر ڈھانپا جاتا ہے جیسا کہ اس کا شانِ نزول بتاتا ہے۔

شانِ نزول جاہلیت کے دور میں عرب کے چند قبیلے کعبہ معظمہ کا طواف ننگے ہوکر کرتے تھے اور کہتے کہ ہم ان کپڑوں سے کیسے طواف کریں جن میں ہم گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اُن کے مرد دن کو اور عورتیں رات کو طواف کرتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا کہ وہ کپڑے پہن کر اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور عبادت ننگے ہوکر نہ کریں۔ طواف ہو یا نماز۔ ان کی عادت تھی کہ طواف کے لئے جب حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر کعبہ معظمہ کے باہر رکھ لیتے اور پھر طواف کرتے۔

فائدہ : تفسیر حدادی میں ہے کہ ان کی عادت تھی کہ جب وہ منیٰ میں حاضر ہوتے تو کپڑے اُتار کر سامان میں رکھ دیتے اور پھر ننگے طواف وغیرہ کرتے۔ اگر کسی کے بدن پر کپڑے ہوتے تو اُسے مارتے اور اس کے کپڑے اتار لیتے تھے اور عورتیں رات کے وقت تمام کپڑے اتار لیتی تھیں۔ صرف ایک لنگوٹا زانوؤں تک باندھتی تھیں جس سے وہ اپنا ستر پورے طور سے بھی ڈھانپتی تھیں۔

مسئلہ : یہی آیت اصل ہے اس مسئلہ کی کہ نماز میں سترِ عورت واجب ہے اب آیت کا معنیٰ یہ ہوا کہ نماز

یا طواف کے وقت اپنے ستر عورت کے لئے کپڑے لے لو۔

مسئلہ: شیخ الاسلام خواہر زادہ نے فرمایا کہ اس سے معلوم ہوا کہ نماز یا طواف کے وقت بہترین کپڑے پہننا مستحب ہے اس لئے کہ زینت سے مُراد لباس ہے مسبب بول کر سبب مُراد لیا گیا ہے۔

مسئلہ: خلاصہ یہ کہ نماز میں مطلق اور بہترین لباس پہننا مسنون ہے۔

امام ابو حنیفہ کی کہانی سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز کے لئے ایک مخصوص لباس تیار کرایا تھا وہ لباس یہ تھا۔ (۱) قمیص (۲) عمامہ (۳) چادر (۴) سلوار۔ اس زمانہ میں ان کی مجموعی قیمت ڈیڑھ ہزار درہم تھی اور وہ اسے دن رات پہنتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ کو لباس فاخرہ سے ملنا لوگوں کے ملنے سے اولیٰ ہے۔

مسئلہ: فقہاء کرام نے فرمایا اگرچہ اندھیری رات ہو تب بھی نماز کے لئے لباس واجب ہے اس لئے کہ ستر عورت صرف حقوق الخلق سے نہیں۔ بلکہ یہ حقوق الصلوٰۃ سے بھی ہے۔

تفسیر صوفیانہ تفسیر فارسی میں ہے کہ ظاہری لباس شریعت میں نماز کے لئے اور طریقت میں راز کے لئے حضور قلب ضروری ہے ؎

ذوقِ طاعت بے حضورِ دل نیابد ہیچکس
طالبِ حق را دل حاضر بریں درگاہ بس

ترجمہ: حضور دل کے سوا کسی کو بھی طاعت کا ذوق نصیب نہ ہوگا طالبِ حق کو اس درگاہ میں دل حاضر رکھنا ضروری ہے۔

تفسیر عالمانہ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا۔ اطعمہ واشربہ میں سے جو دِل چاہے کھاؤ اور پیو۔

شانِ نزول: مروی ہے کہ بنو عامر ایام حج میں معمولی طور کھاتے اور گھی والی غذا سے تو بالکل پرہیز کرتے اس سے وہ سمجھتے کہ اس طرح سے وہ حج کی عزت، وعظمت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ بعض لوگوں کا اسلام قبول کرنے کے بعد اسی طرح حج کی عظمت میں مذکورہ بالا طریق کے ارتکاب کا ارادہ ہوا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ بیات یعنی فقراء کی طرح مقام عبودیت میں وہی طعام کھاؤ اور وہی پانی پیو جو انہیں، اس طعام میں نصیب ہوا۔ چنانچہ حضور علیہ السلام نے فرمایا میں اللہ تعالیٰ کے ہاں شب باش رہتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے اور حضور علیہ السلام رمضان میں جس خصوصیت کے ساتھ عبادت کرتے اور کسی دوسرے مہینہ میں نہ ہوتی یہاں تک کہ کئی راتیں کھانے پینے کا نام تک نہ لیتے تاکہ

عبادت سے وافر حصہ نصیب ہو۔ لیکن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس سے روکتے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ آپ خود تو صوم وصال رکھتے اور ہمیں روکتے ہیں۔ آپ نے فرمایا میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ میں اپنے رب کے ہاں گزارتا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ میں اپنے رب کے ہاں ہوتا ہوں وہی مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔

• رب کے اس دیئے طعام وشراب کے متعلق علماء کرام کا اختلاف ہے اور اس میں دو قول ہیں۔

(۱) طعام وشراب (پانی) اس قسم سے تھا جسے ہم کھاتے پیتے ہیں۔ اس طرح سے حدیث شریف کا حقیقی معنی مُراد ہوگا اور حقیقۃ سے مجاز کی طرف رجوع نہیں کرنا پڑتا اور وہ طعام بہشت سے لایا جاتا ہے (۲) انوار ومعارف مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضور علیہ السلام کو لذت مناجات میں اور اس کے قرب سے جو آپ کو آنکھوں کی ٹھنڈک نصیب ہوتی ہے اور محبت کی وہ نعمتیں جنہیں حضور علیہ السلام نے پایا اور یہ غذا مسلسل ملتی رہی جو قلوب کی غذا اور ارواح کی نعمت اور آنکھوں کی ٹھنڈک اور نفوس کی رونق ہے۔

حکایت منصور حلاج حضرت منصور حلاج رحمۃ اللہ تعالیٰ کا ایک خادم خاص کہتا ہے کہ حضرت الشیخ منصور مرحوم ومغفور دو سال کعبہ معظمہ میں ٹھہرے رہے۔ آپ کے ہاں ایک جگہ سے روزانہ طعام بھیجا جاتا لیکن آپ اسے ہاتھ تک نہ لگاتے وہ جوں کا توں پڑا رہتا۔ جسے پھر میں کھا جاتا۔ اس طرح سے آپ نے دو سال مسلسل گزار دیئے۔ لیکن کبھی آپ کو ہم نے طعام کھاتے نہیں دیکھا۔

حضور علیہ السلام طعام کے محتاج نہیں کھایا تو امت کی تعلیم کیلئے، حضرت الشیخ الشہیر بافتادہ افندی قدس سرہٗ نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام نے طعام اس لئے کھایا کہ اُمت ضعیفہ کو تعلیم نصیب ہو ورنہ آپ کو کھانے پینے کی حاجت و ضرورت نہیں تھی۔

ازالۂ وہم، آپ کا کبھی کبھی فقر وفاقہ کے دوران شکم اطہر پر پتھر باندھنا بھوک کی وجہ سے تھا کہ کہیں یہ لطیف جسم عالم ملکوت کی طرف پرواز نہ کرے۔ اس لئے پتھر باندھ دیتے تاکہ عالم دنیا میں رہ کر خلق خدا کے لئے راہ ہدایت کا کام سرانجام دے سکیں اور انہوں نے فرمایا کہ حضور علیہ السلام حدوث عالم پر نظر رکھ کر تجلّی لقا سے بہرہ یاب رہتے

وَلَا تُسْرِفُوْا حلال کو حرام کی طرف تعدی نہ کرے یعنی وہ اشیاء جو ماکولات ومشروبات و ملبوسات میں حرام ذرائع میں انہیں عمل میں نہ لاؤ۔ یا اس کے معنی یہ ہے کہ طعام حد سے زیادہ نہ کھاؤ اور اس کی حرص کرکے بدن کے قوام کے لئے ضرورت ہی نہیں تو تم خواہ مخواہ لذت کے طور کھاؤ اس لئے کہ یہ بھی اسراف کے قبیل سے ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ اسراف کرنے والوں کے عمل سے محبت نہیں کرتا۔ یعنی اُن سے راضی نہیں اور نہ ہی ان کی تعریف کرتا ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک اسراف یہ ہے کہ جو جی چاہے کھا ڈالے اور یہ بھی اپنے مقام پر صحیح ہے کہ جو ہر وقت

کھانے پینے کی فکر میں لگا رہے وہ خسیس اور ذلیل ترین انسان ہے ؎

۱: خواجہ را بیں کہ از سحر تا شام
دارد اندیشۂ شراب و طعام

۲: شکم از خوشی دل و خوشحالی
گاہ پُر میکند گہے خالی

۳: فارغ از خلد و ایمن از دوزخ
جائے او مزبلست و یا مطبخ

ترجمہ ۱: خواجہ کو دیکھ کہ صبح سے شام کھانے پینے کی فکر نہیں۔
۲: پیٹ خوشدلی اور خوشحالی سے پُر ہے کبھی اسے پُر کرتا ہے کبھی خالی کرتا ہے
۳: یہ بہشت کے خیال سے خالی اور دوزخ کے خوف سے فارغ ہے اس کی جگہ یا پاخانہ یا باورچی خانہ ہے

نکتہ عجیبہ: حضرت شیخ الاسلام عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسراف اس کا نام نہیں کہ ساری دنیا کے طعام اُٹھا کر منہ میں ڈالدیں بلکہ اسراف وہ لقمہ ہے جو رضائے الٰہی کے لئے نہیں بلکہ نفس پروری کے لئے کھایا جائے

؎ یک جواں را کہ خیر دائم داشت
پند می دارد راہبے در دیر
کائے پسر خیر نیست در اسراف
گفت، اسراف نیست اندر خیر

ترجمہ: ایک جوان کو نیکی کا حرص تھا۔ اسے دیر میں ایک راہب نے نصیحت کی کہ اے بیٹے اسراف اچھا نہیں نوجوان نے کہا " بزرگ خیر میں اسراف ہوتا ہی نہیں۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اسراف دو قسم ہے۔ (۱) افراط۔ (۲) تفریط۔ افراط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ سے زائد کا ارتکاب یا خلاف شرع عمل یا طبع و شہوت کے مطابق کیا۔ یا غفلت میں یا ترک ادب کرکے یا حرص کے طور ہو وغیرہ وغیرہ اور تفریط یہ ہے کہ حاجت ضروریہ میں بلا وجہ کمی اور قوت و طاقت جو حقوق عبادت کے قوام میں کوتاہی یا اپنے نفس کو ضائع کرکے یہانتک کہ وہ تباہ ہو جائے پر زور دیا جائے یا اپنے نفس کے خواہشات پورے کرکے حقوق ربوبیت ضائع کئے جائیں یا خواہشات نفسانی میں حقوق قلب و روح وسر ضائع کردیئے جائیں۔ اب آیت کا معنیٰ یوں ہوا کہ اپنے حقوق حظوظ نفسانیہ کی وجہ

سے ضائع نہ کرو۔

حکایت عجیبہ ہارون رشید کا ایک حکیم حاذق نصرانی تھا اس نے ایک مرتبہ حضرت علی بن حسین بن واقد پر سوال کیا کہ تمہارے قرآن مجید میں علم طب کا معمولی سے معمولی مسئلہ بھی بیان نہیں کیا گیا حالاں کہ علم دو ہیں۔ (۱) علم الابدان و علم الادیان۔ آپ نے اسے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں تمام طبی مسائل کو صرف ان دو لفظوں میں جمع فرمادیا ہے۔ کما قال تعالیٰ "کُلُوا واشْرَبُوا وَلَا تُسْرِفُوْا" ۔ نصرانی نے کہا کہ کیا تمہارے نبی علیہ السلام کو بھی طب سے کچھ واقفیت تھی۔ انہوں نے کہا ہمارے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے طب کے جمیع مسائل مختصر الفاظ میں بیان فرمائے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

(۱) المعدۃ بَیْتُ الداء معدہ بیماریوں کا گھر ہے۔

(۲) الحمیۃ راس کل دواء حمیت ہر دوا کی سرتاج ہے۔

(۳) عودوا کل جسم ما عتاد جسم کو عادت پر چلاؤ۔

نصرانی حکیم نے کہا تمہارے قرآن مجید اور تمہارے نبی علیہ السلام نے تو جالینوس کا کوئی طبی مسئلہ نہیں چھوڑا۔

فائدہ: حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جو مرضی آئے کھاؤ پیو اور جو چاہو پہنو۔ صرف اسراف اور تکبر کو اپنے قریب نہ پھٹکنے دو۔

ف: اگرچہ ہمارے لئے جائز ہے کہ بلا اسراف جتنا چاہیں کھائیں لیکن پھر بھی صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ صرف دو لقموں پر اکتفا کرنا چاہیے۔ ایک دن کو دوسرا رات کو اور یہ بھی عوام کے لئے اور وہ بھی غیر رمضان میں اور خواص کو دن اور رات کے لئے صرف ایک لقمہ پر قناعت چاہیے۔ صوفیاء کرام فرماتے ہیں اگر عوام دو لقموں سے تیسرا لقمہ اور خواص ایک لقمہ سے دوسرے لقمہ کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے تو اسراف کے مرتکب ہوں گے اور ہمارے لئے حق پہنچتا ہے کہ اُن کو کہا جائے کہ وہ بہائم (جانوروں) کے صفات سے موصوف ہیں۔

ف: ہندی اطباء کہتے ہیں کہ تمام امراض کا علاج الحمیۃ ہے اس لیے کہ یہ مریض کو کھانے پینے اور بولنے سے روکا جائے تو وہ خود بخود تندرست ہو جائے گا۔

سبق: دانا پر لازم ہے کہ الحمیۃ پر مداومت کرے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ
وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ
الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿٣٢﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا
ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا
بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا
لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٣﴾ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا
يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿٣٤﴾ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا
يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ
اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٥﴾
وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٦﴾ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى
اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ
الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا
كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا
عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿٣٧﴾ قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ
قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ؕ
كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ؕ حَتّٰٓى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ

قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ۬ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ : تم فرماؤ کس نے حرام کی اللہ کی وہ زینت جو اس نے اپنے بندوں کے لئے نکالی اور پاک رزق تم فرماؤ کہ وہ ایمان والوں کے لئے ہے دنیا میں اور قیامت میں خاص انہیں کی ہے ہم یوں ہی آیتیں مفصل بیان کرتے ہیں علم والوں کے لئے[۳۲] تم فرماؤ میرے رب نے تو بے حیائیاں حرام فرمائی ہیں جو ان میں کھلی ہیں اور جو چھپی اور گناہ اور ناحق زیادتی اور یہ کہ اللہ کا شریک کرو جس کی اس نے سند نہ اتاری اور یہ کہ اللہ پر وہ بات کہو جس کا علم نہیں رکھتے[۳۳] اور ہر گروہ کا ایک وعدہ ہے تو جب ان کا وعدہ آئے گا ایک گھڑی نہ پیچھے ہو نہ آگے[۳۴] اے آدم کی اولاد اگر تمہارے پاس تم میں کے رسول آئیں میری آیتیں پڑھتے تو جو پرہیز گاری کرے اور سنورے تو اس پر نہ کچھ خوف اور نہ کچھ غم اور جنہوں[۳۵] نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا وہ دوزخی ہیں انہیں اس میں ہمیشہ رہنا تو اس[۳۶] سے بڑھ کر ظالم کون جس نے اللہ پر جھوٹ باندھا یا اس کی آیتیں جھٹلائیں انہیں ان کے نصیب کا لکھا پہنچے گا یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے ان کی جان نکالنے آئیں تو ان سے کہتے ہیں کہاں ہیں وہ جن کو تم اللہ کے سوا پوجتے تھے کہتے ہیں وہ ہم سے گم ہو گئے اور اپنی جانوں پر آپ گواہی دیتے ہیں کہ کافر تھے[۳۷] اللہ ان سے فرماتا ہے کہ تم سے پہلے جو اور جماعتیں جن اور آدمیوں کی آگ میں گئیں انہیں میں جاؤ جب ایک گروہ داخل ہوتا ہے دوسرے پر لعنت کرتا ہے یہاں تک کہ جب سب اس میں جا پڑے تو پچھلے پہلوں کو کہیں گے اے رب ہمارے انہوں نے ہم کو بہکایا تھا تو انہیں آگ کا دونا عذاب دے فرمائے گا سب کو دونا ہے مگر تمہیں خبر نہیں[۳۸] اور پہلے پچھلوں سے کہیں گے کہ تم کچھ ہم سے اچھے نہ رہے تو چکھو عذاب بدلا اپنے کئے کا[۳۹]

شانِ نزول ف[۳۲] جب مسلمانوں نے کعبہ شریف کا طواف کپڑے پہن کر شروع کر دیا اور گوشت کھانے لگے اور گھی والی اشیاء بھی۔ تو مشرکین نے مسلمانوں کو عار دلائی اس لئے کہ وہ بوقت احرام ننگے ہو کر طواف کرتے اور گوشت، اور گھی والی اشیاء بھی نہیں کھاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے

اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا کہ اے میرے پیارے محبوب (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) آپ ان سے فرمایئے کہ مَنْ یہ استفہام انکاری ہے۔ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی زینت دی ہوئی اشیاء کو مثلاً کپڑے یا اس طرح کی دوسری چیزیں جن سے زینت اور سنگار کیا جاتا ہے اَلَّتِيْٓ اَخْرَجَ وہ چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قدرت کاملہ سے نکالا ہے لِعِبَادِهٖ اپنے بندوں کے لئے۔ نباتات مثلاً لباس کتان وغیرہ اور جانوروں میں سے جیسے ریشم اور اون وغیرہ اور معادن میں سے جیسے زرق وغیرہ اور یہ تمام چیزیں لباس سے تعلق رکھتی ہیں۔ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ؕ اور دیگر پاکیزہ چیزیں رزق میں سے اس کا عطف "زینۃ اللہ" پر ہے۔ یعنی کس نے حرام کیا ہے اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی لذیذ چیزیں یعنی کھانے پینے کی اشیاء اور گھی والی چیزیں اور دودھ وغیرہ۔

مسئلہ: انسان فرائض کی ادائیگی میں خوش خوراک خوش پوشاک رہے اس ارادہ پر کہ خوش منظر نظر آئے تو اس کے لئے جائز ہے۔

مسئلہ: جو معمولی معاش پر گزارہ کرکے باقی دولت اللہ تعالیٰ کے نام لٹا دے تو یہی افضل واولیٰ ہے اس لئے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے وہ اس سے بدرجہا بہتر و برتر ہے۔

مسئلہ: ادنیٰ معاش پر گزر اوقات رکھنا عزیمت ہے۔ اعلیٰ اور بہتر خوراک و پوشاک کے ساتھ زندگی بسر کرنے کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ فرائض میں کوتاہی نہ ہو اور وہ حلال مال سے ہو۔

مسئلہ: آیت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خوراک و پوشاک میں تمام قسم کے کھانے اور لباس استعمال کرنا مباح ہیں۔ جب تک اس میں شرعی قباحت کی صراحت نہ ہو) اس لئے کہ آیت میں استفہام انکار کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی اور اکثر اصحاب ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا مذہب ہے کہ " الاصل فی الاشیاء الاباحۃ" اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

فائدہ: بعض کے نزدیک توقف ہے کہ نہ اباحت اور نہ عدم اباحت اور جس کے نزدیک اشیاء میں اصل خطر یعنی ممانعت ہے۔

قاعدہ شرعیہ و نکتہ عجیبہ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ غنی ہے اور علی الاطلاق جواد ہے اور جس کی ایسی شان ہو وہ اپنے مال کو اپنے بندوں سے منع نہیں کرتا۔ صرف ان چیزوں سے روکتا ہے جو اُن کے لئے مضر ہوں اس سے ثابت ہوا کہ اصل اباحۃ ہے اس اعتبار سے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور غنی اور جواد ہے اور حرمۃ (ممانعت ضرر کے لئے عوارض میں سے ہے اور اس کا جب تک ثبوت نہ ہو اس کا اجرا نہیں ہوتا اور یہاں آیت میں بھی ایسی صورت ہے مانعین کی دلیل یہ ہے کل اشیاء علی الاطلاق اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ کسی کے مال میں تصرف کرنا

مالک کی اجازت کے بغیر جائز نہیں اور اس مالک کی اجازت کی خبر نہیں۔ یعنی اس کا ثبوت نہیں جب اباحت کا ثبوت نہیں تو اباحت کی بالمقابل حظر باقی ہے اس لئے کہ اس کا موجود ہے یعنی ملک الغیر۔ اس سے ثابت ہوا۔ یا الاصل فی الاشیاء الحظرؔ ہے۔ توقف کرنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ شے کی حلت وحرمت شرع کے حکم پر موقوف ہے۔ شرعی حکم کے ورود سے پہلے ہم نہ اباحت کو ثابت کر سکتے ہیں اور نہ خطر کو بنابریں توقف ہی لازم ہوا۔

فائدہ: عبدالطاہر بغدادی نے کہا کہ فقہاء کے نزدیک توقف اس ہر عمل کو کہا جاتا ہے کہ جس کے متعلق شریعت سے اباحت وخطر کا کوئی ثبوت نہیں ہو۔ اس پر اگر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مرتکب کو ثواب ہوگا اور نہ (عذاب) قُلْ هِيَ پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے یہ زینت اور طیبات (کذا فی التفسیر الفارسی) لِلَّذِينَ آمَنُوا ان لوگوں کو جو ایمان لائے۔ لِلَّذِينَ کا تعلق مُستقرۃ محذوف سے ہے۔ " فی الحیٰوۃ الدنیا" اس کا تعلق آمنوا سے ہے۔ بعض نے کہا کہ مستقرۃ کے متعلق ہے کہ جس سے لِلَّذِين سے ہے۔

فائدہ: طیبات کی تخلیق کا اصلی مقصود یہی ہے کہ بندگان خدا کو عبادتِ الٰہی پر تقویت حاصل ہو تاکہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتیں پا کر عبادتِ الٰہی میں مصروف ہوں اور کفر و معاصی سے بیزاری کا اظہار کریں۔

نکتہ: نعمتیں حقیقتہً اہلِ ایمان کے لئے پیدا ہوئیں اور کفار اہلِ ایمان کے طفیلی ہیں تاکہ قیامت میں ان کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے یہ نہ فرمایا " لِلَّذِينَ آمَنُوا و لغیرھم فی الدنیا۔ خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ قیامت میں نعمتیں خالص اہلِ ایمان کے لئے ہوں گی۔ اس وقت ان کا کوئی شریک نہ ہوگا۔ اگرچہ دُنیا میں ان کے ساتھ نعمتوں میں کفار بھی شریک ہیں اور خالصۃً کا منصوب ہونا جو لِلَّذِينَ آمَنُوا سے معنوی طور حال ہونے کی وجہ سے ہے اور "یوم القیٰمۃ" خالصۃً کے متعلق ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ تمہیں طلبِ کمالات سے کون منع کر سکتا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے غیب الغیب سے اپنے مخصوص بندوں یعنی انبیاء و اولیاء کے لئے پیدا فرمایا اور تمہارے اوپر ان کرامات وکمالات کے کون حرام کر سکتا ہے جو انہیں طلب کرنے کی سعی کرتا ہے تو بلا تاخیر اور بلا کم وکاست اسے نصیب ہوتی ہیں اور زینۃ کی اضافت اللہ تعالیٰ کی طرف اس لئے ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنے الطاف اور کرم نوازیوں کے حقائق سے پیدا فرمایا۔ مثلاً ابدان کو شریعتوں اور اُن کے آثار سے اور نفوس کو آداب اور اُن کے اقتدار سے اور قلوب کو شواہد اور اُن کے انوار اور ارواح کو معارف اور ان کے اسرار سے اور اسرار سے دجمع سِر کو طوالع اور اُن کے اثمار سے زینت بخشی بلکہ یوں کہو کہ انسان کے ظواہر کو آثارِ جُود سے اور بواطن کو انوارِ وجود سے زیب و زینت بخشی " الطیبات من الرزق درحقیقت ان اُمور کو جاتا ہے۔ جنہیں نفس کے حقوق کو نہ ہو اور

نہ ہی اس کے حظوظ انہیں شامل ہوں بلکہ وہ خالص اللہ تعالیٰ کے حقوق و عطیات، اور حقوق ہوں۔

قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا " یہی کرامات، و مقامات صرف انہی مشائخ و سادات کے لئے ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں زندگی بسر کی اور انہیں نفس کے آفات سے بھی مقابلہ کرنا پڑا اور صفات ذمیمہ کی کدورات سے بھی واسطہ رہا۔ " خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ " لیکن قیامت میں آفاتِ نفسانیہ اور کدورات بہیمیہ سے پاک اور صاف ہوں گے۔ گویا ان کے حق میں فرمایا کہ " وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اور ہم نے اُن کے سینوں سے کھوٹ باہر نکال پھینکا۔ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۔ اسی طرح ہم علم والوں کے لئے آیات کو تفصیلی طور بیان کرتے ہیں۔ یعنی دوسرے احکام کی طرح اس حکم کو بھی ہم مفصّل طور بیان کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے لئے جو علم والے ہیں۔ اُن کے لئے ان آیات کے عجیب معانی و مطالب بیان کر دیئے گئے ہیں ۳۳ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ اے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم فرمائیے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے فواحش کو حرام فرمایا ہے اور فواحش وہ ہیں کہ جن کا قبح واضح اور ظاہر ہو۔ اُن سے کبائر مراد ہیں۔ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۔ وہ جو ظاہر اور باطن ہیں یہ الفواحش سے بدل ہے یعنی وہ فواحش جو کھلم کھلا یا پوشیدہ طور ہوتے ہیں جیسے کفر و منافقت وغیرہ وغیرہ وَالْاِثْمَ اور وہ امور جو گناہ کا سبب بنیں وہ صغائر ہوں یا کبائر وَالْبَغْيَ اس سے ظلم اور تکبر مراد ہے۔

سوال: اس کا ذکر الاثم میں آ گیا ہے پھر اسے علیحدہ ذکر نے کا کیا فائدہ۔

جواب: مبالغہ مقصود ہے تاکہ اس کی زجر کے لئے مزید تاکید ہو جائے۔

بِغَيْرِ الْحَقِّ ۔ یہ بغی کے متعلق ہے اس کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے بغی ہوتا بھی ہمیشہ ناحق ہے۔ اس میں حق کا مفہوم پیدا ہو سکتا ہی نہیں۔ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ اس کا عطف حرّم کے مفعول پہ ہے۔ یعنی ہم نے تمہارے اوپر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کو حرام فرمایا ہے۔ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ ایسی چیزیں جنہیں اللہ تعالیٰ کیلئے شریک ماننے پہ اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نہیں نازل فرمائی اور نہ ہی ان کی عبادت، کا حکم فرمایا۔

سُلْطٰنًا یعنی حجۃ اور برہان۔ اس سے مشرکین کے ساتھ تہکم مطلوب ہے اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک بنانے کی کوئی دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے ذکر سے تہکم ہی مقصود ہو سکتا ہے اور اُن سے استہزا ہی ہوگا۔ اس لئے کہ اشراک باللہ کے لئے کوئی برہان ہو تو اُسے نازل کیا جائے۔ جب دلیل ہے ہی نہیں تو اس کے نزول کا تصور ہی نہیں کیا جا سکتا۔ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے لئے وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم بھی نہیں۔ مثلاً الحاد یا اللہ تعالیٰ پہ افتراء اور بہتان تراشی وغیرہ مثلاً کہنا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی قسم کا امر نہیں فرمایا۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ فواحش وہ امور ہیں جن کے ارتکاب سے بندہ اپنے مولیٰ سے دور ہو جائے اور وہی بندے کو مولیٰ کی طرف پہنچنے کے لئے مانع ہوں۔ عوام کے لئے یہی ماظہر ہیں کہ جن سے شرع نے روکا ہے۔ لیکن بندہ ان کا ارتکاب کرے اور ان کے مابطن سے وہ وساوس مراد ہیں جو دل پر کھٹکتے ہیں اور خواص کے ماظہر سے وہ امور جو ان کے لئے نفوس میں خطوظ و شہوات رکھے گئے ہیں مراد ہیں اور مابطن سے محبوب سے صبر کرنا (اگرچہ ایک لحہ) مراد ہے اور اخص الخواص کا ماظہر منہا ترک استحباب یا اسباب دنیا میں کسی ایک سبب سے متعلق ہونا اور مابطن سے دارین کی کسی شے کا میلان اور عالمین میں ماسوی اللہ کی طرف ملتفت ہونا اور الاثم سے اعراض عن اللہ۔ اگرچہ آنکھ جھپکنے کی دیر ہو اور البغی سے غیر اللہ کی محبت اور اسے غیر محل میں رکھنا مراد ہے۔ اِنْ تُشْرِكُوا بِاللهِ یعنی جن چیزوں کے لئے غیر اللہ میں سے اجازت نہیں۔ تم اُن سے استعانت نہ کرو۔ جب تک اللہ تعالیٰ اُن کے لئے دلیل اور حجت نہ نازل فرمائے۔ یعنی جب تک اُن کے لئے شریعت مطہرہ کی اجازت نہ ہو وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۔ یعنی اپنے نفس اور اس کی خواہش کے مطابق فیصلے مت کرو یا یہ کہ اپنے عقلی ڈھکوسلوں سے اللہ تعالیٰ کی حقیقت معلوم کرنے کا دم نہ مارو یا یہ کہ جب تمہیں معلوم ہی نہیں تو تم اللہ تعالیٰ کے عرفان اور اللہ والوں کے مقامات و مراتب اور اثبات کرامات اپنی طرف سے بیان نہ کرو۔ اس لئے کہ تم ایسی باتوں سے بے خبر ہو اور نہ ہی تمہیں ان کے متعلق کچھ معلومات ہیں۔

(ربط) اب رسل کرام کے مذکذبین مشرکین کی تہدید کی جائیں گی ۳۴ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ جتنی امتیں ہلاک ہوئیں اب سب کے لئے "اَجَلٌ" ایک میعاد مقرر ہے یعنی اُن کی ہلاکت کے لئے ایک وقت مقرر کر دیا گیا تھا۔

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ پس جب اُن کے لئے وقت آجاتا "هُمْ" ضمیر کا مرجع کُلِّ اُمَّۃٍ ہے اس لئے اجالہم نہیں فرمایا تاکہ معلوم ہو کہ جس کے لئے جو وقت مقرر ہوا اُس کا وہی وقت مقررکردہ اس پر وارد ہوا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب میں گرفتار ہوا لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ اس مقرر کردہ وقت سے پیچھے نہیں ہوں گے۔ سَاعَةً گھڑی بھر یعنی تھوڑی دیر بھی اسے نہایت معمولی وقت کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ اس سے مقصد یہی ہے کہ وہ اپنے مقررکردہ وقت سے پیچھے نہ ہٹے۔ باب استفعال لاکر واضح کیا گیا کہ انہیں اس معاملہ اتنا عجز اور کمزوری تھی کہ ان کا کوئی بس نہیں چل سکتا تھا اور محروم ایسے تھے کہ اُن کے مطالبہ کے باوجود بھی انہیں کسی طرح بھی مہلت نہ مل سکی وَلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۞ اور نہ اپنے اجل سے پہلے مرتے تھے ؎

اجل چوں فردا آیدت پیش و پس
پیش و پس نگذارد یک نفس

ترجمہ: جب کل اجل آگے پیچھے آیا۔ تو پھر سانس کو آگے پیچھے نہیں ہونے دے گا۔

حکایت منقول ہے کہ ایک بادشاہ نہایت ہی عبادت گزار تھا لیکن اسے دنیا کا میلان پیدا ہوا اور شاہی کے امور میں سخت منہمک ہوگیا۔ اس نے ایک محل تیار کرایا اور بہت بڑا مضبوط بنایا اور اس کا اچھا فرش تیار کیا اور اعلیٰ اعلیٰ قسم کے کمرے بنوائے اس میں ایک دن اپنے بڑے بڑے وزیروں امیروں مشیروں کو دعوت کے لئے بلایا اور بہترین کھانے تیار کئے۔ اس میں اُس نے عوام کو بھی بلایا۔ تمام رعایا خوش ہو کر اس محل میں حاضر ہوئی اور خوب کھایا پیا اور بادشاہ کو دعائیں دیں اور محل کو دیکھ کر حیران رہ گئے عوام تو کھانا کھا کر چلے گئے اور بادشاہ اور اُس کے وزراء وغیرہ وہیں پر رہ گئے اور چند روز ٹھہر کر کہا کہ میں واقعی اس محل کی تیاری سے کتنا خوش ہوں اور تم دیکھ رہے ہو کہ میری خوشی کی کیا انتہا ہے اور ساتھ یہ بھی کہا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں تمام لڑکوں کے لئے اس طرح کا علیحدہ علیحدہ محل بنواؤں۔ تم چند روز میرے ہاں ٹھہرو اور مجھے اس کے متعلق مفید مشورے دو۔ وہ وزراء اور مشیرانِ کار اس کے ہاں ٹھہر گئے اور مختلف طور کی رائیں قائم ہوتی رہیں اور متعدد مشورے طے ہوتے۔ ایک رات بیٹھے تھے کہ اس محل کے کنارے سے آواز آئی جس کا مضمون یہ تھا

یا ایھا البانی الناسی لمیتة

لا تامن فان الموت مکتوب

ھذہ الخلائق ان سروا دان فرحوا

فالموت حتف لذی الامال منصوب

لا تبنین دیارا لست تسکنھا

وراجع انسك کیما یغفر الحوب

ترجمہ: "اے محل تیار کر کے اپنی موت کو بھولنے والو بے خوف ہو اس لئے کہ موت تو ضرور آئے گی یہ مخلوق کتنی خوشحالی سے زندگی بسر کرے لیکن موت جھپٹ لگانے کے لئے تیار کھڑی ہے۔ ایسے مکانات کیوں تیار کرنا چاہتے ہو جہاں تم نے ٹھہرنا ہی نہیں۔ نیکیوں میں لگو تاکہ تمہارے گناہ بخشے جائیں۔"

یہ مضمون سُن کر وہ بادشاہ اور اس کے ساتھی بہت گھبرائے۔ بادشاہ نے سب سے کہا کیا تم نے سُنا ہے کیا کہا گیا ہے۔ سب نے کہا ہاں ہم نے سُنا ہے۔ بادشاہ نے پوچھا کیا اس سے تمہیں میری طرح کچھ محسوس بھی ہوا انہوں نے کہا آپ کو کیا محسوس ہوا۔ اس نے کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ اب موت میرے سر پر کھڑی ہے۔ سب نے کہا گھبرائیے نہیں آپ کی عمر دراز ہو۔ ہم سب آپ کے خدام ہیں۔ آپ تادیر اپنے مال و منال سے فائدہ اُٹھائیں۔ بادشاہ نے کہا اب یہ باتیں مجھے اچھی نہیں لگ رہیں لاؤ شراب کی بوتلیں اور ان سب کو توڑ دو اور لاؤ گانے بجانے کا سامان اسے ٹکڑے ٹکڑے کردو۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا اور اس سے فارغ ہو کر جملہ گناہوں سے تائب ہوا

اور موت کہتے کہتے اس کی جان نکل گئی ۔ اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے۔

حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ خواجہ در بند نقش ایوانست
خانہ از پائے پست ویرانست

اور فرمایا ۔ ۲۔ آں کہ قرارش نگرفتے و خواب
تا گل و نسرین نہ یفشاندے نخست

۳۔ گردشِ گیتی گل رویش بریخت
خار بناں برسر خاکش برست

ترجمہ ۱۔ خواجہ مکان کے نقش و نگار کے خیال میں کہ مکان اور ویران ہے اس سے بڑا ہوتا اور رابھار نا لو
(۲) ایک وہ جو قرار نہ پاتا اور نہ اسے نیند آتی جب تک بستر پر گل و نسرین نہ بچھاتا ۔
(۳) گردش زمانہ نے اس کے گلاب کے چہرے کو ایسا بے عزت کیا کہ کانٹے ہی اسکی قبر سے اگائے

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ہر ایک قوم خواہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جانے والے ہیں یا بہشت کی طرف یا دوزخ کی طرف) کے لئے مدت معلوم اور وقت مقرر ہے۔ پھر جب ان کی مقرر کردہ ختم ہوتی ہے یا کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کے لئے ازل میں مقرر فرمائی تو " لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِمُونَ " ایک گھڑی بھی آگے پیچھے نہیں ہوں گے ۔ یہ وعدہ اللہ والوں کے لئے تسلی قلب اور دشمنوں کے لئے وعید اور سزا سنائی ہے (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ ۳۵ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ یہ خطاب تمام لوگوں کو ہے ۔ اِمَّا ۔ یہ دراصل اِنْ مَا تھا ۔ لفظ (ما) کے میم میں ان شرطیہ کے نون کو مدغم کیا گیا ہے ۔ ان شرطیہ کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے اس لئے کہ لفظ ما بھی شرط کے لئے آتا ہے ۔ يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ اے آدم زادو اگر تمہارے ہاں رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں مِّنْكُمْ درانحالیکہ وہ تمہاری جنس سے ہوں یہ رُسُل کی صفت ہے ۔ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۔ یہ رسل کی دوسری صفت ہے یعنی تمہارے لئے ہمارے احکام و شرائع بیان کریں گے ۔

سوال : ظاہری کلام کا تقاضا یہی ہے کہ یہاں پہ ان کے بجائے اِذَا ہونا چاہیے ۔ اس لئے کہ انبیاء و رسل کرام علیہم السلام کا تشریف لانا اللہ تعالیٰ کے علم میں محقق الوقوع ہے ۔

جواب : معلوم کو مشکوک کے طور لاکر تنبیہ کر دی گئی ہے کہ رسل کرام علیہم السلام کا بھیجنا اللہ تعالیٰ پر واجب نہیں بلکہ عقلاً ایک جائز امر ہے کہ یوں کہا جائے کہ وہ رسل کرام کے نہ بھیجنے پر قادر ہے اور نہ ہی اُسے رسل کرام کا بھیجنا شرعاً

واجب ہے یہاں تک کہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) نہ بھیجے گا تو گنہگار ہوگا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ پر عقلاً و شرعاً کوئی شے واجب نہیں ۔ ہاں اس کی حکمت کا تقاضا یہی ہے کہ رسل کرام کو بھیجے کہ ارسال رسل میں بے شمار مصلحتیں و حکمتیں ہیں ۔
فَمَنِ ۔ یہ مَن شرطیہ ہے ۔ پس جو کوئی اتَّقٰی تکذیب سے ڈرے ۔ وَاَصْلَحَ اپنے اعمال کی اصلاح اور رسول علیہ السلام کی اطاعت و فرمانبرداری کرتا ہے ۔ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ ۔ پس ان پر کوئی خوف نہیں یعنی مستقبل میں گنہگاروں کو لاحق ہوگا اس سے یہ لوگ بے خوف ہوں گے ۔ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ اور نہ وہ لوگ غمگین ہوں گے ۔ یعنی انہیں دنیا میں کسی چیز کے فوت ہوجانے کا غم نہ ہوگا اس لئے کہ آخرت کی دارالکرامۃ کی نعمتوں میں ایسے مستغرق ہوں گے کہ انہیں دنیا و مافیہا کا خیال تک نہ رہے گا ۔
۳۶ وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا اور جن لوگوں نے ہمارے آیات کی تکذیب کی ۔ یعنی ہمارے رسل کرام علیہم السلام کی وَاسْتَکْبَرُوْا ۔ اور تکبر کیا یعنی اپنی عظمت کا خیال کیا اور سرکشی کی عَنْهَا آیات سے جو کہ اللہ تعالیٰ کی توحید پر ایمان لانے کے لئے دلائل کی حیثیت ہیں اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ج وہی دوزخی ہیں یعنی ہمیشہ دوزخ میں مقیم رہیں گے ۔ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔ وہ اس دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے یعنی دوزخ کی اقامت دائمی ہوگی ۔ ۳۷ فَمَنْ اَظْلَمُ پس کون زیادہ ظالم ہے یعنی کوئی ایسا نہیں مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ کَذِبًا جو کہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ کا افتراء کرے ۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات کی نسبت کرے جو اس نے نہیں فرمائی ۔
فائدہ: اس کا شریک اور زوجہ اور اولاد ثابت کرنا بھی افتراء میں داخل ہے ۔ اَوْ کَذَّبَ ۔ یا اس کی آیات کو جھٹلائے یعنی جو کچھ اس نے فرمایا ہے اسے جھوٹا کہے ۔
فائدہ: اللہ تعالیٰ پر افتراء اور اس کے آیات کی تکذیب کا گناہ برابر ہے ۔ چنانچہ فرمایا اُولٰٓئِكَ وہ لوگ جو اوصاف مذکورہ کے موصوف ہیں یعنی افتراء اور تکذیب کرنے والے یَنَالُهُمْ انہیں پہنچے گا نَصِیْبُهُمْ ان کا حصہ مِنَ الْکِتٰبِ ط ۔ کتاب سے جو ان کے لئے کتاب میں رزق اور زندگی لکھی گئی ہے ۔ حَتّٰی اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا ۔ یہاں تک کہ اُن کے ہاں ہمارے رسل کرام علیہم السلام تشریف لائیں گے یعنی ملک الموت اور اُن کے خدام یَتَوَفَّوْنَهُمْ ۔ درانحالیکہ وہ انہیں فوت کریں گے یعنی اُن کی روحیں قبض کریں گے ۔
فائدہ: اگرچہ لفظ حتّٰی سے کلام کا آغاز کیا جاتا ہے لیکن یہاں پر اپنے فعل ماقبل یَنَالُهُمْ کی غایت کیلئے ہے اب عبارت یوں ہوئی یَنَالُهُمْ نصیبهم من الکتاب الی ان تاتیهم ملائکۃ الموت ۔ الخ
پھر جب ان کے ہاں ملائکہ ارواح قبض کرنے کے لئے آئیں گے تو انہیں زجر و توبیخ کرتے ہوئے ۔ قَالُوْا کہیں گے اَیْنَ مَا کُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ط کہاں ہیں تمہارے وہ معبود جن کی اللہ تعالیٰ کے ماسوا دنیا میں پرستش کرتے تھے ۔

سوال : اَیْنَ کا قاعدہ ہے کہ اسے علیحدہ لکھا جائے اس لئے کہ ما صولہ اور این اسم ظرف ہے۔ لیکن یہاں دونوں کو اکٹھا لکھا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے۔

جواب : صحیفۂ عثمانی میں یونہی لکھا گیا ہے فلہذا اس کی اتباع میں ہر جگہ قرآن میں ایسے ہی لکھا جائے گا۔ قَالُوْا کفار جب جواب دیں گے ضَلُّوْا عَنَّا وہ ہم سے غائب ہو گئے۔ اب ہم انہیں نہیں جانتے کہ وہ کہاں ہیں وَشَہِدُوْا عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ۔ اس کا عطف قَالُوْا پر ہے یعنی وہ اپنے لئے اعتراف کریں گے۔ اَنَّہُمْ کَانُوْا۔ تحقیق وہ دنیا میں تھے۔ کٰفِرِیْنَ۔ کافر یعنی جو عبادت کے ہرگز مستحق نہیں تھے ان کی عبادت کرتے تھے۔ جب وہ اپنے کردار کا انجام اور گمراہی دیکھیں گے۔

سوال : یہاں پر اُن کا اعتراف کا بیان ہے حالانکہ دوسرے مقام پر فرمایا کہ وَاللّٰہِ رَبِّنَا مَا کُنَّا مُشْرِکِیْنَ اللہ کی قسم ہم مشرک نہیں تھے۔

جواب ۱ : مختلف فرقے مختلف جواب دیں گے بعض یہی کہیں گے جو آیت ہذا میں ہے بعض وہی کہیں گے جو سوال میں مذکور ہوا۔

جواب ۲ : یا وہ مختلف اوقات میں ایسے مختلف جواب دیں گے۔

فائدہ : مقصد یہ ہے کہ انہیں تنبیہہ کی گئی ہے کہ قیامت کے وقوع میں کوئی دیر نہیں گویا کہ مرتے ہی اُن کے لئے قیامت قائم ہو جائے گی۔ اگر یہی تاویل نہ کی جائے تو سوال پیدا ہوگا کہ یہی سوال وجواب پھر انہیں سزا کے طور جہنم میں داخلے کا حکم پھر جہنم میں اُن پر لعن وطعن یہ سب کی سب قیامت کے قیام کے وقت ہوں گی۔

۳۸ قَالَ انہیں قیامت میں اللہ تعالیٰ یا کوئی فرشتہ کہے گا اُدْخُلُوْا فِیْٓ اُمَمٍ داخل ہو جاؤ ان امتوں میں جو اُن کے ساتھی ہوں گے۔ قَدْ خَلَتْ تحقیق گزر چکے مِنْ قَبْلِکُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ۔ گذری ہوئی امتوں میں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں سے فِی النَّارِ دوزخ میں۔ اس کا تعلق اُدْخُلُوْا سے ہے۔

سوال : جنات کو انسانوں سے پہلے کیوں ذکر کیا گیا۔

جواب : تخلیق میں جنات پہلے ہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے جن پیدا فرمائے تو ان میں بعض مومن تھے اور بعض کافر۔ جب اہلِ ایمان پر کفار جنات غلبہ پا گئے تو اللہ تعالیٰ نے کفار کو مار ہٹایا۔ چنانچہ منقول ہے کہ ان کے ہاں فرشتوں کا ایک لشکر بھیجا جن کا امیر لشکر ابلیس کو بنایا گیا۔ انہوں نے جنات کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور سب کو فنا کر ڈالا۔ اس کے بعد ہی آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو پیدا فرمایا۔ انہیں بھی بعض کافر تھے جیسے قابیل اور بعض مومن۔ جیسے ہابیل۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہر زمانہ میں کافر بھی رہے۔ جو جہنم کے مستحق ہوئے اور مومن بھی جو بہشت کے مستحق۔ تاقیامت یہ سلسلہ رہے گا۔ یہاں تک کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ قیامت جب قائم ہو گی تو اس وقت ایک بھی

اللہ اللہ کرنے والا نہ ہوگا۔

كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ جب اگلی پچھلی تمام امتیں جہنم میں داخل ہوں گی **لَعَنَتْ اُخْتَهَا** تو وہ ہر اس دوسری امت پر لعنت کرے گی جس نے اسے گمراہ کیا ہوگا یا جس کی تقلید میں اس سے گمراہی سرزد ہوئی ہوگی مثلاً مشرکین کا ایک گروہ دوسرے کو اور یہودی اپنے دوسرے یہودیوں کو اور نصاریٰ اپنے دوسرے نصاریٰ کو اور مجوس دوسرے مجوسیوں کو لعنتی کہیں گے اس طرح ہر چھوٹے طبقہ کے گمراہ اپنے بڑے لیڈروں پر لعنت کریں گے مثلاً کہیں گے خدا تم پر لعنت کرے تم نے ہی ہمیں دھوکہ دیا۔

فائدہ: اخت سے دین و ملت میں ہمجنسیت مراد ہے۔

سوال: اختہا کے بجائے اخاہا کیوں نہ کہا۔

جواب: یہاں پر دوسری جنس کی امت اور جماعت مراد ہے اور یہ دونوں مونث ہیں **حَتّٰۤى اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا** ماقبل کی غایت کے لئے ہے یعنی کافروں کو گروہوں میں بانٹ کر گروہ در گروہ جہنم میں داخل ہوں گے جب ایک گروہ جہنم میں داخل ہوگا تو وہ دوسرے پر لعنت کرتا ہوا داخل ہوگا۔ یہاں تک کہ سب کے سب جہنم میں داخل ہو جائیں گے۔ اور جب تمام جہنم میں اکٹھے ہو جائیں گے۔

فائدہ: ادارکو دراصل تدارکوا تھا۔ تاء دال ہو کر دال میں مدغم ہوئی ہے۔ اس کے بعد ہمزہ وصلی داخل کیا گیا ہے[1]۔ **قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ** تو ہر پچھلی امت کہے گی یعنی وہ جو پہلی جماعت کے بعد اس کی دوسری جماعت جہنم میں داخل ہوگی۔ اس سے لیڈروں کے تابعدار مراد ہیں۔

فائدہ: آخری بمعنی آخرۃ ہے آخر کی مونث۔ جو اوّل بالمقابل ہے نہ آخری بمعنی غیر جیسے وزرا اخریٰ میں ہے۔ **لِاُوْلٰىهُمْ** اپنے سے پہلی جماعت کے لئے یعنی اپنے لیڈروں کے لئے جب وہ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوں گے۔ **رَبَّنَا هٰۤؤُلَآءِ اَضَلُّوْنَا** اے ہمارے رب انہوں نے ہمیں گمراہ کیا تھا۔ یعنی انہوں نے طرح طرح کے شبہات ڈال کر ہمیں ہدایت سے دور رکھ کر گمراہ کیا اور ہم ان کی اقتدا میں گمراہ ہوئے۔ **فَاٰتِهِمْ عَذَابًا** پس انہیں دوہرے عذاب میں مبتلا فرما۔ **مِّنَ النَّارِ** جہنم کے عذاب سے اس لیے کہ وہ خود گمراہ تھے اور ہمیں بھی گمراہ کیا۔ **قَالَ** اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔ **لِكُلٍّ** ہر ایک اگلے پچھلے لوگوں کے لئے **ضِعْفٌ** دوہرا عذاب ہے لیڈروں پر بوجہ کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتدیوں پر بوجہ کفر اور لیڈروں کی تقلید کے۔

فائدہ: یہ تضعیف اس لئے نہیں کہ وہ اس کے مستحق نہیں۔ اس طرح سے بلاوجہ کسی کو دوہرے عذاب مبتلا کرنا

---

[1] یہ صرفی قاعدہ ہے اس کی تفصیلی فقیر کی ابواب الصرف میں دیکھئے۔ (اویسی غفرلہٗ)

ظلم ہے۔ بلکہ کفر کے علاوہ لیڈروں کو دوہرا عذاب دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے اور ان کے مقتداؤں کو بوجہ تقلید کے وَلٰکِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ لیکن تمہیں معلوم نہیں ہو رہا کہ تمہیں کیا ہو رہا ہے اور تمہارے دوسروں کو کس طرح عذاب میں مبتلا کیا جا رہا ہے ۝۳۹ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ کافروں کے لیڈر خطاب کرتے ہوئے لِاُخْرٰىهُمْ اپنے پیروکاروں سے کہیں گے جب وہ اللہ تعالیٰ کا عذاب سن لیں گے۔ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ۔ تمہیں اور کسی قسم کی فضیلت نہیں کہ تم نے کفر سے کنارہ کشی کی اور گمراہی سے دُور رہے ہو۔ بلکہ تم کفر و گمراہی میں ہمارے برابر کے شریک ہو پھر اب کس خیال میں ہو کہ تمہیں بہ نسبت ہمارے عذاب میں تخفیف ہوگی یہ ہرگز نہیں ہوسکتا کہ ہمیں تمہارے سے زائد عذاب ہو۔ ہم نے کفر پر تمہیں مجبور تھوڑا کیا تھا بلکہ تم خود اس میں مبتلا ہوئے اس لیے کہ وہ تمہاری خواہشات کے عین مطابق تھا۔ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ پس تم عذاب چکھو۔ جیسا کہ تمہارے مقدر ہوا ہے یہ کفار کے لیڈر اپنی دل کی تسلی کے لئے کہیں گے۔ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝ بسبب اس کے کہ تم کفر کا ارتکاب خود کرتے تھے اور اب اس کا عذاب دوسروں پر ڈالتے ہو۔

؎ جملہ دانند ایں اگر تو نگروی
ہر چہ کارش دوزے بدروی

ترجمہ: سب کو معلوم ہے اگر تو یقین نہیں کرتا تو جو کچھ تو بوئے گا وہی پھل کاٹے گا۔

فائدہ: کفار وہی تو ہیں کہ جنہوں نے اللہ والوں کی رہبری سے انکار کیا اور برائیوں کے مرتکب ہوئے اور انہیں انبیاء و اولیاء کے طریقے اچھے نہ لگتے تھے۔ اب وہ اپنی اُن غلطیوں کا اعتراف کریں گے اور کہیں گے کہ واقعی وہ دنیا میں گمراہ تھے لیکن ان کا یہ اقرار اس وقت کسی کام نہ آئے گا۔

سبق: دانا وہ ہے جو موت سے پہلے ہی اپنے حالات صحیح کر لے۔

حدیث شریف: اپنے ایمان کی روزانہ تجدید کر لیا کرو۔

فائدہ: تجدید سے ایک مرتبہ سے دوسرے مرتبہ کی طرف منتقل ہونا مراد ہے اس لئے کہ احناف کے نزدیک تو ایمان پہلی بار کلمہ شہادۃ پڑھنے سے مکمل ہو گیا اب اس کی تجدید کا کیا معنیٰ۔ البتہ ایمان کے اٹھارہ مراتب ہیں انہیں وہ طے کرتا ہے جسے عنایت الٰہی نصیب ہو۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱: تازہ کن ایمان نہ وز قول زبان
اے ہوا را تازہ کرد در نہاں

۲: تا ہوا تازہ است و ایمان تازہ نیست
کیں ہوا جز قفل آں دروازہ نیست

ترجمہ ۱: ایمان تازہ کر لیکن نہ صرف زبانی باتوں سے اے وہ جو تونے خواہشات دل میں ٹھہرا رکھی ہیں۔
۲: جب تک خواہشات نفسانی تازہ ہیں ایمان تروتازہ نہیں ہو سکتا یہ خواہشات تو اس دروازہ کا تالا ہیں۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واسطے سے ایمان کی دعوت دی ہے جس نے انبیاء علیہم السلام کی دعوت قبول کی وہ ہدایت پا گیا اور اسے بہشت نصیب ہو گی اور جو منکر ہوا وہ جہنم میں گیا۔

عجائبات بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جہنم بھی غایت شفقت سے پیدا فرمائی ہے اس لیے کہ مثلاً جو شخص اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو۔ جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اس پر حرج نہیں لیکن دوسرا یوں اعلان کرے کہ میری مہمانی قبول کرو جو آئے گا عزت پائے گا اگر نہیں آئے گا تو اسے سزا ملے گی۔ یہ صرف اپنی مہمانی کی حاضری کے لئے کہے تو اس دوسرے کا اعلان شفقت و رحمت میں موکد تر ہو گا۔

(۲) بعض بزرگ فرماتے ہیں کہ نار جہنم ایک وجہ سے خیر ہے اور دوسری وجہ سے شر۔ جیسے نمرود کی آگ کفار کی نظروں میں عذاب تھی لیکن ابراہیم علیہ السلام کے لئے نعمت و رحمت یا جیسے حاکم کے ہاتھ کا ڈنڈا سرکشوں کے لئے رحمت ہے کہ انہیں سیدھا کر کے برائی سے بچائے گا اور دوسرے لوگ اسے عذاب سمجھیں گے۔

نسخہ: جو شخص عذاب جہنم سے بچنا چاہے اسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

حکایت حضرت مولانا روم قدس سرہ ایک دن قرآن والوں کو وعظ فرما رہے تھے کہ جو شخص گناہ کرتے کرتے توبہ کے بغیر مر گیا تو وہ جہنم میں جائے گا۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا عدل ہے ظلم نہیں۔ پھر گناہوں کی سزا دے کر اللہ تعالیٰ اسے جہنم سے نکال کر بہشت میں داخل فرمائے گا۔ ایک شخص نے وعظ میں کہا کاش کہ ایسا بندہ اپنی بے عزتی سے پہلے سمجھ جاتا تو اسے عزت و احترام سے بہشت نصیب ہوتی پھر اُس نے حضرت مولانا روم قدس سرہ سے عرض کی۔ حضرت! آپ میرے لئے دعا فرمائیے کہ وہ کریم مجھے عزت و احترام سے ہی بہشت عطا فرمائے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ کریم ہمارے ساتھ لطف و کرم فرمائے۔ وہی توفیق و ہدایت کا مالک ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا
لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ
الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ ۚ
وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ ﴿٤٠﴾ لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ
مِهَادٌ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۚ وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ﴿٤١﴾
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا
وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٤٢﴾
وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ
الْأَنْهَارُ ۖ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ
لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ ۖ لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۖ وَنُودُوا
أَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٤٣﴾ وَنَادَىٰ
أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ أَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا
حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا ۖ قَالُوا نَعَمْ ۚ فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ
بَيْنَهُمْ أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿٤٤﴾ الَّذِينَ يَصُدُّونَ
عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ ﴿٤٥﴾
وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ ۚ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا
بِسِيمَاهُمْ ۚ وَنَادَوْا أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ ۚ
لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْمَعُونَ ﴿٤٦﴾ وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ

اَصْحٰبَ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ع ۴۷

ترجمہ: وہ جنہوں نے ہماری آیتیں جھٹلائیں اور ان کے مقابل تکبر کیا ان کے لیے آسمان کے دروازے نہ کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں داخل ہوں جب تک سوئی کے ناکے اونٹ نہ داخل ہو اور مجرموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔[۴۰] انہیں آگ ہی بچھونا اور آگ ہی اوڑھنا اور ظالموں کو ہم ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں[۴۱] اور وہ جو ایمان لائے اور طاقت بھر اچھے کام کئے ہم کسی پر طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں رکھتے وہ جنت والے ہیں[۴۲] انہیں اس میں ہمیشہ رہنا اور ہم نے ان کے سینوں میں سے کینے کھینچ لیے ان کے لیے نیچے نہریں بہیں گی اور کہیں گے سب خوبیاں اللہ کو جس نے ہمیں اس کی راہ دکھائی اور ہم راہ نہ پاتے اگر اللہ نہ دکھاتا بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے اور ندا ہوئی کہ یہ جنت تمہیں میراث ملی صلہ تمہارے اعمال کا[۴۳] اور جنت والوں نے دوزخ والوں کو پکارا کہ ہمیں تو مل گیا جو سچا وعدہ ہم سے ہمارے رب نے کیا تھا تو کیا تم نے بھی پایا جو تمہارے رب نے سچا وعدہ دیا تھا۔ بولے ہاں اور بیچ میں منادی نے پکار دیا کہ اللہ کی لعنت ظالموں پر[۴۴] جو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں اور اسے کجی چاہتے ہیں اور آخرت کا انکار رکھتے ہیں[۴۵] اور جنت و دوزخ کے بیچ میں ایک پردہ ہے اور اعراف پر کچھ مرد ہوں گے کہ دونوں فریق ان کی نشانیوں سے پہچانیں گے اور وہ جنتیوں کو پکاریں گے کہ سلام تم پر جنت میں نہ گئے اور اس کی طمع رکھتے ہیں[۴۶] اور جب ان کی آنکھیں دوزخیوں کی طرف پھریں گی کہیں گے اے ہمارے رب ہمیں ظالموں کے ساتھ نہ کر۔[۴۷]

تفسیر عالمانہ

۴۰ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا : بے شک وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی۔

فائدہ: آیات سے وہ دلائل مراد ہیں جو اصولِ دین پر دلالت کرتے ہیں جیسے توحید نبوت، بعثت۔

وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا اور انہوں نے تکبر کیا آیات سے یعنی اُن سے انکار کر کے ایمان سے محروم رہے اور نہ ان کے تقاضا پر عمل کیا۔ اس سے کفار مراد ہیں۔ لَا تُفَتَّحُ تاء ثانیہ کو مشد د کر کے پڑھا جائے اس لیے کہ آسمان کے دروازے کثیر التعداد ہیں۔ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ اُن کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جاتے یعنی نہ ان کی دعائیں مستجاب ہوتی ہیں اور نہ ہی ان کے اعمال قبول ہوتے ہیں اور نہ ہی آسمان کی طرف اُن کی روحیں جا سکتی ہیں جیسے اہلِ ایمان کی شان ہے کہ ان کی دعائیں بھی مستجاب ہوتی اور ان کے اعمال بھی قبول ہوتے ہیں اور ان کی ارواح بھی آسمان پر جاتی ہیں۔

حدیث شریف مومن کی روح آسمان پر لے جائی جاتی ہے تو اس کے لیے آسمان کے دروازے کھولے جاتے ہیں پھر اسے کہا جاتا ہے مبارک ہو اس نفس کو جو پاکیزہ جسم کے اندر رہا۔ اسی طرح اسے ساتوں

آسمانوں پر لے جایا جاتا ہے اور اسی طرح اس کا استقبال ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لئے جب آسمان کے دروازہ کھولنے کے لئے کہا جاتا ہے تو اس کے لئے جواب آتا ہے کہ اے خبیث روح ذلیل وخوار ہو واپس لوٹ جا۔ اسی طرح اسے سجین میں دھکیلا جاتا ہے۔

فائدہ: سجین سب سے بڑے ابلیس کے ٹھہرنے کی جگہ ہے اور ساتوں زمینوں کے نیچے واقع ہے۔

مسئلہ: تمام ارواح خواہ سعید ہوں یا شقی سب کے سب اپنے اجسام کے ساتھ متعلق رہتے ہیں۔ اس بنا پر روح کو عذاب ہوتا ہے تو جسم کو اس سے درد محسوس ہوتا ہے جیسے سورج کو آسمان پر ہے لیکن اس کا نور زمین پر ہے

وہابی دیوبندی کو تازیانۂ عبرت

اہل ایمان گنہگاروں کی روحیں زمین و آسمان کے درمیان ہوا میں لٹکی رہتی ہیں ان میں بعض اپنی قبور میں مقید ہوتی ہیں کسی ایک ہفتہ تک کسی کو سہ وسال تک کسی کو کم، کسی کو زائد لیکن ان کو اس وقت نجات نصیب ہوتی ہے جب ان کے لئے ایصال ثواب کیا جاتا ہے اور نیکیوں کے ذریعے ان کی امداد کی جاتی ہے تب وہ کہیں صرف آسمانِ دنیا کی کسی ایک اقامت گاہ میں انہیں جگہ ملتی ہے [1]

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ؕ اور وہ بہشت میں داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو۔ یعنی یہاں تک کہ کوئی بڑے جسم والی شے کسی چھوٹے سے سوراخ والی شے میں داخل ہو جائے اور ظاہر ہے بڑے جسم والا اونٹ ہے اور تنگ سوراخ والی سوئی ہے یعنی جب مذکورہ بالا صورت ناممکن ہے اسی طرح اس کا موقف یعنی کافر کا بہشت میں داخل ہونا بھی محال ہے۔ عرب کا دستور ہے کہ کسی غیر ممکن الصدور شئے کو دوسری غیر ممکن الصدور سے مثال دیا کرتے ہیں۔ مثلاً کسی شاعر نے کہا ہے

اذ شاب الغراب اتیت اھلی
وصار القار کاللبن الحلیب

ترجمہ: جب کوا بوڑھا ہوگا تو میں اپنے گھر آؤں گا یا اس وقت تارکول سیاہ دودھ کی طرح سفید ہوگا یعنی نہ کوا بوڑھا ہوگا۔ اسی طرح نہ تیل مذکور سفید ہوگا۔ نہ گھر واپس آئے گا۔

حل لغات

الجمل ناقہ (اونٹنی) کے نر کو کہا جاتا ہے اور نہ اونٹ کو اس وقت جمل کہا جاتا ہے جب وہ ساتویں سال میں قدم رکھے ایسے ساتویں والے اونٹ کو رباع اور اونٹنی کو رباعیہ

---

[1] بفضلہ تعالیٰ ثواب کی سنت ہم اہل سنت میں بکثرت مروج ہے اور دیوبندی وہابی ٹولہ تعیین کی چکر بازی سے اکثر اس سنت نبوی سے محروم رہتے ہیں۔ ۱۲ - اویسی غفرلہ

د بالتخفیف) کہتے ہیں ۔ الخیاط ہر وہ شے کہ جس سے کسی شے کو سِلا جائے ۔ لیکن یہاں پر سوئی کا سوراخ دنا کہ مراد ہے) ۔

فائدہ: اگر الجمل بضم الجیم وتشدید المیم ہو بمعنی چھال سے بنی ہوئی موٹی رسّی ۔ یا کشتی کا موٹا رسا جسے قلس کہتے ہیں جسے چند رسیوں سے ملا کر بہت موٹا کر کے بٹا جاتا ہے ۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح بہت بڑی ہیبت ناک جزا یعنی بہشت سے محرومی کی طرح نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۔ ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں اس سے مجرمین کی جنس مراد ہے کہ جو بھی مجرم ہوگا وہ ہر حال میں جنت سے محروم ہوگا لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ ان کے لئے جہنم کے بچھونے ہوں گے مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ سے حال ہے مہاد سے جہنم کے بچھونے مراد ہیں ۔ جن پر جہنمی لیٹیں گے اور ان پر بیٹھیں گے ۔ وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ اور ان کے اُوپر پردے ہوں گے ۔ غواش غاشیہ کی جمع ہے ہر وہ چیز جو کسی شے کو چھپالے ۔ خلاصہ یہ کہ جہنم انہیں ہر طرف سے گھیرے گی ۔ اس طرح معلوم ہوگا کہ آگ جہنم کا بالاپوش ہے

حدیث شریف کافر کو قبر میں جہنم کی دو تختیاں پہنائی جاتی ہے ۔ وَكَذٰلِكَ اور اسی طرح سخت سزا یعنی جہنم کے عذاب میں مبتلا کرنے سے نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۔ ہم ظالموں کو سزا دیتے ہیں ۔ چونکہ جہنم کے ایسے عذاب دینے سے سب سے بڑا عذاب سمجھا جاتا ہے اس لئے اس کے بالمقابل جرم بھی سب سے بڑا ذکر کیا گیا ہے ۔

حکایت حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ کے ہاں ایک شخص کا ذکر کیا گیا کہ حدیث شریف میں ہے کہ سب سے آخر میں جہنم سے اس شخص کو نکالا جائے گا جس کا ھناد نام ہوگا جسے جہنم میں ایک ہزار سال "یا حنان یا منان" پکارتے گزرا ہوگا ۔ یہ حکایت سن کر حضرت حسن رو پڑے اور کہا کہ کاش کہ وہی ھناد میں ہوتا ۔ آپ کے مریدین نے یہ سن کر تعجب کیا تو آپ نے فرمایا کیا تم نے نہیں سنا کہ پھر بھی جہنم سے نکلے گا اور ہمیں تو اتنا بھی اپنے اوپر بھروسہ نہیں ۔

تفسیر صوفیانہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا الخ میں اچھی عادتیں مراد ہیں ۔ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء علیہم السلام کو عنایت فرمائیں یا وہ کرامات وعلوم لدنیہ مراد ہیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کرام کو عطا ہوئیں ۔ جن کا مخالفین نے ان کے ماننے سے انکار کیا بلکہ یہ سمجھا کہ ایسی باتیں ایسے لوگوں سے ظاہر نہیں ہوسکتیں ۔ لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ آیت میں ابواب السماء سے قلوب کے سماء مراد ہیں کہ جن کے دروازے کھلتے ہیں تو سالک کو بارگاہِ حق کا حضور نصیب ہوتا ہے ۔ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ میں الجنۃ سے القربۃ والوصال کی جنت مراد ہے "حتی یلج الجمل" میں الجمل سے نفس متکبر مراد ہے فی سم الخیاط سے طریقت کا راستہ مراد ہے کہ جس سے نفسِ امارہ کی تربیت کی جاتی ہے اور اس کا اس سے تزکیہ کیا جاتا

ہے تاکہ وہ امارہ سے مطمئنہ ہو جائے تاکہ وہ ارجعی کے خطاب کا مستحق ہو خلاصہ یہ کہ جب نفس امارہ تکبر سے اونٹ کی طرح ہو جاتا ہے وہ تو جنت حقیقت کے داخلے کا مستحق نہیں جب تک کہ احکام شریعت اور آداب طریقت سے اس کا تزکیہ نہ ہو۔ جب کہ اس کا تزکیہ ہوتا ہے تو اس کے صفات ذمیمہ مٹ جاتے اور ماسوی اللہ کے تمام تعلقات درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں تو پھر تاگے کے ہزارویں حصے سے باریک ہو جاتا ہے اس طرح وہ تاکے دھاگے میں سما سکتا ہے۔ بنابریں اس کے بعد اسے جنۃ البقاء کی بہشت میں داخل کیا جاتا ہے اسے پورے طور سمجھ لو کَذٰلِکَ الْمُجْرِمِیْنَ ۔ اسی طرح ہم مجرموں کو سزا دیتے ہیں ۔ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے ضعیف لطیف نفس پر گناہوں کے بوجھ لادے اور اسے ایسا کمزور کیا کہ وہ اونٹ کی طرح ہو گیا ۔ جیسے اس کی بوجھ اٹھانے کی عادات بن جاتی ہے ایسے ہی اس کے لئے ہم نے بھی ان کے لئے مجاہدہ وریاضت کے بچھونے بنائے کما قال لھم من جھنم مھاد ومن فوقھم غواش یعنی مخالفت نفس اور خواہشات نفسانی کو مٹانا ان کا اوڑھنا بچھونا بن جاتا ہے کہ یہ ہر دونوں باتیں نفس کو محیط ہو کر انہیں پگھلا دیتی ہیں ۔ بلکہ ان کی انانیت بالکل گل سڑ جاتی ہے اور ساتھ بھی ان کے وہ گناہ بھی جل جاتے ہیں جن کہ وہ قبل ازاں مرتکب ہوئے تھے اس طرح سے وہ بہشت کے مستحق ہو جاتے ہیں ۔

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ یعنی ظالمین کو بھی ہم اس طریقہ سے سزا دیتے ہیں تاکہ دنیا میں ان کے گناہ معاف ہو جائیں اور جتنے لوگوں کے حقوق اُن کے ذمہ ہیں وہ سب کے سب مستحقین کو واپس مل جائیں ۔ پھر جب وہ آخرت میں پہنچیں تو وہ بہشت کے داخلہ کی استعداد رکھتے ہوں ۔ اگر کوئی بھی دنیا کی سزا سے بچ گیا تو وہ مذکورہ بالا طریق سے اُسے آخرت میں سزا دیں گے ۔ کما قال ولنذیقنھم من العذاب الادنی دون العذاب الاکبر ۔ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۔ یعنی ہم انہیں دنیا کا عذاب چکھائیں گے جو بہ نسبت آخرت کے عذاب کے بہت کم ہے تاکہ وہ گناہوں سے رجوع کریں ۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

نسخہ روحانی مجاہدہ اور سلوک طریق تصفیہ اخیار (بزرگوں کا طریقہ ہے)

حکایت جب حضرت ابراہیم بن ادہم رحمۃ اللہ تعالٰی وادی میں داخل ہونے لگے تو آپ کو شیطان نے وسوسہ ڈالا کہ اس میں نہ جائیں اس لئے کہ وادی مذکور جان لیوا ثابت ہو گی لہٰذا اپنا ارادہ ترک فرمائیے اور پھر آپ کے ساتھ زادِ راہ بھی نہیں اور نہ ہی آپ کے پاس سواری ہے آپ نے اس کے جواب میں یہ ارادہ ظاہر فرمایا کہ جائیں گے ضرور لیکن ہر میل پر ایک ایک دوگانہ پڑھتے جائیں گے ۔ آپ کو اسی طرح اس وادی کو طے کرتے ہوئے بارہ سال گزر گئے یہاں تک کہ ہارون الرشید حج کو گیا تو آپ کو دیکھا کہ آپ ایک میل کے پیچھے نوافل پڑھ رہے ہیں ۔ آپ کو دیکھ کر پوچھا یہ کون بزرگ ہیں ۔ انہیں بتایا گیا کہ یہ ابراہیم

بن ادہم ہیں - چنانچہ ہارون رشید آپ کے ہاں حاضر ہوا اور عرض کی - اے ابو اسحاق کیا حال ہے اس کے جواب میں آپ نے یہ شعر پڑھ کر سنائے ؎

نرقع دنیانا بتمزیق دیننا
فلا دیننا یبقی ولا ما نرقع
فطوبی لعبد آثر اللہ ربہ
وجاد بدنیاہ لما یتوقع

ترجمہ :- ہم دین کو ٹکڑے ٹکڑے کرکے دنیا جمع کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن بدقسمتی سے نہ ہمارے ہاتھ میں دین باقی رہتا ہے نہ دنیا - وہ بندہ خوش قسمت ہے جو صرف طالب مولا ہے - پھر اس کی شان یہ ہوتی ہے کہ دنیا اس کے قدموں پر قربان ہوتی ہے"

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

دع التکاسل تغنم فقد جری مثل
کہ زاد راہروان چستیت و چالاکی

ترجمہ : سستی چھوڑ اور وقت کو غنیمت جان اس لئے کہ مسافروں کا زادِ راہ چستی اور چالاکی ہے -

تفسیر عالمانہ ۴۲ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اللہ تعالیٰ کی آیات پر وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اور نیک عمل کئے یعنی ان اعمال صالحہ پر عمل کیا جو آیات مذکورہ سے مشروع ہیں اُن سے وہ اعمال مراد ہیں جنہیں رضائے الٰہی مطلوب ہو - لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَآ ہم کسی نفس کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی وسعت کے مطابق -

فائدہ : وسع بمعنی طاقت اور قدرت ہے یہ مبتدا خبر کے درمیان جملہ معترضہ ہے تاکہ معلوم ہو کہ بہشت کا استحقاق دو باتوں سے ہے ایمان اور اعمال صالحہ لیکن اعمالِ صالحہ حسب وسعت و طاقت بشری کے اس سے مراد یہ نہیں کہ اعمال صالحہ میں کھپا جائے - اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ وہی لوگ بہشتی ہیں یعنی ایسے لوگوں کے لئے بہشت لازم ہے - هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ - وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے" یہ اصحاب الجنۃ سے حال ہے ۴۳ وَنَزَعْنَا نزع بمعنی شے کو جڑ سے اکھیڑ دینا - مَا فِیْ صُدُوْرِهِمْ یعنی اُن کے دلوں کو اندر جو کچھ ہوگا اسے باہر نکال کر پھینک دیں گے - مِّنْ غِلٍّ یعنی ان کے دلوں کے اندر ایک دوسرے کی سخت رنجش اور آپس کا بغض یعنی جو کچھ دنیا میں ایک دوسرے پر بغض و عداوت کے اسباب ان کے دلوں پر پیدا ہوئے انہیں ہم نکال دیں گے اس لئے کہ وہ اسباب بوجہ دنیا میں رہنے اور اس سے متعلق

ہونے کی وجہ سے تھے۔ اب جب کہ دنیا میں نہ رہے تو ان اسباب کا ہونا کس لیئے۔

فائدہ: حسد بغض کینہ وغیرہ دنیا میں شیطان کے وسوسے سے پیدا ہوتا ہے جب دارِ آخرت میں پہنچیں گے تو نہ شیطان ہوگا نہ وہ وسوسہ ڈالے گا اور نہ حسد اور بغض و کینہ پیدا ہوگا۔ اس لیئے کہ شیطان تو جہنم کے عذاب میں مبتلا ہوگا جب اُسے اس سے فراغت ہی نہ ہوگی تو قلبِ انسانی میں کس طرح وسوسہ ڈال سکے گا یا یہ معنی ہے کہ ہم اُن کے قلوب سے حسد اور بغض و عداوت کو دھوڈالیں گے اب جب کہ مادہ فاسدہ ہی نہ ہوگا تو پھر وہاں سوائے آپس کی محبت کے اور کچھ نہ ہوگا۔ یعنی قیامت میں ایک دوسرے کے درجات بلند دیکھ کر آپس میں حسد نہیں کریں گے اور نہ ہی کسی کو بلندی درجات کی محرومی سے کچھ رنج وغم ہوگا۔

شانِ نزول حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و عمر و عثمان و علی و طلحہ و زبیر و ابن مسعود و عمار بن یاسر و سلمان و ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے حق میں نازل ہوئی جب کہ دنیا میں اُن کے آپس میں معمولی طور جھگڑے ہوئے یا جنگیں ہوئیں۔ ان کے تمام خیالات و تصورات مٹادیئے جائیں گے اور بھائی بھائی ہوکر بہشت کے بلند تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے نظر آئیں گے ؎

پاک و صافی شو و از چاہ طبیعت بدر آئی
کہ صفائی نہ دہد آب تراب آلودہ

ترجمہ: پاک و صاف ہو اور طبیعت کے کنویں سے باہر آجا جس میں مٹی ہو وہ کنواں صاف پانی نہیں دیتا۔

تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهِمُ۔ ان کے درختوں اور بالاخانوں کے نیچے جاری ہوں گی اَلْاَنْهٰرُ۔ نہریں تاکہ اُن کے سرور اور لذت میں اضافہ ہو۔ وَقَالُوْا۔ جب اہل جنت اپنی منزلیں دیکھیں گے تو کہیں گے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیئے ہیں جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں ہدایت بخشی لِهٰذَا اس دین اور اعمال صالحہ کے لیئے کہ جس کی جزا یہی بلند مراتب ہیں۔ وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ ورنہ ہم مرتبہ علیہ پر پہنچنے کے لائق نہ تھے۔ لَوْلَآ اَنْ هَدٰىنَا اللّٰهُ اگر ہمیں اللہ تعالیٰ ہدایت نہ دیتا یعنی صرف اس کی توفیق سے ہمیں یہ مراتب نصیب ہوئے ؎

۱: گر بدرقہ لطف تو ننماید راہ
از راہ تو ہیچکس نگردد آگاہ

۲: آنکہ کہ برہ رسند باید رفتن
توفیق رفیق نشد وا ویلاہ

ترجمہ: اگر تیرا لطف رہبر بن کر راہ نہ دکھائے تو تجھ تک کسی کو راہ نصیب بھی نہ ہو۔

۲۔ وہ جو صحیح راہ پا چکے اور اسی پر چلنا چاہیے لیکن افسوس کہ انہیں کو توفیق نہ ہوئی۔

اعجوبہ تفسیر ؛ حضرت سدی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ جب بہشتیوں کو بہشت میں لے جایا جائے گا تو بہشت کے دروازہ پر ایک درخت پائیں گے جس کی جڑوں سے دو چشمے جاری ہوں گے اُن کے ایک سے پانی پیئں گے تو ان کی دلوں میں جتنا حسد اور بغض و کینہ ہو گا وہ سب نکل جائے گا۔ یہی شراباً طہوراً ہو گا دوسرے سے غسل فرمائیں گے تو انہیں بہشت کی رونق نصیب ہو جائے گی کہ جس سے سر کے بال اجڑے ہوئے نظر آئیں گے اور نہ ہی جسم پر میل کچیل اور ہر طرح کے تغیر و تبدل سے محفوظ ہو جائے گا۔

فائدہ : شعث بمعنی سر کے بالوں کا منتشر ہونا۔ اشعث ہر وہ شخص جس کے سر کے بال اُجڑے ہوئے اور غبار آلود ہوں اور شحب از باب نَصَرَ یَنْصُرُ بمعنی تغیر۔ ان چشموں کے پانی پینے اور نہانے کے بعد بہشت میں داخل ہونے سے پہلے ان کا ملائکہ کرام استقبال کرتے ہوئے کہیں گے۔ اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ اُوْرِثْتُمُوْهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۔ یہ وہی بہشت ہے جس کے تم وارث بنائے گئے ہو بوجہ ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے بہشتی جب بہشت میں داخل ہو کر اپنی منزلوں میں قرار پائیں گے تو کہیں گے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدٰىنَا ۔ الخ۔

تفسیر صوفیانہ صوفیاء کرام کے نزدیک غل سے صفات بشریہ اور اس کی کدورت مراد ہے اور دل کی پاکی نور ایمان سے اور روح کی ماءِ عرفان سے اور اسرار کی شراب طہور سے ہوتی ہے جس کی وجہ سے اُن پر صفاتِ جمال متجلی ہوتے ہیں۔ اور اہلِ حقیقت کے دلوں میں حسد اور بغض و عداوت ہوتی ہی نہیں نہ دُنیا میں نہ آخرت میں۔

تفسیر عالمانہ لَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا ۔ یہ جواب ہے قسم محذوف کا جو کہ دراصل "واللہ لقد جاء" تھا۔ یعنی بخدا بے شک ہمارے ہاں ہمارے رب تعالیٰ کے رسل کرام تشریف لائے بالحق حق لے کر یہ باتقدیہ کی ہے یا ملابست کی ہے۔ اس معنی پہ عبارت ہو گی لقد جاءوا متلبسین بالحق اس کا تعلق اہل جنت سے جب وہ اپنے رسل کرام کے دیئے ہوئے وعدوں کے مطابق نعمتوں کو آنکھوں سے دیکھیں گے تو یہی کہیں گے گویا وہ خوشی اور سرور مستی سے اقرار کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کریں گے۔

فائدہ : حدادی صاحب نے فرمایا کہ اس سے ان کی شہادت مراد ہے کہ واقعی ہمارے ہاں اللہ تعالیٰ کے پیغمبران عظام علیہم السلام حق لے کر تشریف لائے اور ہم نے نہ مانا۔ وَنُوْدُوْٓا اَنْ تِلْكُمُ الْجَنَّةُ ۔ اہل بہشت کو دُور سے ملائکہ پکار کر کہیں گے کہ تم جو کچھ دیکھ رہے ہو یہ وہی بہشت ہے جس کا تمہیں دنیا میں وعدہ دیا گیا تھا اس معنی پر یہ اَن مفسرہ ہو گا یا مخففہ ہے اور تلکم مبتدا ہے۔ یہ اس کی طرف اشارہ ہے جو بہشتی دُور سے دیکھیں گے۔ الجنۃ خبر ہے اور اس کی لام عہد کی ہے۔

اُوْرِثْتُمُوْھَا " تم اس کے وارث بنائے گئے ہو یہ الجنۃ سے حال ہے۔ بِمَا کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ہ بسبب ان اعمال صالح کے جو تم نے دنیا میں کئے۔

سوال : اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل ہوگا حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا " تم میں کوئی بھی اپنے اعمال کی وجہ سے بہشت میں داخل نہ ہوگا۔ بلکہ بہشت کا داخلہ صرف رحمت الٰہی کے سبب سے ہوگا۔ آیت مبارکہ و حدیث شریف میں تطبیق کس طرح دوگے۔

جواب :- اعمال صالحہ ذاتی طور تو بہشت کے داخلہ کے اسباب نہیں بلکہ اس لئے کہ اُن پر عمل کرنے کا اللہ تعالٰی کا حکم ہے اور ان کی بجا آوری پر اس نے اپنے فضل و کرم سے بہشت میں داخل کرنے کا وعدہ فرمایا ہے یہ محض اس کا فضل و احسان ہے چونکہ فضل و کرم کا وعدہ اعمال کے سبب سے ہے بنا بریں آیت میں اسے بیان کیا گیا۔ اس لئے فرمایا گیا ہے اور ثْتُمُوھَا الخ ورنہ حقیقی طور تو بہشت کا داخلہ اللہ تعالٰی کے فضل و احسان سے ہوگا " کذا فی حواشی ابن الشیخ "

حدیث شریف قدسی بہشتیوں کو قیامت میں اللہ تعالٰی کا حکم ہوگا کہ پل صراط سے میرے عفو و کرم سے گزرو اور بہشت میں میری رحمت سے داخل ہو جاؤ اور اسے اپنے اعمال کے مطابق تقسیم کر لو اس سے اعمال کی وہ جنت ہے جس میں لوگ اپنے اعمال کے مراتب کے مطابق داخل ہوں گے جس کے اعمال زیادہ ہوں گے انہیں بہشت کا وافر حصہ ملے گا خواہ اس مرتبہ پر کوئی اور بھی فائز ہو بہشت میں بعض ایسے درجات بھی ہیں جو خصوصیت سے مخصوص اعمال پر ملیں گے۔

حضرت بلال اور شب معراج حدیث صحیح میں ہے کہ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رض سے فرمایا کہ اے بلال تم کس عمل کی برکت سے مجھ سے پہلے بہشت میں پہنچے میں بہشت میں تیرے جوتوں کی آہٹ سنتا تھا۔ حضرت بلال رض نے عرض کی۔ میں بے وضو نہیں رہتا جب وضو ٹوٹتا ہے تو فوراً وضو کر لیتا ہوں اور جب وضو کرتا ہوں تو فوراً دوگانہ پڑھ لیتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا بس یہی وجہ ہے۔

فائدہ :- اس سے معلوم ہوا کہ حضرت بلال رض کو وہ مرتبہ ایک خصوصی عمل سے نصیب ہوا۔

قاعدہ : ہر فرض و نفل اور ہر کار خیر اسی طرح ہر برائی اور مکروہ عمل سے بچنے پر علیحدہ علیحدہ مخصوص بہشت کا مرتبہ مختص کیا جائے گا اور خصوصی نعمت نصیب ہوگی جو صرف اس عمل کی وجہ سے ہوگی۔

اقسام طاعات بعض کے مراتب بڑھاپے کی وجہ سے بڑھ جائیں گے مثلاً کوئی شخص طاعت الٰہی میں بڑی عمر پا کر مرے گا تو اس کے مراتب اس شخص سے بلند ہوں گے جو چھوٹی عمر میں طاعات

الٰہی بجا لاکرمرا - بعض کو زمانہ کی نسبت سے فضیلت ہوگی - مثلاً رمضان شریف اور جمعہ مبارک اور لیلۃ القدر اور دسویں ذوالحج و محرم یعنی یوم عاشورہ کی عبادت کا ثواب بہ نسبت دوسرے ایام کے افضل و اعلیٰ ہے بعض کو بوجہ مکان کے فضیلت ہوگی مثلاً مسجد حرام کی عبادت مسجد مدینہ سے اور مسجد مدینہ طیبہ کی عبادت مسجد اقصیٰ سے اور مسجد اقصیٰ کی تمام مساجد کی عبادت سے افضل ہے بعض کو بعض احوال سے فضیلت ہوتی ہے - مثلاً نماز باجماعت پڑھنا اکیلے کی نماز سے افضل ہے بعض اعمال بھی بہ نسبت دوسرے اعمال کے افضل ہوتے ہیں مثلاً نماز افضل عبادت ہے بہ نسبت راستہ سے ایذا دینے والی چیز کو دور کرنے سے بعض موقع ایک کے ساتھ نیکی کرنے سے بہت لوگوں کے ساتھ نیکی کرنے سے زیادہ ثواب ہوتا ہے - مثلاً رشتہ دار کو صدقہ دینا دوسروں کے صدقہ دینے سے افضل ہے - اسی طرح سیدصاحب کو نذرانہ پیش کرنا بہ نسبت دوسروں سے مروت و احسان کے زیادہ ثواب ہے - بعض اعمال ایسے ہوتے ہیں کہ اس سے ہر وقت اعمال کثیرہ کا ثواب حاصل ہوتا ہے - مثلاً روزے دار کو بوقت روزہ آنکھ اور کان اور ہاتھ کو پابند شرح رکھنے سے ہر ایک عضو کا علیحدہ علیحدہ ثواب ملتا ہے - اسی طرح صدقہ دیتے وقت آنکھ اور ہاتھ وغیرہ کا صدقہ کے علاوہ ثواب ملتا ہے بلکہ نماز میں تو سارے تقسیم کے رونگٹے رونگٹے کا اجر و ثواب نصیب ہوتا ہے اور اس میں اندرونی اعضاء مثلاً نیت قلبی سے قلب کے علاوہ ثواب ملے گا دیکھئے ایک وقت میں کتنا بہت بڑا اجر و ثواب نصیب ہوا - صرف اس لئے کہ ایک کام کرتے وقت متعدد وجوہ سے ثواب حاصل ہوتا گیا بنابریں نماز کی عبادت اور بہت بڑی عبادات پر فوقیت رکھی ہے

- **فائدہ :** ایک جنت مخصوص ہے جو قیامت میں مندرجہ ذیل مخصوص حضرات کو ملے گی جو اللہ تعالیٰ خصوصی طور اعمال کے بغیر عطا فرمائے گا -

(۱) وہ چھوٹے بچے جو عمل صالح کے لائق نہ ہوئے تھے کہ انہیں پیک اجل پہنچا اس کی حد چھ سال ہے یعنی وہ چھوٹے بچے جو پیدا ہونے کے بعد چھ سال کے اندر فوت ہوگئے انہیں جن کو خداوند قدوس جلے گا اپنی خصوصی جنت عطا فرمائے گا -

(۲) وہ مجنون اور پاگل جو دنیا میں بے عقل ہو کر زندگی بسر کر گئے -

(۳) اہل توحید علمی

(۴) اہل عزت یعنی اس زمانہ کے لوگ جس زمانہ میں کوئی نبی علیہ السلام مبعوث نہ ہوا - اسی طرح وہ لوگ جن کو کسی نبی علیہ السلام کی دعوت دینی نہ پہنچ سکی -

فائدہ : ایک جنت میراث بھی ہوگی اسمیں وہ ہی لوگ داخل ہوں گے جن کا ہم نے پہلے ذکر کیا ہے اور اہل ایمان سب کے سب یعنی وہ مقامات جو اہل نار کے لئے متعین تھے کہ اگر وہ بھی ایمان و اعمال صالحہ کرتے تو انہیں ہی

مقامات نصیب ہوتے۔ لیکن شومیٔ قسمت سے وہ دولت ایمان اور اعمال صالحہ سے محروم ہو کر دوزخ میں چلے گئے۔ اس لئے ان کے مقامات و مراتب مذکورہ لوگوں اور اہلِ ایمان پر تقسیم ہوں گے۔

حدیث شریف جب وہ اس وقت آرزو کریں گے کہ کاش ہمیں بھی ہدایت نصیب ہوتی اس سے وہ ندامت کے آنسو بہائیں گے جب اہلِ بہشت دوزخ میں اپنے متعین مقامات دیکھیں گے تو کہیں گے اگر ہمیں ہدایت نصیب نہ ہوتی تو ہم بھی وہاں ہوتے لیکن اس کریم نے ہمیں دوزخ سے بچا لیا۔

تفسیر صوفیانہ بہشت دو قسم ہے (۱) صوری (۲) معنوی صوری جنتہ تو محسوسات سے تعلق رکھتی ہے اور وہ اپنے میعاد پر ملے گی۔ لیکن معنوی جنت معقولات سے تعلق رکھتی ہے وہ نقد ملتی ہے اس کے لئے کوئی مدت مقرر نہیں ایسی بہشت کے داخل ہونے والوں کو اہل فنا و بقا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

جنتہ نقد ست۔ ایں جا عشرت و عیش و حضور
زانکہ در جنت خدا بر بندہ نہ نویسد گناہ
اَللّٰھُمَّ شَرِّفْنَا بِالْجِنَانِ اِنَّکَ اَنْتَ الْمَنَّانُ

ترجمہ: اے اللہ ہمیں جنت سے مشرف فرما بے شک تو منت و احسان والا ہے۔

تفسیر عالمانہ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ اَصْحٰبَ النَّارِ اور بہشتی دوزخیوں کو پکار کر کہیں گے بوجہ اپنے مال پر مسرور ہو کر اعدائے اسلام کا برا حال دیکھ کر اور انہیں حسرت میں ڈالنے کی غرض سے نہ انہیں اپنے حال سے باخبر کرنے یا ان سے احوال پوچھنے کی بنا پر۔

نکتہ اہل جنۃ و اہلِ نار کو آپس کی گفتگو اور ایک دوسرے کو ندا دینے کی ایک وجہ یہی ہے کہ اہل نار کو حسرت ہو ورنہ ان کے مابین اتنا بڑا بُعد ہو گا کہ جس کی مقدار صرف اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ اس لئے کہ اہل جنت کے درجات کی بلندی اُن کے اعمال مطابق جتنا اونچی ہو گی اتنا اہل نار کے درجے جہنم میں نیچے ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں جہنمیوں کے درجوں پر جھانکنے پر قدرت دے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"فَاطَّلَعَ فَرَاٰهُ فِیْ سَوَآءِ الْجَحِیْمِ" یعنی اہل جنت جھانک کر جہنم کے وسط کو دیکھے گا اور کہے گا۔ اَنْ یہ منادی کی تفسیر کے لئے ہے اس لئے کہ ندا بمعنی قول کے ہے اور ایسے ابواب کے بعد اَنْ تفسیریہ آتا ہے یا تحتہ ہے۔

قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا کیا تم نے بھی اپنے رب تعالیٰ کے وعدہ کو پایا ہے یا نہ۔ یعنی

جیسے تمہارے لئے عذاب کا حکم فرمایا تھا وہ تمہارے ساتھ پورا ہوا یا نہ ۔
فائدہ : وَعَدٌ خیر و شر ہر دونوں کے لئے مستعمل ہوتا ہے ۔ **حَقًّا** سچا وعدہ یہاں پر فعل ثانی کا مفعول محذوف ہے اس لئے کہ یہ "مَا وَعَدَکُم" ہونا چاہیے ۔ جیسا کہ پہلے جملہ میں "مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا" کہا گیا ہے ۔
نکتہ مفعول کو حذف کرنے میں اشارہ ہے کہ وہ ایسے گرے ہوئے ہیں کہ اب وہ خطاب کی شرافت سے محروم ہیں ۔ قَالُوْا نَعَمْ جہنمی کہیں گے ہاں ہم اپنے رب تعالیٰ کے وعدے کو پا چکے ہیں ۔ وہ ایسے وقت اعتراف کریں گے لیکن اس وقت انہیں وہ اعتراف کوئی فائدہ نہ دے گا ۔ کسی شاعر نے فرمایا ہے ؎

۱ ۔ کنون باید اے خفتہ بیدار بود
جو مرگ اندر آرد زخواست چہ سود

۲ ۔ تو پیش از عقوبت در عفو کوب
کہ سودے ندارد فغاں زیر چوب

ترجمہ ۱ ۔ اے سونے والا ابھی جاگ جب موت خواب سے بیدار کرے تو کیا فائدہ ۔
۲ ۔ سزا سے پہلے ہی معافی کا دروازہ کھٹکا ، ڈنڈا کے نیچے فریاد فائدہ نہ دے گی ۔

فَاَذَّنَ پس اعلان کرے گا ۔ مُؤَذِّنٌ اعلان کنندہ اس سے وہ فرشتہ مراد ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر ہوگا کہ ان سب کو اعلان کر دے جسے وہ تمام بہشتی اور جہنمی سن لیں گے ۔ بعض کہتے ہیں اس سے اسرافیل علیہ السلام مراد ہیں ۔ بَیْنَهُمْ درمیان باذن کا مفعول فیہ ہے یعنی اسے حکم ہوگا کہ وہ دونوں طریقوں کے درمیان اعلان کرے کہ اَنْ یہ تفسیریہ ہے اس لئے کہ تاذین بمعنی قول ہے یا مخففہ ہے لَعْنَةُ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کی لعنت لازم ہو چکی ہے ۔ عَلَى الظّٰلِمِیْنَ کفار پر (نہ کہ اہل ایمان پر) ۔

سوال : تم نے یہاں پر "الظالمین" کا معنیٰ الکافرین کہاں سے سمجھا ۔

جواب : جب لفظ ظلم مطلقاً مستعمل ہو تو وہاں ظلم کا آخری درجہ مراد ہوتا ہے اور ظلم کا آخری درجہ کفر و شرک ہے اس لئے ان کے حال کی خبر دینا مطلوب ہے بعض کہتے ہیں کہ ان پر لعنت کی ابتدا اس وقت سے ہوگی ۔

۴۵ الَّذِیْنَ یَصُدُّوْنَ وہ لوگ جو روکا کرتے تھے یہاں پر یَصُدُّوْنَ بمعنی یُعْرِضُوْنَ ہے ۔

سوال : یَصُدُّوْنَ بمعنی یَمْنَعُوْنَ کیوں نہیں کیا گیا ۔

جواب : یمنون متعدی ہے اور اس کے لئے مفعول بہ مقدر ماننا پڑتا ہے اور مقدرات بلا وجہ نہیں ہوتے ۔ یُعْرِضُوْنَ سے بلا ضرورت معنی صحیح ہو سکتا ہے تو پھر یَمْنَعُوْنَ کا معنیٰ میں تو وہاں حذف کی ضرورت پڑے گی ۔ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستے یعنی دین سے جو کہ وہی اللہ تعالیٰ کا

راستہ تھا اور وہی بہشت کے داخلہ کا سبب تھا۔

فائدہ: السبیل بمعنی الطریق وما وضح منہ ہے (کذا فی القاموس)

وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا اور وہ اس لئے ٹیڑھاپن کی تلاش میں رہتے تھے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے واضح طریق کو ٹیڑھا قرار دیتے اور اسے ہزاروں کوس حق سے دور سمجھتے تھے وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ كَافِرُوْنَ اور وہ آخرت کے بھی منکر تھے اور کہتے تھے کہ مرنے کے بعد اٹھنا نہیں۔

فائدہ: اگر ظالمین بمعنی کافرین ہو تو اوصاف مذکورہ بمنزلہ تاکید کے ہوں گے اس لئے کہ ظالمین کی جو تین صفتیں بیان کی گئی ہیں یہی کفار کی صفتیں ہیں وہ تین صفات یہ ہیں۔

۱: اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکنا

۲: اللہ تعالیٰ کے دین کو ٹیڑھاپن ظاہر کرنا۔ یعنی دین کی حقانیت کے دلائل میں شکوک و شبہات پیدا کرنا۔

۳: آخرت کا انکار کرنا یہ تمام صفات صرف کفار کے ہیں۔ جن ظالموں میں یہ اوصاف پائے گئے ان کے لئے کفر ثابت ہو گیا۔

تفسیر صوفیانہ اصحاب الجنۃ یعنی ارباب محبت اصحاب النار یعنی قطعیت کے اصحاب کو پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ " الا من طلبنی وجدنی " خبردار جو مجھے تلاش کرتا ہے وہ مجھے پا لیتا ہے کیا تم نے بھی اپنے وعدے کو پا لیا ہے کہ فرمایا تھا " مَنْ يَطْلُبُ غيري لم يجدني " جو میرے غیر کی طلب میں ہوتا ہے وہ مجھے ہرگز نہیں پائے گا۔ اہل قطعیت انہیں جواب دیتے ہیں کہ ہاں ہمیں اس غلطی کی سزا مل گئی ہے اس کے بعد عزت و عظمت کا اعلان کنندہ ان کے مابین اعلان کرے گا کہ ان ظالموں پر لعنت ہو کہ جنہوں نے اپنی استعداد کو غیر محل میں رکھا اور اسے غیر مصرف پر صرف کیا۔ ظالم وہ لوگ ہیں جو قلب و روح کو اللہ تعالیٰ کے راہ اور اس کی طلب سے دور رکھتے تھے بلکہ اس کے اندر ٹیڑھاپن تلاش کرتے تھے یعنی اپنے ارادوں کو دنیا و مافیہا کی طرف لگاتے اور وہ آخرت کے منکر تھے یعنی اہل محبت کی ان باتوں کا انکار کرتے تھے جہاں ان کی رسائی نہیں تھی بلکہ وہ ایسے امور کے طالب رہتے تھے جو ان کے حواس تک محدود تھے اور آخرت کی انہیں کسی قسم کی پرواہ نہ تھی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

سبق لوگوں کے مختلف مراتب ہیں کوئی اقراری کوئی انکاری، نگاہ کے مطابق مرتبہ نصیب ہوتا ہے جو سالک ہیں ان کے مراتب بلند ہیں اور وہ اس راہ سے بے خبر اور محروم ہی محروم ہیں۔ مثنوی شریف میں ہے۔

کودکاں گرچہ بیک مکتب دارند

در سبق ہر یک ز یک بالاترند

خود ملائک نیز تا ہمتا بدند
زیں سبب بہ آسماں صف صف شدند

ترجمہ ۱۔ اگرچہ بچے ایک ہی مدرسہ میں پڑھتے ہیں لیکن سبق میں ایک دوسرے بلند و بالا ہیں
۲۔ فرشتے بھی جب ہمتا ہوئے تو پھر آسمان پر صف بہ صف ہوئے۔

سبق سالک کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلبِ حق میں جد و جہد کرے تاکہ اسے حقیقت کے خزانوں پر آگاہی نصیب ہو اس لئے کہ مطلب اعلیٰ اسے نصیب ہوتا ہے جو کھرے کھوٹے کا امتیاز رکھتا ہو۔

موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی نصیحتیں

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو وحی بھیجی کہ پرندے کی طرح زندگی بسر کرو کہ وہ اپنی روزی درختوں سے لیتا ہے اور پانی پی کر زندگی بسر کرتا ہے جب رات آجاتی ہے تو کسی غار میں چھپ کر رات بسر کر لیتا ہے اسے محبت ہے تو صرف میری ذات سے اور ڈرتا ہے، اس سے جو میرا نافرمان ہے اے موسیٰ علیہ السلام میں نے قسم کھائی ہے جو عمل کا مدعی ہے اس کا دعویٰ غلط کردوں اور جو میرے سوا کسی دوسرے سے امید رکھتا ہے اس کی آرزو پوری نہ کروں اور جو میرے غیر پر سہارا کرتا ہے اس کی جڑ کاٹ دوں اور اس سے منہ پھیر لوں جو میرے سوا کسی دوسرے سے محبت کرتا ہے اے موسیٰ علیہ السلام میرے بعض بندے ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ مجھے بلائیں تو میں ان کی بات سنوں اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں تو میں ان کی دعا قبول کروں اگر وہ میری طرف متوجہ ہوں تو میں انہیں قریب کر دوں۔ اگر وہ میرا قرب چاہیں تو میں اُن سے پردہ ہائے صفات ہٹا دوں وہ جو عمل کریں میں اُن کی انہیں جزا دوں۔ میں ان کے جملہ امور کی کفالت کروں اور ان کے قلوب کو راز سے بھر دوں۔ بلکہ ان کے تمام کاموں میں، میں ہی متولی بنوں۔ ان کی راحت صرف میرے ذکر میں ہوتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کی بیماریاں بھی شفا ہوتی ہیں اور اُن کے دل نور سے منور ہوتے ہیں وہ صرف مجھ سے مانوس ہیں ان کے دل کا سفر صرف میری طرف ہوتا ہے۔ اُن کو قرار صرف میری ذات سے نصیب ہوتا ہے اینہما اور ان دونوں فریقوں یا بہشت و دوزخ کے درمیان حجاب پردہ ہوگا۔ جیسے شہر کے لئے چار دیواری ہوتی ہے کہ دوزخی بہشتیوں کے ہاتھ نہیں پہنچ سکیں گے اور نہ ہی بہشتی دوزخیوں سے ایذا پا سکیں گے اور نہ ہی دوزخی بہشتیوں کی نعمتوں سے بہرہ ور ہو سکیں گے اس لئے کہ وہی پردہ ان کے ایک دوسرے تک پہنچنے نہیں دے گا نہ وارد ہے کہ اگر حور عین بہشت سے دنیا کی طرف جھانک کے دیکھے تو دنیا اس کے نور سے منور اور اس کی خوشبو سے معطر ہو جائے اسی طرح دوزخ کے متعلق لکھا ہے کہ اگر اس کی ایک چنگاری دنیا میں گرے تو تمام دنیا کو جلا کے رکھ دے۔

سوال : ۔ عدادی نے فرمایا یہ حجاب کیسا اور اس کی یہ تعبیر کیسی جب کہ وارد ہے کہ بہشت آسمانوں کے اُوپر ہے اور دوزخ زمینوں کے نیچے ۔

جواب : اللہ تعالیٰ نے آیت میں توضیح نہیں فرمائی اور نہ ہی اس کی مسافت بتائی ہے لیکن حجاب کا لفظ فرمایا تو ہمارا اس پر ایمان ہے اس کے لبعد مسافت کو حجاب "سے تعبیر کیا جائے تو بجا ہے ۔

وَعَلَى الْأَعْرَافِ اس حجاب کے اعراف یعنی اس کی بلندیوں پر اس سے وہ مضبوط قلعے مراد ہیں جو اہلِ ایمان اور کفار کے مابین کھڑے کئے گئے ہیں بعض کہتے ہیں یہی احد پہاڑ ان کے درمیان حجاب کے طور کھڑا کیا جائے گا اعراف عرف کی جمع ہے ہر اونچی اور بلند شئے کو کہا جاتا ہے مثلاً کہتے ہیں عرف الدیک والفرس اور اسے اس نام سے اس لئے موسوم کرتے ہیں کہ اونچی شے اپنے سے نیچے والی اشیاء سے اعراف معروف تر ہوتی ہے **رِجَالٌ** بعض لوگ ہیں ۔ اس سے وہ اہلِ ایمان مراد ہیں جنکی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی وہ جہنمیوں اور جنتیوں ہر دونوں کو دیکھیں گے کوئی ایسا عمل نہیں ہو گا کہ جس کے سبب سے وہ جہنم یا بہشت میں کسی ایک کے لئے راجح بن سکے پھر جب انہیں قیامت میں سجدہ کا حکم ہو گا وہی ایک دن باقی ہو گا جس سے سجدہ کرنے پر بہشت اور نہ کرنے پر جہنم میں جانا ہو گا چنانچہ وہ سجدہ میں گریں گے تو بہشت میں داخل ہوں گے اس لئے کہ اس ایک سجدہ سے نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو جائے گا اعراف کے متعلق چند اقوال اور ہیں جنہیں ہم آگے چل کر بیان کریں گے منجملہ اُن کے ایک یہی ہے۔ **يَعْرِفُونَ** ۔ یہ رجال کی صفت ہے یعنی وہ لوگ پہچانیں گے **كلاً** ہر ایک کو بہشت اور دوزخ والوں کو **بِسِيمٰهُمْ** ان کی نشانیوں سے جو کہ اللہ تعالیٰ نے بطور علامت کے ان ہر ایک کو دے رکھی ہیں ۔ مثلاً بہشتیوں کے چہرے سفید ہوں گے اور دوزخیوں کے سیاہ لیکن علامات سے پہچاننا میدانِ حشر میں ہو گا اور بہشت کے داخلہ سے پہلے جب وہ لوگ بہشت یا دوزخ میں داخل ہو جائیں گے اس کے بعد علامات سے پہچاننے کی ضرورت نہیں رہے گی ۔ اُس وقت مشاہدہ و احساس سے معلوم ہو گا کہ یہ بہشتی ہے اور وہ دوزخی ۔

فائدہ : ندا ، ۔ صرف اس کا ذکر آتا ہے ۔ ایتان بہشت بہشت میں داخل ہونے کے بعد ہو گا ۔ **وَنَادَوْا** یہ رجال کی دوسری صفت ہے ۔

سوال : **يَعْرِفُونَ** اوّل مضارع و نادُوا صفت ثانی ماضی یہ کیوں ۔

جواب : ندا کو وقوع پذیر ہونے پر محمول کرکے ماضی سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ علم معانی کا قاعدہ ہے ۔

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ بہشتیوں کو وہ اعراف والے ندا دیں گے " **أَنْ** یہ تفسیریہ یا مخففہ ہے ۔

سَلَامٌ عَلَيْكُمْ یعنی جب اعراف والے بہشتیوں کو دیکھیں گے تو انہیں دنیاوی دستور کے مطابق کہیں گے السلام علیکم اور اس سے بہشتیوں کی تعظیم و تکریم مطلوب ہو گی گویا انہیں مصائب و آفات

سے بچ جانے پر مبارکباد پیش کریں گے۔ لَمْ يَدْخُلُوْهَا نادوا کے فاعل سے حال ہے یعنی اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے۔ وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ۔ حالانکہ انہیں بہشت میں داخلے کا طمع ہوگا۔ یہ لَمْ يَدْخُلُوْهَا کے فاعل سے حال ہے یعنی اگرچہ اعراف والے بہشت میں داخل نہیں ہونگے لیکن انہیں امید قوی ہوگی اور اس انتظار میں ہونگے کہ انہیں ابھی بہشت میں داخل کیا جائے گا وہ اس لئے کہ دنیا میں انہوں نے کلمہ طیبہ لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ تو پڑھا ہوگا لیکن ان کا نامۂ اعمال نیکی سے خالی ہوگا اور انہیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بالبرابر بھی کسی پر ظلم نہیں کرے گا اور انہیں یقین ہوجائے گا کہ اگر ان کے نامۂ اعمال میں تھوڑی سی نیکی کہیں سے مل جائے تو نیکی کا پلڑا ترجیح پاجائیگا اس وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے امیدوار ہوں گے اور اس کے عدل پر بھی ان کی نگاہ ہوگی اور یہ بھی سمجھتے ہوں گے کہ کلمہ طیبہ کی وجہ سے ہم پر ضرور لطف و کرم ہوگا۔ اس لئے وہ ایک ٹکٹکی لگائے ٹک ٹھہر کر پُر امید ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے حق میں بہتر فیصلہ ہوگا اور کرم نوازی سے ہم بہشت میں جائیں گے چنانچہ ایسے ہوگا بھی اور بہشت میں داخل ہونے والے یہی آخری لوگ ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ انہیں معاف فرمائے گا تو حکم کرانہیں نہرالحیاۃ میں لے جاؤ۔ یہ وہ نہرالحیات ہے کہ جس کے کنارے سنہری ہوں گے اور موتیوں کے جڑاؤ سے مزین اور اس کی مٹی عطر دکستوری سے ہوگی ان لوگوں کو اس نہر سے اتنا صاف کیا جائے گا کہ ان کے جسم گلبدن ہوجائیں گے اور ان کے سینوں پر ایک سفید لکیر پڑ جائے گی۔ یہ بہشت میں اُن کی پہچان ہوگی اس کے بعد انہیں بہشت میں داخل کیا جائے گا۔ انہیں مساکین الجنۃ کہا جائے گا۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

ہست امیدم علی رغم عدو روز جزا
فیض عفوش ننہد بار گنہ بر دوشم

ترجمہ:۔ مجھے امید ہے کہ دشمن کی ناک رگڑی جائے) قیامت میں اس کے عفو کا فیض گناہوں کا بوجھ میرے کاندھوں پر نہ رکھے گا۔

وَإِذَا صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ اور جب ان کی آنکھیں جہنمیوں کی طرف پھیری جائیں گی۔

سوال:۔ بہشتیوں کو بھی تو وہ دیکھیں گے پھر یہاں پر جہنمیوں کی تخصیص کیوں۔

جواب:۔ چونکہ بہشتیوں کو تو اپنی رغبت و محبت سے دیکھیں گے ان کی طرف پھیرے جانے پر مجبور کیے جائیں گے

فائدہ: تفسیر زاہدی میں ہے اعراف والوں کی آنکھیں بحکم الٰہی فرشتہ پھیرے گا۔

قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ کہیں گے اے ہمارے رب کریم ہمیں ظالم قوم کا ساتھی نہ بنا یعنی ہمیں ان کے ساتھ یعنی ہمیں اُن کے ساتھ جہنم میں ٹھہرانا۔ یہ دُعا اللہ تعالیٰ کے خوف سے مانگیں

گے جب کہ انہیں اپنے گناہوں پر نظر پڑے گی۔

اعراف والے:۔ پہلا قول گزر چکا (۲) حضرات انبیاء علیہم السلام بھی اہلِ اعراف یا بایں معنی ہیں کہ انہیں بہشت میں اتنا اونچا مقام نصیب ہوگا کہ وہاں سے بہشتیوں اور دوزخیوں کا معائنہ کریں گے اور قیامت میں انہیں نمایاں رکھا جائے گا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ یہ شخصیات اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں پھر وہ بلند مقام سے قیامت والوں کے حالات کے علاوہ ان کے ثواب و عقاب کی مقدار سے مطلع ہوں گے اور اپنی امت کے حالات کا مشاہدہ کریں گے اس تقریر پر " وَھُم یَطمَعُونَ " نَادَوا کے مفعول سے حال ہوگا اور وہ اصحاب الجنۃ ہیں اس لئے ممتاز شخصیتوں کو بہشت میں داخلے کے طمع کا کیا معنیٰ۔ اب آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ قیامت میں ممتاز شخصیات اہلِ جنت کو ندا دیں گے جبکہ وہ اونچی منزلوں میں ہوں گے اور اہلِ جنت کا حال یہ ہے کہ وہ ابھی بہشت میں داخل ہونے کے لئے پُرامید ہوں گے۔

فائدہ: یہی تقریر آنے والے وجوہات میں کی جائے اس لئے کہ اعراف سے ان کے بلند مراتب مراد لئے گئے ہیں ان کے لئے طمع کا کیا معنیٰ۔ طمع کا معنیٰ صرف عام بہشتوں کیلئے تو ہو سکتا ہے لیکن وہ بھی بعض میں ورنہ بعض میں پہلی تقریر ضروری ہوگی

(۳) شہداء میدانِ حشر میں انہیں ممتاز دکھایا جائے گا تاکہ پتہ چلے کہ شہداء بہ نسبت دوسرے لوگوں میں تعظیم و تکریم کے زیادہ مستحق ہیں اور وہ اس لائق ہیں کہ انہیں بلند مقامات پر بیٹھایا جائے تاکہ وہ میدانِ حشر میں لوگوں پر حکمِ الٰہی کے اجراء کا مشاہدہ کریں کہ کس پر فضل ہوتا ہے۔ اور کس سے عدل

(۴) اہلِ ایمان کے وہ بزرگترین شخصیات مراد ہیں جو اپنے اعمال کی جزاء سے کر فارغ البال ہو کر دوسرے لوگوں کے احوال کے مشاہدہ کے لئے انہیں بلند مقام پر بٹھایا جائے گا۔

حدیث شریف جب قیامت میں اللہ تعالیٰ تمام لوگوں کو جمع فرمائے گا تو ایک منادی ندا دے گا کہ اہلِ فضل لوگ کہاں ہیں ان میں بعض لوگ دوڑتے ہوئے بہشت کی طرف جانے کیلئے عجلت کریں گے اور کہیں گے ہم اہلِ فضل ہیں ان سے سوال ہوگا تم کس طرح اہلِ فضل ہو۔ جواب دیں گے ہم پر ظلم برسائے گئے تو ہم نے صبر کیا اور ہمارے ساتھ کسی نے برائی کی تو ہم نے انہیں معاف کیا۔ ہمارے ساتھ لوگوں نے جھگڑے اٹھائے تو ہم نے حوصلہ کیا۔ اس پر انہیں حکم ہوگا کہ جاؤ بہشت میں واقعی تم اہلِ فضل ہو۔ اور ایسے عمل والوں کو بہتر جزاء نصیب ہوتی ہے۔

(۵) باعمل علماء و فقہاء مراد ہیں۔ ان کی فقاہت اور ان کے علم کی برکت سے انہیں دوسروں پر فوقیت حاصل ہوگی۔

(۶) قیامت میں اُمتوں کے اعمال پر گواہی دینے والے عادل لوگ مراد ہیں اور یہ ہر امت میں سے ہوں گے

(۷) حضرت عباس و حمزہ و علی بن ابی طالب و جعفر ذوالجناحین رضی اللہ تعالیٰ عنہم مراد ہیں کہ یہ حضرات

اپنے دوستوں کو ان کے چہروں کی سپیدی سے اور اپنے دشمنوں کے چہروں کی سیاہی سے پہچانیں گے۔

(۸) وہ فرشتے جو اعراف کی دیوار پر متعین ہیں مراد ہیں تاکہ وہ بہشتیوں کے بہشت میں اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے سے پہلے اہل ایمان و کفار کے درمیان امتیاز کر دکھلائیں۔

سوال: لفظ رجال اس تقریر کے منافی ہے۔

جواب: چونکہ ان فرشتوں کو مردوں (انسانوں) کی شکل دی جائے گی بنا بریں انہیں رجال سے تعبیر کیا گیا ہے جیسا کہ " وَاِنْ کَانَ رجال من الانس والجن یعوذون برجال من الجن " میں جنات کو رجال سے تعبیر کیا گیا ہے اس لئے کہ ان جنات کو انسانوں کی شکل حاصل ہوتی ہے۔

سوال: ربنا لا تجعلنا مع القوم الظالمین ملائک کے لئے کس طرح مناسب ہوگا۔

جواب: وہ بھی بنو آدم کی طرح مکلف ہیں اس لئے قیامت میں اپنے لئے امن و سلامتی کی دعا مانگیں گے۔

(۹) وہ شہداء مراد ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ میں مارے گئے لیکن اپنے آباء کی اجازت کے بغیر جہاد کو گئے تھے اس لئے کہ انہیں ان کے گناہوں کے باوجود دوزخ سے دور رکھا گیا لیکن باپ کی نافرمانی کی نحوست سے تاحال بہشت میں داخل نہیں ہوں گے۔

(۱۰) وہ لوگ مراد ہیں جن پر باپ تو راضی تھا لیکن ماں ناراض یا ماں راضی تھی لیکن باپ ناراض۔

(۱۱) ولد الزنا

(۱۲) اولاد المشرکین

(۱۳) وہ لوگ مراد ہیں جو زمانہ فترہ میں فوت ہوئے اور فترت کا زمانہ وہی ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان عرصہ گزرا ہے۔

(۱۴) وہ صغیرہ گناہ والے جن کے دنیا میں مصائب و تکالیف اور درد و آلام کفارہ نہ بنے اس بنا پر وہ بہشت میں جانے سے روک دیئے جائیں گے اس سے انہیں قدرے غم لاحق ہوگا وہ غم ان کا کفارہ بن جائے گا اس کے بعد وہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(۱۵) وہ اہل کبائر جن کا ذکر قرآن میں آیا ہے کہ وہ بڑے بڑے گناہ کے مرتکب ہیں لیکن چونکہ وہ اہل قبلہ ہوں گے اس لئے انہیں دوزخ سے نجات تو مل جائے گی لیکن بہشت میں نہیں جا سکیں گے۔

حکایت ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات سو رہا تھا کہ خواب میں نظر آیا کہ گویا قیامت قائم ہوگئی ہے اور لوگوں سے محاسبہ ہو رہا ہے ان میں بعض کو بہشت میں اور بعض کو دوزخ میں لے جایا جا رہا ہے بہشت کے دروازے پر حاضر ہوا اور اہل بہشت کو ندا دی اور پوچھا کہ تم بہشت میں کس عمل سے

داخل ہوئے ہو اور تمہیں یہ رضوان اور یہ بلند مکان کس وجہ سے ملے ہیں وہ جواب دے رہے ہیں کہ طاعت رحمٰن اور مخالفت شیطان کی وجہ سے پھر میں دوزخ کے دروازے پہ آیا اور ان سے پوچھا کہ اے دوزخیو! تمہیں یہ سزا کس عمل سے ملی ہے اُن سے جواب ملا طاعت شیطان و مخالفتِ رحمان کی وجہ سے اس کے بعد دیکھا ایک قوم ہے جو بہشت اور دوزخ کے درمیان ٹھہری ہوئی ہے۔ میں نے اُن سے پوچھا تم کیوں یہاں ٹھہرے ہو جواب دیا کہ ہمارے بڑے گناہ ہیں اور نیکیاں بہت کم ہیں۔ برائیوں نے ہمیں بہشت میں داخل ہونے سے رُوک رکھا ہے اور نیکیوں سے ہم دوزخ میں نہیں جا سکے۔ گویا انہوں نے یہ شعر پڑھا ہے

نحن قوم لنا ذنوب کبار

منعتنا من الوصول الیہ

ترکتنا مذبذبین حیاری

امسکتنا عن القدوم عَلَیۡہِ

ترجمہ: ہم کبیرہ کے مرتکب ہونے والے ہیں۔ اس بنا پر ہم اللہ تعالیٰ تک نہیں پہنچ سکے اور انہوں نے ہمیں حیران و سرگردان کر رکھا ہے اور ان کی وجہ سے ہی ہم اللہ تعالیٰ کی حاضری سے محروم ہیں۔"

یہ اقوال میرے مطالعہ سے گزرے ہیں اللہ تعالیٰ کی عنایت سے میرے علم میں آئے اور حقیقت رب کریم جانتا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اہلِ جنت و اہلِ نار کے درمیان ایک حجاب ہے اور وہ اوصاف بشریہ اور اخلاق ذمیمہ نفسانیہ ہیں اس حجاب کی وجہ سے دوزخی بہشتیوں کو نہیں دیکھ سکتے اور بہشتی اہل اللہ ہیں کما قال وَ بَیۡنَہُمَا حِجَابٌ وَ عَلَی الۡاَعۡرَافِ رِجَالٌ یَّعۡرِفُوۡنَ کُلًّا بِسِیۡمٰہُمۡ یعنی اہل اعراف اہل جنۃ اور اہل نار کو ان علامات سے دیکھتے ہیں انہیں قلبی نور و ظلمات سے حاصل ہوئے ہیں۔

فائدہ: اعراف کو اس لئے اعراف کہا جاتا ہے کہ وہ اہل معرفۃ کی اقامت گاہ ہے اور اہلِ معرفت کو رجال اس لئے کہا کہ وہ ماسوی اللہ پر تصرف رکھتے ہیں اور ان پر کسی شے کا تصرف نہیں۔

کما قال تعالیٰ فیہ رجالٌ لا تلھیھم تجارۃ و لا بیع عن ذکر اللّٰہ اور اللہ تعالیٰ کا طریقہ مبارکہ ہے کہ خاص کر جگہ" لفظ رجال سے یاد فرمایا ہے۔ کما قال رجالٌ صدقوا اور فرمایا فیہ رجال یحبون ان یتطہروا اور رجولیت سے ہی طلب حق میں عوام و خواص کا امتیاز ہوتا ہے اور جو بھی ہمت بلند رکھتا ہے حقیقۃ" وہی مرد ہے اور اصحاب اعراف اس لئے بلند مراتب پا گئے کہ انہوں نے بشریت کی پستیوں سے نجات پا کر بلندی حاصل کی اور جہنم سے بچ کر بہشت کے درجات حاصل کئے

اور روحانیت میں مقامات کو پہنچے اور ان کی شان یہ تھی کہ دارین کی نعمتوں سے بے نیاز رہے اور نہ انہیں دنیا و آخرت کے کمالات کی طرف توجہ تھی۔ تمام مخلوق سے بے نیاز ہو کر مقام اعراف تک پہنچے یاد رہے کہ مقام رب الرحمٰن کے ہاں حظائر قدس میں جنان کے بلند و بالا ایک مقام کا نام ہے اور وہ اپنی بلندی کی وجہ سے بہشتیوں اور دوزخیوں کو برابر طور دیکھتے رہتے ہیں جب وہ بہشتیوں کو دیکھتے ہیں کہ بہشت کی نعمتوں اور دیگر خوش باتوں میں مشغول ہیں لیکن اپنے مولیٰ کے دیدار کی طرف انہیں خیال نہیں تو اعراف والے بہشتیوں کو ندا دیکر کہتے ہیں السلام علیکم یعنی تمہیں یہی نعمتیں مبارک ہوں اور اپنی حوروں قصوروں میں خوش رہو۔ خود اعراف والوں کا یہ حال ہے لَمْ يَدْخُلُوْهَا یعنی بہشت کی نعمتوں کو مشاہدہ و معائنہ کرنے بلکہ اُن کے حصول کے باوجود ان کی کسی شے کی طرف معمولی توجہ بھی نہیں کریں گے وَهُمْ يَطْمَعُوْنَ اور ان کو صرف اپنے آقا و مولیٰ کے وصال کی تمنا ہو گی اور وہ اس میں پُر امید ہوں گے۔

سوال: تمہاری یہ تقریر آیات قرآنی کے خلاف ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے لئے فرمایا " داخلی جنتی " اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بہشت کو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے تو اس کے بندوں کو اس سے غیر متوجہی کیوں اور فرمایا " وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ اَصْحٰبِ النَّارِ۔

جواب: یہ ان سے آزمائش کے طور ہو گا کہ انہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اتنی بڑی سخت خرابیوں سے نجات بخشی اور انہیں بہترین انعامات سے نوازتا ہے لیکن حضرات عارف باللہ ان تمام باتوں کا اعتراف کرتے ہوئے بہشت کے داخلہ کو اپنا مقصود نہیں سمجھتے۔

فائدہ: ارباب کمالات کو سلوک کے مقامات طے کرتے ہوئے جتنا خواطر نفسانیہ لاحق ہوتے ہیں یا انہیں دنیوی عز و جاہ و جلال اور عوام میں مقبولیت، عامہ یہ خلق میں مشغولیت تامہ کا پیش آنا۔ یہ تمام انسانی عروج میں داخل نہیں بلکہ ان میں بندہ کا امتحان اور اس کی آزمائش مطلوب ہے تاکہ سالک کو گوشہ نشینی اور تجرید اور خلوات میں اُنس مع اللہ کی قدر و منزلت معلوم ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب سالک شکر کا حق ادا کرتا ہے یا منعم حقیقی کی کوئی نعمت دیکھتا ہے تو کہتا ہے رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ۔ یعنی اے مولا کریم جب کہ تو نے ہمیں ظالموں کے اوصاف و اخلاق اور ان کے درجوں اور ان کے احوال سے ایک نجات بخشی ہے تو پھر ہمیں دوبارہ ان کے ساتھ نہ ملانا اور نہ ہی ان کے زمرہ میں ہمیں شامل کرنا [1]

[1]: (کذا فی التاویلات النجمیہ)

وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ رِجَالًا يَّعْرِفُوْنَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ قَالُوْا
مَآ اَغْنٰى عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۴۸﴾ اَهٰٓؤُلَآءِ
الَّذِيْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللّٰهُ بِرَحْمَةٍ ۭ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ لَا
خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۴۹﴾ وَنَادٰٓى اَصْحٰبُ النَّارِ
اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ اَوْ مِمَّا
رَزَقَكُمُ اللّٰهُ ۭ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَهُمَا عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۵۰﴾
الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَهْوًا وَّلَعِبًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ
فَالْيَوْمَ نَنْسٰىهُمْ كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ۙ وَمَا كَانُوْا
بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَقَدْ جِئْنٰهُمْ بِكِتٰبٍ فَصَّلْنٰهُ عَلٰى عِلْمٍ
هُدًى وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۵۲﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا
تَاْوِيْلَهٗ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ تَاْوِيْلُهٗ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ نَسُوْهُ مِنْ قَبْلُ
قَدْ جَآءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ ۚ فَهَلْ لَّنَا مِنْ شُفَعَآءَ
فَيَشْفَعُوْا لَنَآ اَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلَ غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ ۭ قَدْ
خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ :۔ اور اعراف والے کچھ مردوں کو پکاریں گے جنہیں ان کی نشانی سے پہچانتے ہیں کہیں گے تمہیں کیا کام آیا تمہارا جتھا اور وہ جو تم غرور کرتے تھے ۴۸ کیا یہ ہیں وہ لوگ جن پر تم قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ ان پر اپنی رحمت کچھ نہ کرے گا ان سے تو کہا گیا کہ جنت میں جاؤ نہ تم کو اندیشہ نہ کچھ غم ۴۹ اور دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے کہ ہمیں اپنے پانی کا کچھ فیض دو یا اس کھانے کا جو اللہ نے تمہیں دیا کہیں گے بے شک اللہ نے ان دونوں کو کافروں پر حرام کیا ہے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا لیا اور دنیا کی زیست نے انہیں فریب دیا تو آج ہم انہیں چھوڑ دیں گے جیسا انہوں

نے اس دن کے ملنے کا خیال چھوڑا تھا اور جیسا ہماری آیتوں سے انکار کرتے تھے[۵۰] اور بے شک ہم ان کے پاس کتاب لائے جس میں ہم نے ایک بڑے علم سے مفصل کیا ہدایت رحمت ایمان والوں کے لئے[۵۱] کاہے کا راہ دیکھتے ہیں مگر اس کی کہ اس کتاب کا کہا ہوا انجام سامنے آئے جس دن اس کا بتایا انجام واقع ہوگا بول اٹھیں گے وہ جو اسے پہلے سے بھلائے بیٹھے تھے کہ بے شک ہمارے رب کے رسول حق لائے تھے تو ہیں کوئی ہمارے سفارشی جو ہماری شفاعت کریں یا ہم واپس بھیجے جائیں کہ پہلے کاموں کے خلاف کام کریں بے شک انہوں نے اپنی جانیں نقصان میں ڈالیں اور ان سے کھوئے گئے جو بہتان اُٹھاتے تھے[۵۲]

تفسیر عالمانہ ۴۸ وَنَادٰی اَصْحٰبُ الْاَعْرَافِ اور اعراف والے ندا دیں گے۔ یہاں پر اہل اعراف سے وہ حضرات مراد ہیں جن کے درجات بہشت میں سب سے بلند تر ہوں گے یعنی حضرات انبیاء کرام اور اولیاء عظام علی نبینا و علیہم السلام آیت کے مابعد والے مضمون سے واضح ہے کہ یہی حضرات مراد ہوں تو موزوں تر ہے اس لئے کہ بعد کو انہیں حکم ہوتا ہے " ادخلوا الجنۃ " اور نیز خطاب عمل میں کوتاہی کرنے والے کے لائق نہیں۔ رِجَالًا بہت سے لوگوں کو ان سے کافروں کے بڑے بڑے لیڈر مراد ہیں جب کہ انہیں جہنمیوں میں دیکھیں گے جہنمیوں کے بڑے لیڈر یہ ہیں ابوجہل بن ہشام اور ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل وغیرہ وغیرہ یَعْرِفُوْنَ بِسِیْمٰھُمْ۔ انہیں ان کی علامات سے پہچانیں گے جو اس وقت ان کے برے حال پر دلالت کریں گی اور ان کی دنیا والی شان و شوکت سے بھی انہیں کچھ علامتیں محسوس ہونگی، بِسِیْمٰھُمْ کی با سببیہ ہے قَالُوْا اس کا نادٰی پر عطف ہے یعنی اعراف والے اپنے بلند مقامات پر کھڑے ہو کر جہنمیوں کو زجر و توبیخ کے طور فرمائیں گے۔ مَا اَغْنٰی عَنْکُمْ یہ ما استفہامیہ زجر و توبیخاً لایا گیا ہے یا نافیہ ہے اب معنی ہوگا تمہیں عذاب سے نہ بچایا۔ جَمْعُکُمْ تمہاری جمعیت اور تمہارے تابعداروں یا یاروں نے یا تمہارے مال جمع کرنے نے۔ وَمَا کُنْتُمْ تَسْتَکْبِرُوْنَ۔ بہ ما مصدریہ ہے یعنی نہ ہی تمہارے خلق خدا سے تکبر نے تمہیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچایا۔

۴۹ اَھٰٓؤُلَآءِ الَّذِیْنَ اَقْسَمْتُمْ لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ۔ یہ اصحاب اعراف کے قول کا تتمہ ہے کافروں کے لیڈروں کو کہیں گے کہ یہ وہی ہیں جن کے متعلق تم قسمیں کھاتے تھے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت نہیں پہنچے گی اور یہ جملہ محلاً منصوب ہے۔ بوجہ قول متقدم کے اور یہ اشارہ غریب مسلمانوں کی طرف ہے کہ جنہیں دنیا میں کفار حقارت کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور بڑے زور و شور سے قسمیں کھاتے تھے کہ یہ لوگ (غریب مسلمان) بہشت میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے اور " لَا یَنَالُھُمُ اللّٰہُ بِرَحْمَۃٍ " اقسمتم کا جواب ہے خلاصہ یہ کہ کافر دنیا میں قسمیں کھاتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان غریب مسلمانوں کو ہرگز نہیں بخشے گا۔ اُدْخُلُوا الْجَنَّۃَ

اصحاب اعراف غریب مسلمانوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمائیں گے بہشت میں داخل ہوجاؤ تاکہ کافروں کو ذلت و رسوائی ہو۔ غریب مسلمانوں میں سے حضرت بلال و صہیب و سلمان و خباب رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تھے۔ لاخوف علیکم جب کفار خائف ہوں گے تو تم پر کوئی خوف نہ ہوگا۔ وَلَا اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ہ اور نہ ہی تم غمگین ہوگے جب جہنمی غم میں مبتلا ہوں گے۔

مسئلہ: آیت میں خدام اور یاروں اور مددگاروں کی وجہ سے فخر و تکبر کی مذمت کی گئی ہے۔

۱: نہ منعم بمال از کسے بہتر است
خر ار جل اطلس بپوشد خر است

۲: بدیں عقل و ہمت نخوانیم کست
دگر میر دد بصد غلام از پست

۳: تکبر کند مرد حشمت پرست
ندا ند کہ حشمت بحلم اندر است

۴: چو منعم کند سفلہ را روزگار
نہد بر دلِ تنگ درویش بار

۵: چو بام بلندش بود خود پرست
کند بول و خاشاک بر بام پست

ترجمہ ۱: دولتمند مال سے بہتر نہیں چالیس ریشمی کپڑے پہننے سے گدھا گدھا ہی رہے گا۔
۲: ایسے عقل و ہمت سے میں اسے کچھ نہیں سمجھتا اگرچہ اس کے پیچھے سو نوکر چلیں۔
۳: حشمت کا پجاری تکبر کرتا ہے اسے معلوم نہیں کہ حشمت تو حوصلہ میں ہے۔
۴: جب کمینے کو زمانہ دولتمند بناتا ہے تو کمینہ درویش کی پریشان دل پہ بوجھ ڈالتا ہے
۵: کسی خود پرست کی دیوار اونچی ہو تو نیچے والی دیواروں پر اپنے خس و خاشاک پھینکتا ہے۔

مسئلہ صوفیانہ جب مال اور تکبر نفس کے عادات سے ہے سالک پر لازم ہے نفس کو ان عادات سے پاک کرے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت دعا مانگتے۔ اَللّٰھُمَّ حَسِّنْ خُلُقِیْ وَخَلْقِیْ۔ اے اللہ تعالیٰ میری سیرت و صورت کو حسین و جمیل بنا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ سے آپ کی مدح فرمائی حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کریمہ تھی کہ آپ ہمیشہ غریبوں و فقیروں کے ساتھ نشست و برخاست رکھتے اور ہمیشہ ان کے ساتھ کھانا کھاتے اور آپ کی سیرت طیبہ تھی کہ چھوٹوں اور بالخصوص

چھوٹے بچوں سے گزرتے تو انہیں السلام علیکم سے نوازتے۔ ایک دفعہ آپ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا تو آپ کی ہیبت سے کانپنے لگا۔ آپ نے اسے فرمایا ڈرتے کیوں ہو میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ میں تو اس غریب قریشی عورت کا صاحبزادہ ہوں جو باسی[1] گوشت پر گزارہ کرتی تھیں آپ جب اپنے یاروں کے ساتھ بیٹھتے تھے تو نمایاں کیفیت سے نہیں بلکہ ایسے محسوس ہوتا کہ آپ بھی منجملہ انہیں سے ایک ہیں یہانتک کہ کوئی اجنبی دیکھتا تو اُسے آپ کے متعلق پوچھنا پڑتا۔ آپ کو جو بھی بلاتا تو آپ فوراً لبیک فرماتے۔ یعنی اس کا مقصد فوراً پورا کرتے یہ تمام امور حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع پر مبنی ہیں۔

علاماتِ سعادت حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سعادت کی علامات یہ ہیں۔ (۱) اولیاء صالحین کی محبت (۲) ان کے قرب میں رہنے کا شوق۔ (۳) تلاوتِ قرآن مجید (۴) شب بیداری (۵) علماء کرام کی صحبت (۶) رقتِ قلب۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ بعض اوقات عوام اہل ایمان اور علماء ظاہرین اپنی کم ہمتی کی بناء پر اہل محبت و معرفت اور اربابِ طلب سے کہتے ہیں کہ تمہیں وصول الی اللہ نصیب ہوگا۔ نہ وصال کی منزل میسر آئے گی اور یہ بات پورے وثوق سے قسمیں کھا کر کہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اصحابِ اعراف سے فرمایا ہے کہ اس بہشت میں داخل ہو جاؤ جو خطائر قدس و عالم جبروت میں میری طرف منسوب ہے اس سے تمہیں نہ نکلنے کا خوف ہے اور نہ تمہیں جنۃ کی ان نعمتوں کا خطرہ ہوگا جو تمہارے سے فوت ہو چکی ہیں جب کہ تم ہمارے جمال کے شہود اور ہمارے وصال کے وجود میں تھے۔

نکتہ کفار اہل اللہ کو یعنی اصحاب اعراف کو ظاہری طور اس وقت دیکھتے رہتے ہیں جب وہ کونین کے مقامات میں موجود رہتے ہیں۔ جب وہ اہل اللہ اس حقیقت کی جنت میں داخل ہوتے ہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب اور وہ عزت و عالم جبروت کے پردوں میں پوشیدہ ہے تو پھر وہ نہ صرف کفار سے بلکہ ملائکہ مقربین کی نظروں سے بھی اوجھل ہو جاتے ہیں۔

حکایت:۔ منقول ہے کہ حضرت بابا جعفر ابہری حضرت بابا طاہر ہمدانی رحمہما اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان سے پوچھا۔ اب تک کہاں رہے انہوں نے کہا گذشتہ شب میں خاصانِ خدا کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوا لیکن میں نے وہاں آپ کو نہیں دیکھا حالانکہ آپ بھی خاصانِ خدا سے ہیں۔ انہوں نے فرمایا تو نے سچ کہا اس لئے کہ تو خاصانِ خدا کے ساتھ دربار کے دروازہ پر تھا۔ میں اخص الخواص کی جماعت کے

---

[1] باسی سے خشک ہے نہ کہ متعفن جیسے کہ بعض لوگ متعفن چیز کو بھی باسی کہہ دیا کرتے ہیں مگر یہاں یہ مراد نہیں۔ اویسی غفرلہ

ساتھ دربارِ خداوندی میں حاضر تھا۔ اس وجہ سے تو مجھے نہیں دیکھ سکا۔

سبق : سالک پر لازم ہے کہ وہ اللہ والوں سے جدا نہ ہو اور ان کے ساتھ اعتقاد میں کمی نہ کرے۔

حدیث شریف ہر شے کی کنجی ہے اور بہشت کی کنجی مساکین کی محبت ہے یعنی اللہ والوں سے محبت وعقیدت۔ یہی لوگ قیامت میں اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہوں گے ؎

حبِ درویشاں کلید جنت است
دشمن ایشاں سزائے لعنت است

ترجمہ : "درویشوں کی محبت بہشت کی کنجی ہے ان کا دشمن لعنت کے لائق ہے"

مثنوی شریف میں اللہ والوں کے ساتھ نیک اعتقاد رکھنے کے متعلق فرمایا کہ ؎

۱ : گر گدایاں طامع اند و زشت خو
در شکم خوراں تو صاحب دل بجو

۲ : در تگ دریا گہر یا سنگہا ست
فخر ہا اندر میاں تنگہا است

ترجمہ ۱ :

۲ :

حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں عرض کیا کرتے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسَاکِیْن " اے اللہ تعالیٰ مجھے مسکینوں میں زندہ رکھ اور مسکینوں میں موت دے اور قیامت میں مسکینوں کے زمرہ میں اٹھا۔

- **فائدہ :** حقیقی مسکین وہ ہے کہ جس کے ہاں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کچھ نہ ہو۔ اہل اللہ و اہل اعراف ایسے لوگوں کو کہا جاتا ہے۔

تفسیر عالمانہ ۵ وَنَادٰٓی اَصْحٰبُ النَّارِ اَصْحٰبَ الْجَنَّۃِ ۔ دارین کے استقرار کے بعد دوزخی بہشتیوں کو پکاریں گے اَنْ مفسرہ یا محققہ ہے جیسے بارہا گذرا ہے۔ اَفِیْضُوْا عَلَیْنَا " ہمارے اوپر ڈالو مِنَ الْمَآءِ بہشت کے پانی سے تاکہ ہمارے اندر جو پیاس کی گرمی ہے بجھ جائے۔ اس کی وجہ ہے کہ جب ایک عرصہ تک دوزخ میں بھوکے پیاسے ہو کر گزاریں گے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ الٰہ العٰلمین بہشت میں ہمارے رشتہ دار رہتے ہیں ہمیں اجازت بخشئے تاکہ ہم انہیں دیکھ کر ان سے باتیں کریں۔ اللہ تعالیٰ سے انہیں بہشتیوں کے دیکھنے اور ان سے ہم کلام

ہونے کی اجازت مرحمت ہو گی تو رشتہ داروں کو دیکھیں گے کہ وہ بہترین نعمتوں سے سرشار ہیں۔ دوزخی اپنے بہشتی رشتہ داروں کو پہچان لیں گے لیکن بہشتی دوزخیوں کو نہیں پہچان سکیں گے اس لئے کہ دوزخیوں کے چہرے کالے سیاہ ہو جائیں گے دوزخی پہلے اپنے رشتہ داروں کو اپنا تعارف کرائیں گے۔ پھر انہیں کہیں گے ہمیں تھوڑا سا بہشت کا پانی دیجئے۔

اَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ میں پینے کی اشیاء کی قید لگائی ہے علاوہ ازیں دراصل لفظ افاضہ کا تقاضا بھی یہی ہے کہ مما رزقکم اللہ میں پینے کی چیزیں مراد ہوں اس لئے کہ افاضہ کا حقیقی معنی ان چیزوں کے لئے ہوتا ہے جو سیلانی مادہ رکھتی ہوں اور انہیں پینے سے تعلق ہو یا پھر عام ہو تو اس سے کھانے کی چیزیں مراد ہو سکتی ہیں یعنی پینے اور کھانے کی چیزیں دو تاکہ ہم انہیں کھا پی کر اپنی بھوک اور پیاس بجھائیں۔ اس معنی پر افاضہ میں کثرت مطلوب ہو گی اس لئے کہ اضافہ کثرۃ الاعطار کو بھی کہتے ہیں۔

فائدہ:- ابو حیان نے فرمایا کہ اَفِيْضُوْا القو کے معنی کو متضمن ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ندا دینے والے وہ ہیں جو دنیا میں پیٹ کے پجاری رہے اور رات دن صرف کھانے پینے سے واسطہ رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں اسی عادت پر میدانِ حشر میں اٹھایا جائے گا تو حسبِ دستور اسی خبط میں ہوں گے اور وہی کہیں گے جو اوپر مذکور ہوا اور بہشتی حضرات چونکہ دنیا میں کھانے پینے سے دور رہ کر بھوک اور پیاس کے عادی ہو چکے تھے اور انہیں یہ کٹھن صرف جنۃ الفردوس کی دعوت کے لئے اٹھانی پڑی۔ اگر انہیں بہشت میں کچھ تھوڑی بہت کھانے پینے میں مصروفیت ہو گی تو صرف شہوات نفس اور اس کے حقوق کی ادائیگی کے لئے ورنہ وہاں کھانے پینے میں ہر وقت انہماک کیسا۔

تفسیر صوفیانہ

آیت میں اشارہ ہے کہ انسان کو کھانے پینے کی ہر حالت میں ضرورت محسوس ہوتی ہے خواہ کتنا ہی عذاب میں مبتلا ہو۔ حضرت ابو الجوزا فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کونسا صدقہ افضل ہے آپ نے فرمایا پانی۔ پھر فرمایا دیکھئے اہلِ نار جب بہشتیوں سے صرف پانی مانگتے تھے اور حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کی کہ میری ماں فوت ہو گئی ہے اس کے لئے کونسا صدقہ افضل ہے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا پانی چنانچہ اس حکم پر حضرت سعد نے ایک کنواں کھودا اس پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے هٰذِهٖ لِاُمِّ سَعْدٍ یہ سعد

کی ماں کے لئے فرمایا۔

فقیر (صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے۔ کہ حدیث شریف[1] سے ثابت ہوا کہ صدقہ سے اموات کو نفع پہنچتا ہے جیسا کہ اہلسنت کا مذہب ہے۔

نکتہ: پانی کی تخصیص اس لئے ہے کہ اہل عرب کو پانی کی زیادہ ضرورت رہتی ہے اس لئے اس میں ثواب بھی زیادہ ہے یا اس لئے کہ جہنم گرمی کا مرکز ہے اس کا دفعیہ اس کی ضد ہو گا اور وہ ٹھنڈک ہے اور ٹھنڈک پانی کا جزء ہے اور قاعدہ ہے کہ ہر شے اپنی ضد کے بالمقابل واقع ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

تفسیر عالمانہ قَالُوْٓا

اہل جنت، دوزخیوں کو کہیں گے۔

فائدہ: مروی ہے کہ دوزخیوں کی فریاد پر اہل بہشت کو حکم ہو گا کہ چالیس سال تک دوزخیوں کو کوئی جواب نہ دیں۔ چالیس سال گزرنے پر بہشتی دوزخیوں کو جواب دیتے ہوئے کہیں گے۔ اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَہُمَا عَلَى الْکٰفِرِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر بہشت کا طعام اور اس کی مشروبات حرام فرمائی ہیں اور یہ حرمت بھی قطعی ہے جیسے دنیا میں مکلف عاقل بالغ کو محرمات سے منع کیا گیا تھا اب ان چیزوں کا ہمارے ہاں پہنچنا سخت مشکل ہے۔

فائدہ: کافروں کو ایسا گرم پانی پلایا جائے گا کہ جس سے پیٹ اور چمڑے جل کر جسم سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ان کا کھانا کانٹے دار اور زہریلے درخت سے مقرر ہو گا (پناہ بخدا)

۵۱ اَلَّذِیْنَ اتَّخَذُوْا دِیْنَہُمْ وہ کافر کہ جنہوں نے دین کو ٹھٹھا مخول بنا رکھا تھا

تفسیر ۱: یہاں پر دین سے اسلام مراد ہے کہ اس پر انہیں چلنے کا حکم تھا لیکن انہوں نے بجائے اس کی حقانیت پر ایمان لانے کے الٹا اس کے ساتھ ٹھٹھا مخول کیا کہ لَہْوًا وَّ لَعِبًا مذاق اور کھیل یعنی دین حق کو کھیل کا آلہ بنا رکھا تھا کہ اس سے گویا کھیلا کرتے تھے جسے چاہتے حلال کرتے مرضی آئی تو اس شے کو حرام کر دیتے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تابعداری کا نام تک نہ لیتے ان کا ہر معاملہ اتباع نفس سے تھا اور شیطان نے ان کے لئے اسے ابھار رکھا تھا۔

تفسیر ۲: بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس دین سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کا دین مراد ہے لیکن کفار نے اسے بدل دیا اور اپنی مرضی کے مطابق احکام گھڑ لئے اور اپنی طبیعتوں کو ایسے غلط امور میں لگا رکھا تھا کہ جو اس لائق نہ تھے کہ ان سے طبیعت لگائی جائے اور ایسی چیزوں کی طلب میں رہتے تھے کہ جن کا طلب کرنا

---

[1] : دیوبندی وہابیوں کے لئے اس حدیث میں کتنا بڑا سبق ہے۔ ۱۲ اویسی غفرلہ ؛

بجائے اچھائی کے بُرا تھا۔

فائدہ: تفسیرِ فارسی میں لکھا ہے کہ دین سے مراد عید ہے وہ اس لئے کہ کفار کا طریقہ تھا کہ عید کے دن کعبہ معظمہ کے گرد جمع ہو کر بچوں کی طرح تالیاں بجا کر کھیل تماشے کرتے رہتے تھے۔

مسئلہ: ہتھیاروں سے کھیلنا۔ گھوڑے دوڑانا۔ اسی طرح مردوں کا دوڑنا ایسے ہی وہ افعال جو شرعاً مباح ہیں عید کے دن کھیل کے طور جائز ہیں۔ جیسے دورِ سابق میں عید کے دن دَف بجاتے لیکن اس میں گھنگرو نہیں ہوتے تھے۔

انتباہ: آج کل جو عیدوں اور ختنوں اور شادی بیاہ وغیرہ کے موقع پر ہمارے عوام سرود اور گھنگرو وغیرہ والے دف بجاتے ہیں یہ بالکل ناجائز ہیں شرعاً ان کی کسی طرح اجازت نہیں اس لئے کہ یہ لہو و لعب کے آلات ہیں۔

سوال: اہلِ شرع کا مقولہ مشہور ہے اِنَّ فِیْ دِیْنِنَا فُسْحَةً" ہمارے دین میں تنگ ظرفی نہیں بلکہ وسعت ہے اس سے تو ثابت ہوتا ہے کہ ایسے مواقع پر ایسے آلات کا استعمال جائز ہو۔

جواب: وہ مقولہ اُن امور میں ہے جو شرعاً مباح ہیں جن کے شرع کی ممانعت صراحۃً ہو اس میں وسعت کیسی مثلاً مزاح مباح ہے لیکن جس مزاح میں شرع کی مخالفت لازم آتی ہو وہ تو مزاح حرام ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا اور انہیں حیواۃ دنیا اور اس کی رنگینیوں اور ان کی اپنی لمبی آرزوؤں نے دھوکہ دیا ہے اس لئے وہ اہلِ اسلام سے استہزار کرتے تھے۔

فائدہ: مروی ہے کہ ابوجہل نے استہزار کے طور ایک شخص کو حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا کہ جاکر انہیں سوال کرو کہ مجھے بہشت کا انگور یا کوئی اور میوہ کھلائیے۔ جب وہ شخص حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ہاں حاضر ہوا اور ابوجہل کا مقولہ دہرایا تو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھ دی۔ وَحَرَّمَهُمَا عَلَى الْكَافِرِيْنَ۔

سبق: عاقل پر لازم ہے کہ وہ دنیا سے دھوکہ نہ کھا جائے اس لئے کہ دنیا غدارہ و مکارہ ہے۔ ؎

۱ در دیدہ اعتبار خوا ببیت
بر رہگذر اجل سرا بیت

۲ مشغول مشو بسرخ و زردش
اندیشہ مکن نہ گرم و سردش

۳ سرمایۂ آفتست نہ نہار
خود را از فریب اونگہدار

ترجمہ ۱: دیدۂ عبرت میں خواب ہے اس راہ سے گزر جا یہ اجل سراب ہے
۲: اس کے سرخ وزرد میں مشغول نہ ہو اس کے گرم و سرد کا فکر بھی نہ کر
۳: اس کا سرمایہ آفت ہے خبردار خود کو اس کے فریب سے نگاہ رکھ۔

فَالْيَوْمَ قیامت کے دن (یہ فاء فصیحہ ہے) نَنْسٰهُمْ ہم انہیں بھلا دیں گے یعنی ان کے ساتھ وہی ہوگا جو بھولنے والا بھولے ہوئے شخص سے کرتا ہے یعنی قیامت میں ان کے ساتھ کسی قسم کی رُو رعایت نہ ہوگی اور نہ ہی ان کا کوئی اعتبار ہوگا اور انہیں جس وقت سے جہنم میں ڈالا جائے گا پھر ان کی کسی قسم کی خبر گیری نہیں ہوگی۔

مسئلہ: اللہ تعالیٰ نسیان سے منزہ اور پاک ہے لیکن چونکہ کفار سے قیامت میں ایسا معاملہ کریگا جیسے نسیان والے سے سرزد ہوتا ہے بنا بریں اس تشبیہ سے اللہ تعالیٰ پر لفظ نسیان کا اطلاق ہوا ہے۔

كَمَا نَسُوْا لِقَآءَ يَوْمِهِمْ هٰذَا ہم نے انہیں اسی طرح بھلا دیا جیسے انہوں نے ہمارے اس دن کی حاضری کو بھلایا یہ ان کے دل میں کبھی خیال تک نہ گزرتا تھا کہ انہوں نے ہمارے ہاں حاضر ہونا ہے اور نہ ہی اس دن کی حاضری کے لئے وہ مستعد تھے۔

سوال: اس معنی پر کفار کو نسیان سے موصوف کرنا ناموزوں ہے اس لئے کہ نسیان تو اس کیلئے بولا جاتا ہے جسے پہلے کسی شے کا علم ہو پھر کسی عارضہ سے اس کے ذہن سے وہ بات اُتر جائے اور کفار تو سرے سے قیامت کی حاضری کے قائل ہی نہیں تھے۔

جواب:- چونکہ بھولنے والا بھولنے کے بعد اس شے کا کچھ اعتبار نہیں کرتا۔ اس مناسبت سے کفار پر نسیان کا اطلاق ہوا کہ وہ بھی قیامت کی حاضری کا کچھ اعتبار نہیں کرتے گویا انہیں اس شخص سے تشبیہ دی گئی جو شے کو جاننے کے بعد بھول جائے ایسے استعارے قرآن پاک میں بہت ہیں اس لئے کہ عالم غیب کے معانی کا سمجھانا یوں آسان ہوتا ہے کہ انہیں عالم شہادت کے مماثل بنایا جائے

وَمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَجْحَدُوْنَ ۝ اس کا عطف مانسوا پر ہے یعنی جیسے انہوں نے قیامت کی حاضری کو دُرخورِ اعتناء نہیں سمجھا۔ اس لئے وہ ہمارے آیات کا دائمی طور انکار کرتے ہیں۔ ممکن ہے ما مصدریہ اور کما کا کاف تعلیلیہ ہے اس لئے کہ مَا كَانُوْا میں کسی شے کے ساتھ تشبیہ واضح طور نہیں ہاں

اگر کچھ ہے تو باعتبار لازم کے یعنی ترک کے اعتبار سے ۵۲ ولقد جئنٰھم بکتٰب فصّلنٰہ
اور ہم نے ان کے ہاں ایسی کتاب لائی جسے ہم نے اسے مفصل طور بیان کیا یعنی ہم نے اس کے معانی تفصیلی طور
بیان کئے یعنی عقائد اور احکام و مواعظ مفصل طور کتاب میں مذکور ہوتے اور ھم کی ضمیر تمام کفار کی طرف
راجع ہے اور کتاب سے جنس کتاب مراد ہے یا یہاں پر کفار سے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے معاصرین
اور الکتاب سے قرآن مجید مراد ہے۔ علیٰ علم یہ فصّلنا کے فاعل سے حال ہے یعنی درانحالیکہ
ہم کتاب کی وجہ تفصیل کو جانتے ہیں کہ کتاب حکیم بن کر تشریف لائی اور یہ بھی ہے کہ یہ فصّلنا کی ضمیر مفعول
سے حال ہے یعنی وہ کتاب بے شمار حکمتوں پر مشتمل ہے ھدًی ورحمۃً یہ فصّلناہ کی ضمیر سے
حال ہے یعنی کتاب ہادی اور ذی رحمت ہے۔ لقومٍ یؤمنون ٥ اس قوم کے لئے جو ایمان
لاتے ہیں یعنی وہ تصدیق کرتے ہوئے یقین رکھتے ہیں کہ واقعی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے تشریف
لائی ہے اور یہی لوگ کتاب اللہ کے آثار سے نفع پاتے اور اس کے انوار سے اقتباس کرتے ہیں۔
۵۳ ھل ینظرون الّا تاویلہٗ اور کفار صرف اپنے انجام کا انتظار کر رہے ہیں یعنی وہ چاہتے ہیں
کہ وہ وعد وعید ظاہر ہو جائیں جن کے متعلق انہیں خبر دی جا رہی ہے یوم یاتی تاویلہٗ اس
دن کہ ان کا انجام ظاہر ہو گا یعنی جب ان کا وہ انجام آئے گا جس کے متعلق انہیں وعدہ دیا گیا ہے
اس سے قیامت کا دن مراد ہے یعنی جب قیامت کے دن وہ اپنے انجام کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں
گے یقول الذین نسوہ من قبل جنہوں نے اس دن کو اس سے قبل بھلا رکھا تھا وہ کہیں
گے یعنی اس دن کے آنے کو وہ لوگ مانتے تھے۔ قد جاءت رسل ربّنا بالحق بے شک
ہمارے رسل کرام حق لائے تھے یہ باء تعدیۃ یا ملابست کی ہے تو بالحق حال ہے اصل عبارت یوں ہے
ملتبسین بہ یعنی انہیں اعتراف ہے کہ اخبار و احکام مثلاً بعثت حساب و جزاء انبیاء علیہم السلام لائے
ہیں حق ہیں اس کے بعد کفار اپنی نجات کے لئے دو تمنائیں پیش کریں گے اور چاہیں گے کہ ان میں سے
ایک تو پوری ہو جائے تاکہ قبر کے عذاب سے چھٹکارا نصیب ہو۔ پہلا ان کے لئے کوئی سفارشی سفارش کرے
چنانچہ فرمایا فھل لنا من شفعاء فیشفعوا لنا - کیا ہمارے کوئی سفارشی ہیں
جو ہمارے لئے آج سفارش کریں اور ہمیں ایسے عذاب سخت سے نجات دلائیں۔ دوسرا دنیا میں واپسی
کی اجازت مل جائے تاکہ نیک عمل کریں چنانچہ فرمایا اَو نُرَدّ یا ہمیں دنیا میں لوٹایا جائے فنعمل یہ دوسرے
استفہام کی وجہ سے منصوب ہے پس عمل کریں۔ " غیر الذی کنّا نعمل " اس کے برعکس جو پہلے ہم دنیا میں عمل کرتے
تھے یعنی اب ہم رسل کرام علیہم السلام کی تصدیق کریں گے اور اعمال صالحہ میں زندگی بسر کریں گے اس پر اللہ تعالیٰ

نے آن پر واضح فرمایا کہ اب تمہاری کوئی آرزو بھی پوری نہیں ہو گی چنانچہ فرمایا قَدْ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ۔ بے شک انہوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈالا جب کہ انہوں نے اپنی زندگیاں ضائع کر دیں اور وہی ان کا راس المال تھا۔ یعنی آخرت کی تجارت کے لئے ان کا اصلی مال جو ان کی وہی عمریں تھیں جو دنیا میں انہوں نے گناہ اور کفر کے ارتکاب سے ضائع کر دیں اب انہیں سوائے خسارے اور گھاٹے کے اور کیا حاصل ہو سکتا ہے وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ اور ان سے دور ہو گیا جو کچھ وہ افترا کرتے تھے یعنی ان کے اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بتوں کا بطلان ظاہر ہو گیا۔ جنہیں وہ اللہ تعالیٰ کا شریک اور اپنے متعلق انہیں سفارشی بناتے تھے۔ اب وہ ان سے ایسے گم ہوئے کہ قیامت میں انہیں ان کا نشان تک نظر نہیں آتا ہے

دیروز بدر دلم امیدے میداشت
امروز برگشت ونا امیدم بگذاشت

ترجمہ: کل تک میرے دل میں امید تھی آج وہ بھی گیا اور مجھے ناامید چھوڑ گیا۔

فائدہ:۔ کفار دنیا میں واپسی کی آرزو رکھیں گے لیکن انہیں اگر دنیا میں بھیجا بھی جاتا تب بھی وہی کردار ادا کرتے جن سے انہیں روکا جاتا ہے۔ مثنوی شریف میں حکایت ہے ؎

قصۂ ان آبگیرست ای عنود ⁂ کہ درو سہ ماهی اشکرف بود
چند صیادی سوی آں آبگیر ⁂ برگذشتند و بدیدند آن ضمیر
پس شتابیدند تا رام آورند ⁂ ماهیاں واقف شدند و هوشمند
آنکہ عاقل بود عزم راہ کرد ⁂ عزم راہ مشکل نا خواہ کرد
گفت بائیها ندارم مشورت ⁂ کہ یقین سستم کند از مقدرست
مہر زاد و بود بر جا نشاں تند ⁂ کاہلی و جنشاں بر من زند
مشورت را زندہ باید نکو ⁂ کہ ترا زندہ کندآں زندہ گو
نیست وقت مشورت ہیں راہ کن ⁂ چوں علی تو آہ اندر چاہ کن
محرم آں آہ کیمیاست و لبس ⁂ شب رود پنہاں روی کن چوں عسس

سوئے دریا عزم کن زیں آب گیر ⁂ بحر جو و ترک ایں گرداب گیر
سینہ را پا ساخت عارفت آں حذر ⁂ از مقام با خطر با بحر نور

رنجہا بسیار دید و عافیت ؞ رفت آخر سوئے امن و عافیت
خویشتن افگند در دریای ژرف ؞ کہ نیابد حد آں را ہیچ طرف
پس چو صیاداں بیاوردند دام ؞ نیم عاقل را ازاں شد تلخ کام
گفت آہ من فوت کردم فرصہ را ؞ چوں نگشتم ہمرہ آں رہنما
بر گذشتہ حسرت آوردن خطاست ؞ باز ناید رفتہ یاد آں ہباست
لیک زاں نندیشم و بر خود زنم ؞ خویشتن را ایں زماں مردہ کنم
ہمچناں مردہ شکم بالا فگند ؞ آب می بردش نشیب و گہ بلند
ہر یکے زاں قاصداں بس غصہ برد ؞ کہ دریغا ماہی بہتر بمرد
پس گرفتش یک صیاد ارجمند ؞ پس برو تف کرد بر خاکش فگند
غلط غلطاں رفت پنہاں اندر آب ؞ ماند آں احمق ہمی کرد اضطراب
از چپ و از راست می جست آں سلیم ؞ تا کہ بجہد خویش برہاند گلیم
دام افگندند اندر دام ماند ؞ احمقی او را دراں آتش نشاند
بر سر آتش بہ پشت تابہ ؞ با حماقت گشت او ہم خوابہ
او ہمی جوشید از تف سعیر ؞ عقل میگفتش الم یاتک نذیر
او ہمی گفت از شکنجہ وز بلا ؞ ہمچو جان کافراں قالوا بلیٰ
باز می گفتی کہ اگر ایں بار من ؞ وارہم زیں محنت گردن شکن
من نسازم جز بدریا یا وطن ؞ آبگیری را نسازم من سکن
آب بیحد جویم و آمن شوم ؞ تا ابد در امن و صحت می روم
آں ندامت از نتیجہ رنج بود ؞ نی ز عقل روشن چوں گنج بود
میکند او توبہ و پیر خرد ؞ بانگ لو ردوا لعادوا می زند

خلاصہ حکایت کسی پانی کھینچنے والے کے تین مچھلیاں ہاتھ لگ گئیں ان میں سے ایک نے بھاگ نکلنے کا مشورہ دیا لیکن کسی نے نہ سنی بالآخر وہ خود بھاگنے میں کامیاب ہو گئی۔ دوسری نے بھی چند ساعات کے بعد بھاگنے کی تدبیر سوچی اور اس نے بھی کامیابی حاصل کر لی۔ تیسری غفلت کا شکار ہوئی تو لوگوں نے کاٹ کر پکا کر کھا لی وہ اس دکھ درد کے وقت یہی کہتی کہ کاش میں ان کے کہنے پر چلتی جیسے کافر دوزخ میں دکھ درد اٹھائیں گے اور آرزو کریں گے۔

سبق: دانا وہ ہے جو اپنے حال کی سنبھال میں رہتا ہے اور نہ ہی لمبی چوڑی تمناؤں کا شکار ہوتا ہے

حکمت: امام غزالی قدس سرہ نے فرمایا جو کھیتی کے کام میں محنت کرتا ہے تو وہ اناج کا ڈھیر جمع کر لیتا ہے تو اسے حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ مجھے اس سے ایک سو بوری گندم کی اُمید ہے اور اگر کوئی کھیتی کے کام میں سستی برتے اور کام کاج کے وقت غفلت میں سوتا ہے تو اناج اٹھاتے وقت کہے کہ مجھے ایک سو بوری گندم حاصل ہوگی۔ یہ صرف زبانی جمع خرچی ہے اور کچھ نہیں۔ اسی طرح ہر وہ بندہ جو نیکی میں جدوجہد کرتا ہے اور برائیوں سے رکتا ہے تو اُسے کہنا مناسب ہے کہ وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ میری نیکی قبول کرے اور میری غلطیاں معاف فرمائے اور ثواب عنایت فرمائے۔ یہ اُمید بھی موزوں ہے اور اسے کہنا لائق بھی ہے لیکن ہر وہ بندہ جو غفلت میں غرق اور طاعات کے ترک کی عادت رکھتا اور ہر برائی کا ارتکاب کرتا اور خوفِ خدا اس کے دل سے اٹھ گیا ہو اور نہ ہی رضائے الٰہی مطلوب ہو اور اس کے وعدہ وعید کی پرواہ نہ کرے پھر بھی کہے کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی بہشت میں داخلے اور جہنم سے نجات کی اُمید ہے تو ایسا شخص نفس کا کھلونا ہے جیسے عوام بلکہ بعض بڑے خواص بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔

حدیث شریف حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دانا وہ شخص ہے جو اپنے نفس کو راہِ حق میں لگا دے اور موت کے بعد والی زندگی کے لئے عمل کرے اور فاجر وہ ہے جو نفس کے تابع ہو اور خواہشات نفسانیہ اس پر سوار ہوں پھر بھی اللہ تعالیٰ سے امیدیں وابستہ رکھے۔

فائدہ: غم تین ہیں (۱) نیکی قبول نہ ہو
(۲) گناہ معاف نہ ہوں
(۳) معرفت چھینی جائے۔

حکایت حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں حضرت سفیان رضی اللہ عنہ کے ہاں حاضر ہوا تو ان کی حالت یہ تھی کہ رات بھر روتے رہے آپ نے فرمایا۔ میں نے کہا تو پھر آپ کیوں روتے ہیں۔ انہوں نے ایک تنکا اٹھایا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ تمام کو بخشنے میں اتنا بوجھ بھی نہیں۔ مجھے خطرہ ہے کہ کسی گناہ کی نحوست سے میرے سے اسلام نہ چھن جائے۔

ف: تمامی رسل اور ابدال و اولیاء علیٰ نبینا وعلیہم السلام طاعت باوجود اتنی بہت بڑی جدوجہد کے اللہ تعالیٰ کے خوف سے ہر وقت پریشان رہتے ہیں پھر بھی ہمیں اپنے لئے سوچنا چاہیے کہ باوجود اتنے

باقی صفحہ ۲۲۲ پر

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرٰتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ
وَالْأَمْرُ تَبٰرَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعٰلَمِينَ ﴿۵۴﴾ اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّ
خُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۵﴾ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ
مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿۵۶﴾ وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًا بَيْنَ
يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتّٰى إِذَا أَقَلَّتْ سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنٰهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ
فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾
وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبُثَ
لَا يَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يَّشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمان و زمین چھ دن میں بنائے پھر عرش پر استوار ہوا جیسا اس کی شان کے لائق ہے رات دن کو ایک دوسرے سے ڈھانکتا ہے کہ جلد اس کے پیچھے لگا آتا ہے اور سورج اور چاند اور تاروں کو بنایا سب اس کے حکم کے دبے ہوئے سن لو اسی کے ہاتھ ہے پیدا کرنا اور حکم دینا بڑی برکت والا ہے اللہ رب سارے جہان کا [۵۴] اپنے رب سے دعا کرو گڑگڑاتے اور آہستہ بے شک حد سے بڑھنے والے اسے پسند نہیں [۵۵] اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ اس کے سنورنے کے بعد اور اس سے دعا کرو ڈرتے اور طمع کرتے بے شک اللہ کی رحمت نیکیوں سے قریب ہے [۵۶] اور وہی ہے جو ہوائیں

بھیجتا ہے اس کی رحمت کے آگے مژدہ سناتی یہاں تک کہ جب اٹھا لائیں بھاری بادل ہم نے اسے کسی مردہ شہر کی طرف چلایا پھر اس سے پانی اتارا پھر اس سے طرح طرح کے پھل نکالے اسی طرح ہم مردوں کو نکالیں گے کہیں تم نصیحت مانو اور جو اچھی زمین ہے اس کا سبزہ اللہ کے حکم سے نکلتا ہے اور جو خراب ہے اس میں نہیں نکلتا مگر تھوڑا بمشکل ہم یونہی طرح طرح سے آیتیں بیان کرتے ہیں ان کے لئے جو احسان مانیں ۵۸

تفسیر عالمانہ ۵۴ اِنَّ رَبَّكُمُ ، یہ خطاب ان کفار مکہ کو ہے جنہوں نے بے شمار معبود بنا رکھے تھے یعنی بے شک تمہارا رب "اللہ" اللہ کریم ہے جو جمیع کمالات کا جامع ہے اَلَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ جس نے آسمان اور زمین پیدا فرمائے کہ ان کی پہلی کوئی مثال بھی نہیں تھی فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ چھ دنوں یعنی چھ وقتوں میں اگرچہ وہ قدرت رکھتا ہے کہ صرف ایک دن میں تمام کائنات کو پیدا فرمائے لیکن چھ دنوں میں پیدا کرنے میں اپنے بندوں کو بتایا کہ دیر میں خیر ہوتی ہے۔ مثنوی شریف میں ہے۔

۱ : مکر شیطانست تعجیل و شتاب
خوئے رحمانست صبر و احتساب

۲ : یا تانے کشت موجود از خدا
تا بشش روز ایں زمیں و چرخہا

۳ : ورنہ قادر بود کز کن فیکون
صد زمین و چرخ آوردی بروں

بڑے گناہوں کا کبھی بھی خدا کا خوف اس کے تصور میں نہیں آتا۔

سوال : حدیث شریف میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر نیک گمان رکھنا چاہیے ہم گنہگار ہیں لیکن اس کی رحمت کے امیدوار ہیں۔

جواب : ان حضرات کو اللہ تعالیٰ پر نیک گمانی کا علم نہیں تھا یا وہ اللہ تعالیٰ کی وسعت رحمت کو نہیں جانتے تھے ہم سے انہیں زیادہ علم تھا۔ لیکن وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی نفس کا دھوکہ اور ایک قسم کا شیطانی غرور ہے۔ اے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کتاب کا عامل اور اپنی بارگاہ کا واصل بنا۔ ان لوگوں میں ہمارا شمار نہ ہو جو تجھے بھلا کر نفس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ (آمین ثم آمین الوفا الوفا)

۴ : این تانی از پے تعلیم تُست
صبر کن در کار دیر آئی درست

ترجمہ ۱ : شیطانی تدبیر عجلت اور جلدی میں ہے رحمانی عادت صبر و حوصلہ میں ہے۔
۲ : دیر سے ہی کھیتی اللہ تعالیٰ سے آتی ہے دن اور زمین اور آسمان کی گرمی سے۔
۳ : ورنہ وہ قادر ہے کہ کُن سے سب کچھ کرسکتا ہے سو زمین سو آسمان بناسکتا ہے۔
۴ : یہ صبر (تاخیر) تیری تعلیم کے لئے ہے صبر کر دیر میں خیر ہے۔

عجلت میں خیر

علماء فرماتے ہیں مندرجہ ذیل اُمور میں جلدی کرنا ضروری ہے۔
(۱) گناہوں سے توبہ
(۲) قرض کی ادائیگی
(۳) مہمان نوازی
(۴) بچی بالغہ کی شادی (نکاح و رخصتی) جلدی کرنا چاہیے
(۵) میّت کا دفن
(۶) جنابت کے بعد کا غسل۔

نکتہ : اللہ تعالیٰ نے اپنی خالقیت و قادریت سے آسمانوں کو پیدا فرمایا اور اپنے کمال تدبر اور حکمت بالغہ کی بنا پر اُن کی تخلیق میں چھ روز لگائے۔

نکتہ : چھ قسم کی مخلوق کو چھ دنوں میں پیدا کرنے میں منقسم فرمایا۔ چھ قسم کی مخلوق سے مندرجہ ذیل اشیاء مراد ہیں۔ (۱ : ارواح مجرد
(۲ : ملکوتیات : جیسے ملائکہ خبات۔ شیاطین ملک السموات جیسے عقول مفردہ مرکبہ
۳ : نفوس جیسے نفوس الکواکب نفوس الانسان و نفوس الحیوان و نفس النباتات والمعادن۔
۴ : اجرام یعنی بسائط علویہ کے اجسام لطیفہ۔ جیسے عرش کرسی سمٰوٰت۔ جنت۔ نار۔
۵ : اجسام مفردہ یعنی عناصر اربعہ۔
۶ : عناصر کے اجسام مرکبہ کثیفہ

سوال : ان امور کی تخلیق کو چھ ایام سے کیوں تعبیر کیا گیا ہے حالانکہ اس وقت تو نہ دن تھے نہ راتیں۔
جواب : اس سے ایام متعینہ مراد نہیں بلکہ مطلق وقت مراد ہے کہ اگر اس وقت تمہارے یہ ایام ہوتے

تو انہی ایام کی مقدار پر تخلیق ہوئی د گویا یہ تفسیر ہمارے سمجھانے کی وجہ سے ہے۔"

ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ تف عرش ہر وہ تخت کہ جس پر بادشاہ بیٹھے اور ہر اس شئے کو بھی کہا جاتا ہے جو سر کے اوپر سایہ افگن ہو۔

سوال : مذکورہ بالا ہر دو معانی اللہ تعالیٰ کے لئے محال ہیں۔

جواب : یہاں لغوی معنی مراد نہیں بلکہ سلطنت ملک اور غلبہ مراد ہے اب معنی یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کرنے کے بعد جس طرح چاہا اپنے ملک پر تصرف فرمایا مثلاً افلاک کو حرکت اور ستاروں کو گردش اور راتوں اور دنوں کو باری باری بدلنے کی قوت بخشی اور حکمت کاملہ کے تحت جس طرح چاہا۔ اپنی مصنوعات کو تیار فرمایا۔

— **فائدہ** : تقریر مذکورہ کی تائید قاضی بیضاوی کی تفسیر سے بھی ہوتی ہے انہوں نے لکھا کہ استوی علی العرش ای استقراء امر ربوبیۃ یعنی اس کی ربوبیت کا امر مستقر اور اُن کے امر کا اجراء ہوا اور اس نے اپنی حکمت کاملہ کے تقاضا پر اپنے مصنوعات میں تدبیر فرمائی۔

سوال : اگر مذکورہ بالا مطلب ہے تو پھر لفظ عرش سے اس کی تعبیر کی کیا تخصیص ہے۔

جواب : عرش الٰہی چونکہ تمام مخلوق سے بڑا ہے بلکہ جمیع اجسام کو محیط ہے تو پھر جو ذات اس پر تصرف اور قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ رکھتی ہے تو گویا اس کا تمام مخلوق پر قبضہ ہے اس لئے کہ جنت و دوزخ اور آسمان و زمین بلکہ تمام عناصر وغیرہ عرش کے گھیرے میں ہیں۔ اس بنا پر لفظ عرش سے تعبیر کیا گیا ہے۔

— **فائدہ** : تفسیر فارسی میں اس جملہ کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ " پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے عرش کی تخلیق کا ارادہ فرمایا۔

(**ثُمَّ بمعنی واؤ**) حداوی صاحبؒ نے فرمایا کہ یہاں پر ثم بمعنی واؤ علیٰ طریق الجمع کے ہے یہاں پر ثم اپنے معنی تراخی میں نہیں اس لئے کہ عرش کی آسمانوں اور زمینوں کی تخلیق سے برسوں پہلے ہو چکی تھی۔

حدیث شریف : مروی ہے کہ سب سے پہلے اللہ[1] تعالیٰ نے قلم پھر لوح پیدا فرما کر قلم کو قیامت تک ہونے والے تمام واقعات لکھنے کا حکم دیا اس کے بعد عرش اس کے بعد عرش کے حاملین ملائکہ اس کے بعد آسمانوں اور زمینوں کو پیدا فرمایا۔ صاحب روح البیان نے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ یہاں

---

[1] : اس سے اولیت اضافی مراد ہے تفصیل اس کی فقیر کے رسالہ "الحبل المتین" میں مطالعہ کریں ۱۲ (اویسی غفرلہ)

پر استویٰ لغوی معنیٰ میں مستعمل نہیں ہو رہا اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے لئے اس معنیٰ کا استعمال ناممکن ہے۔ اور وہ ایسے معانی سے منزّہ اور پاک ہے البتہ یہاں پر اس کا امر ایجادی اور تجلی احدی مراد لی جائے تو موزوں ہے جسے قرآن مجید نے حق سے تعبیر کیا ہے اور قاعدہ ہے کہ استوار امر ارادی ایجادی علی العرش شرعی استوار امر تکلیفی ارشادی کے قائم مقام ہوتا ہے جیسے یہ دونوں امر برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں اسی طرح عرش شرع بھی برابر طور ایک دوسرے کے عکس ہیں۔

تفسیر صوفیانہ تادیلات نجمیہ میں ہے کہ جب جمیع کائنات مذکورہ کی تخلیق مکمل ہو ئی تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے عرش پر تصرف کا ایسے ہی ارادہ فرمایا جیسے دوسری مخلوق کی تخلیق کے بعد تصرف کا ارادہ فرمایا اس وقت سے ہی عرش ماتحت الثری تک تصرف کا اجراء ہوا۔

سوال :- اگر جملہ امور اور جمیع مخلوق میں تصرف مراد ہے تو پھر عرش کی تخصیص کیوں۔

جواب :- پہلے گزر چکا کہ عرش محیط بکل مخلوق ہے۔ علاوہ ازیں اجسام لطیفہ کا مبداء بھی یہی ہے یعنی وہ اجسام لطیفہ جو فیض رحمانی قبول کرنے کی استعداد رکھتے ہیں۔

مسئلہ : استوار بھی اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے لیکن اس استوار سے وہ مراد نہیں جو مخلوق کے استوار کے مشابہ ہو۔ جیسے علم اللہ تعالیٰ کی صفت ہے لیکن وہ علم مخلوق کے علم سے کسی قسم سے مشابہت نہیں رکھتا اس لئے کہ (لیس کمثلہ شیٌّ) کی شان ہے۔

نکتہ : انسان اگر اپنی خلافت پر غور کرے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے کیوں اپنی خلافت کا اہل بنایا، اس غور و خوض کے بعد اُسے اپنے نفس کی معرفت حاصل ہو گی تو پھر اسے معرفت الٰہی نصیب ہو جائیگی

نکتہ عجیبہ اس کی توضیح یوں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی انسان کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتا ہے جب نطفہ ماں کے رحم میں قرار پکڑتا ہے تو اسے انسانی ڈھانچے میں تبدیل کرنے پر اس کی روح کو مقرر فرماتا ہے تاکہ وہ ایام حمل اپنی مرضی سے تصرف کرے چونکہ روح پہلے سے ہی عالم کبیر سے واقف ہوتی ہے اس لئے عالم کبیر کے مطابق اسے سمیع و بصیر بنا کر اس کے بدن کو زمین کی طرح اور اس کے سر کو آسمان کے مشابہ اور اس کا دل عرش الٰہی کی ساخت پر اور اس کا سِتر (راز و رموز کا مرکز) کرسی کے مطابق تیار کرتا ہے یاد رہے کہ روح کا یہ تصرف حق تعالیٰ کے حکم اور اس کی نیابت و خلافت کے تحت ہوتا ہے جب روح انسانی ڈھانچہ کی تکمیل سے فراغت پاتی ہے تو اس کے بعد عرش قلب کی طرف متوجہ ہوتی ہے روح کی تکمیل مذکور کے استوائے مکانی سے تعبیر کرتے ہیں اور روح کی صرف عرش قلب پر توجہ نہیں بلکہ انسانی ڈھانچہ

میں صرف قلب ہی فیضانِ حق کے حصول کی استعداد رکھتی ہے پھر اس سے ہی جمیع مخلوق کو فیضِ الٰہی نصیب ہوتا ہے جیسے ابھی ہم نے عرض کیا ہے روح کے واسطے سے ہی قلب پر فیضِ حق پہنچتا ہے۔ پھر قلب کے ذریعے باقی اجزاء انسانی سرشار ہوتے ہیں ایسے ہی فیضانِ الٰہی کا مرکز قلب ولی ہے کہ جس کے واسطہ سے تمام مخلوق کو فیض پہنچتا ہے۔

انتباہ: ہماری مذکورہ بالا تقریر کو کسی بندۂ خدا نے سمجھنے کی کوشش کی تو اُسے اللہ تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کا مفہوم پورے طور سمجھ آجائے گا اور اسے مَنْ عَرَفَ نَفْسَہٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّہٗ کا معنیٰ بھی یہاں سے محقق ہو جائے گا۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

ربط: استوائے عرش میں اپنی قدرت کاملہ اور اپنے امور میں اجرائے احکام کے تصرف کو بیان فرما کر بطور استیناف فرمایا۔ یُغْشِی اللَّیْلَ النَّھَارَ دن کو رات سے پوشیدہ کرتا ہے یعنی رات کو دن کے لئے بمنزلہ ایک حجاب کے بنایا کہ وہ اور اس کی تاریکی پردوں کے طور دن کو چھپا لے۔[1]

سوال: اس کے برعکس کیوں نہیں بیان کیا گیا حالانکہ دن بھی تو اپنی روشنی سے رات کو چھپا دیتا ہے

جواب قاعدہ ہے کہ ضدین میں سے ایک کا ذکر کیا جائے تو اس کی ضد (مقابل) خود بخود ذہن میں اُتر جاتا ہے پھر اس کی ضد کے ذکر کرنے کی ضرورت بھی نہیں رہتی۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ نفس کے صفات مذمومہ اور اس کی خواہشات قبیحہ کی تاریکیوں کا جب قلب کے انوار پر پرچھاؤں پڑ جاتی ہے تو سالک کا حال پھر وہی ہوتا ہے جیسے رات کی تاریکی سے دن کی کیفیت ہوتی ہے۔ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا یہ اللیل سے حالی ہے یعنی رات کی تاریکی دن کی روشنی کا حجاب بنتی ہے تو اس کا حال یہ ہوتا ہے کہ وہ دن کو طلب کرتی ہے۔

فائدہ چونکہ دن اور رات کے گزر جانے بعد ایک دوسرے کے آنا بلا فصل ہوتا ہے تو اسے یوں تعبیر کیا گیا ہے کہ گویا وہ ایک دوسرے کی طلب میں ہے وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ. اس کا عطف السمٰوٰت پر ہے یعنی سورج اور چاند اور ستاروں کو پیدا فرمایا درانحالیکہ وہ تمام اللہ تعالیٰ کے حکم اور تصرف اور اس کی قضاء و قدر کے تابع ہیں یعنی ان کے طلوع و غروب کے لئے جیسے وہ چاہتا ہے

---

[1] رات بذات خود پردہ ہے جیسے کہ ارشاد باری ہے وَجَعَلْنَا الَّیْلَ لِبَاسًا۔ اور دوسرا اس کا پردہ ہونا تاریکی کی وجہ سے ہے پہلی بات تفصیل طلب ہے انشاء اللہ پھر عرض کیا جائیگا۔ یہاں اس کے بیان کی گنجائش نہیں ۱۲۔ اویسی

یہ ویسے ہی سرِ تسلیم خم کرتے ہیں ان کی حرکات مقدرہ اور ان کے احوال سب کے سب حکم الٰہی کے تحت ہیں
اَلَا یہ تنبیہ کے لئے ہے بمعنی اعلمُوا یعنی خبردار کہ صرف اللہ تعالیٰ کے لئے یہ خبر ہے اور اس کی تقدیم تخصیص
کے لئے ہے۔ اَلْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تخلیق اور جملہ امور تکوینیہ یعنی علی الاطلاق ہر شے کا موجد اور متصرف صرف
وہی اللہ تعالیٰ ہے۔

تفسیر صوفیانہ تاویلات نجمیہ میں ہے کہ جو شیٔ امر الٰہی کے واسطہ کے بغیر پیدا کی گئی اسے امر کہا جاتا ہے اور جو کسی واسطہ سے پیدا ہوئی ہے وہ خلق ہے حضرت امام صاحب نے فرمایا
کہ ماسوی اللہ کا نام عالم ہے اور وہ دو قسم ہے (۱) عالم الخلق (۲) عالم الامر۔ عالم الاجساد والجسمانیات
کو عالم خلق اور عالم ارواح والمجردات کو عالم امر کہتے ہیں اس لئے کہ خلق بمعنی تقدیر ہے اور ہر وہ شے جو جسم
یا جسمانی ہو وہ ایک مقدار معین سے مخصوص ہوتی ہے بنا بریں اسے عالم خلق سے تعبیر کیا جاتا ہے اور جو شے حجم
اور مقدار سے مجرد ہو اسے عالم الارواح کہتے ہیں اور وہ مکنونات جو صرف امر کن سے پیدا ہوئی ہیں عالم امر میں
داخل ہیں اُن ہر ایک کو کسی مناسبت کے مناسب نام سے موسوم کیا جاتا ہے اس لئے فرمایا کہ میرے شیخ قدس سرہ
نے فرمایا کہ عالم العین والکون والحدوث روح ہو یا جسم کو عالم خلق کہا جاتا ہے اور عالم العلم و الالہ والوجوب کو عالم
امر کہتے ہیں۔ عالم خلق عالم امر کے تابع ہوتا ہے اس لئے کہ عالم امر عالم خلق کا اصل و مبدا ہے قال تعالیٰ
قل الروح مِنْ اَمْرِ رَبِّی اور فرمایا " واللّٰہُ غَالِبٌ عَلٰی اَمْرِہٖ۔

تَبٰرَکَ اللّٰہُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ اللہ رب العالمین کی ذات بڑی برکت والی ہے اور وہ
اپنی الوہیت میں وحدانیت کے ساتھ بلند اور ارفع شان کا مالک ہے اور ربوبیت میں تفرد کے ساتھ عظیم المرتبت
ہے۔ اس آیت میں ان کافروں کا رد فرمایا ہے جنہوں نے اپنے لئے بے شمار معبود بنا رکھے تھے بہت بڑی
حکمت اور نہایت مضبوط حجت سے انہیں توحید کی دعوت دی ہے۔

نکتہ: آیت کو لفظ اِنَّ تحقیقیہ سے شروع کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ کفار سرے سے ذات
حق کی ربوبیت کے منکر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے رد میں اِنَّ ربکم الخ فرمایا کہ محکم فرمائی ہے اور اس کی یہ
صفت اس کے کمال علمیت و حکمت و قدرت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ایسا حکیم ہے کہ جس نے تمام مشاہدات
کو پیدا کر کے ایک بہت بڑے بادشاہ کی حیثیت سے اپنی مملکت میں بہتر سے بہتر تدبیر فرمائی۔

حکایت: مروی ہے کہ صاحب بن عباد (ادیب) کو "ارقیم" تبارک۔ المتاع کے معانی میں
تردد تھا۔ بہت بڑے قبائل عرب کے بڑے ادیبوں سے ملے لیکن تسلی و تشفی نہ ہوئی۔ ایک دن ایک
بدوی عورت سے اچانک سنا کہ وہ اپنے چھوٹے بچے سے پوچھ رہی تھی کہ " این المتاع " چھوٹے بچے نے

جواب میں کہا جَاءَ الرَّقِیم واخذ المتاع وتبارك الجبال ۔ یعنی کتا آیا اور وہ متاع لے کر پہاڑ پر چڑھ گیا ہے ۔ اس عبارت کا مفہوم اس نے اس بدوی عورت سے سمجھنا چاہا تو اس عورت نے کہا الرقیم بمعنی الکلب یعنی کتا اور المتاع " یعنی ما یبیل یا لمار دیتمسح بہ القصاع یعنی وہ شے جو پانی سے تر کر کے پیالہ کو صاف کیا جائے اور تبارک بمعنی صَعَدو تعالیٰ" یعنی بلندی پر چڑھا ۔

حدیث شریف جو شخص کسی عمل صالح کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کی حمد نہیں کرتا بلکہ اپنے نفس کی ہمت سمجھ کر اپنی تعریف کرتا ہے تو وہ کافر ہے اور اس کا وہ عمل بھی ضائع جاتا ہے اسی طرح جس کا یہ خیال ہو کہ اپنے ذاتی امر کے لئے کسی شئے کو سبب بنایا تو سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ کے انبیاء علیہم السلام کے احکام سے کفر کیا ۔ شاعر کہتا ہے ؎

الی اللہ کُلّ الاَمْر فی خلقہ معًا

وَ لَیْسَ الی المخلوق شَیٔ مِنَ الامر

ترجمہ: جمیع مخلوق کے جمیع امور صرف اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہیں اور ذاتی طور مخلوق کے کسی فرد کو کوئی اختیار نہیں ۔

۵۵ اُدْعُوْا رَبَّکُمْ اپنے رب کریم کو پکارو یہاں پر رب بمعنی عربی از تربیت ہے یعنی کسی شئے کو بتدریج کمال پہنچانا ۔ اللہ تعالیٰ ظواہر یعنی نفوس کی نعمت سے اور بواطن یعنی قلوب کی رحمت سے تربیت کرتا ہے عابدین کے نفوس کی احکام شریعت سے اور مشتاقین کے قلوب کو آداب طریقت سے اور اسرار المحبین کو انوار حقیقت سے تربیت کرتا ہے ۔

اسم اعظم کی تحقیق رب تعالیٰ کا نام ہے اور اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے جس اسم کو الٹا کرو گے تو معنی باطل ہو جاتا ہے بخلاف لفظ رب کے کہ اسے الٹاؤ تو معنی باطل نہیں ہوتا ۔ کیوں کہ رب کا عکس بَر ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام ہے ۔

حدیث خضری خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ اسم اعظم لفظ رب ہے اس لئے کہ ہر نبی و ولی بلکہ اعدائے اسلام بھی اللہ تعالیٰ سے کچھ مانگتے ہیں تو لفظ رب سے ابتداء کر کے چنانچہ ملاحظہ ہو ۔ رَبَّنَا ظَلَمْنَا اَنْفُسَنَا الآیۃ اسی طرح باقی آیات اور صحابہ کرام کو دعا مانگنے کا طریقہ بتایا گیا ۔ ربنا ما خلقت ھذا الآیہ اور اعدائے اسلام کے کلمات بھی یوں ہی ہیں ۔ شیطان نے کہا رَبِّ اَنظِرنی الآیۃ اور قیامت میں کفار کہیں گے ۔ رَبنا اَبصر وَ سَمِعْنَا فَارْجِعْنَا ۔

تَضَرُّعًا وَّخُفْیَۃً " بمعنی زاری کرنا (کذا فی تاج المصادر) اس کا مادہ ضرع یضرع ضراعۃ

ارباب فتح ہے بمعنی خضع و ذلّ اور یہ دونوں اُدعُوا کے فاعل سے حال ہیں۔ یعنی متضرعین متذللین و مخفیں بالدعا۔ یعنی اپنے رب کریم کو پکارو درانحالیکہ عجز انکسار کرنے والے اور دعا کو چھپانے والے ہوتا کہ اقرب الی الاجابۃ ہو۔ اس لئے اخفاء اخلاص اور احتراز عن الریاء کی دلیل ہے۔

حدیث شریف مروی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کسی جنگ کے موقع پر ایک وادی کو جھانک کر بلند آواز سے تکبیر و تہلیل کہنے لگے۔ حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے سُن کر فرمایا آہستہ آہستہ تکبیر و تہلیل کہو۔ اس لئے کہ تم جسے پکار رہے ہو وہ نہ تو بہرا ہے اور نہ تم سے دُور ہے بلکہ وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہے (اور وہ تمہاری ہر بات سنتا اور جانتا ہے اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ بنابریں یہی عقیدہ ہو کہ ہر وقت ہر ایک کے ساتھ ہے۔

مسئلہ: حدیث شریف میں ہے کہ اللہ کا آہستہ ذکر کرنا مستحب ہے۔

مسئلہ: شرح کشاف میں ہے کہ یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بعض کے لئے تو ذکر بالجہر مستحب ہوتا ہے۔ جیسے مبتدی سالک کو مرشد کامل ذکر بالجہر کا حکم دیتا ہے تاکہ اس کے دل پر جتنا شیطانی حرکات ہیں دور ہو جائیں۔ (کذافی شرح مشارق الانوار الابن الملک)

فائدہ: حسین کاشفی رسالہ عالیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ جنہیں نفس کی شرارتوں کا علم ہوا تو ذکر بالجہر کرنا مناسب سمجھ کر ذکر خفی کو ترجیح دی تاکہ ریاء سے بچ جائیں اور اپنی دلیل واذکر ربک فی نفسک تضرعا و خفیہ کو سمجھا اور ان میں بعض اللہ والے ایسے بھی ہیں جن کے دل اخلاص سے پُر ہیں اور ریاء سے کوسوں دُور بنابریں انہوں نے ذکر بالجہر پر زور دیا یہ ہر دو گروہ پاکباز ہیں ہم کو ہر ایک سے خوش عقیدہ رکھنا ضروری ہے۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔

مثنوی شریف میں ہے۔

گفت ادعوا اللہ بی زاری مباش
تا بیاید فیضہائے دوست فاش

تا سقاہم ربہم آید خطاب
تشنہ باش واللہ اعلم بالصواب

ترجمہ ۱: فرمایا ادعوا اللہ (اللہ کو پکارو) زاری کے بغیر نہ ہو تاکہ دوست کے فیوض کھول کر آئیں۔
۲: تاکہ سقاہم کا خطاب آئے۔ پیاسہ ہو (پھر خطاب آئے گا) واللہ اعلم بالصواب۔

دُعا کے آداب حضرت عمر رضی اللہ سے مروی ہے حضورؐ تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جب دعا کیلئے ہاتھ اٹھاتے تو اختتام پر اپنے چہرے مبارک پر دونوں ہاتھ پھیرتے تھے تاکہ وہ رحمت الٰہی جو دعا کے وقت ہاتھوں پر نازل ہوئی اس کے برکات چہرہ کو بھی نصیب ہوں۔ کما قال سِیمَاهُمْ فِی وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ۔ علاوہ ازیں ہاتھوں کو چہرے پر لگانے میں درحقیقت حقیقۃ جامع کی طرف رجوع ہے۔ اس لئے کہ چہرہ ہی ذات ہے چنانچہ اسرار محمدیہ میں لکھا ہے کہ انسان دُعا کے وقت ظاہراً و باطناً ہر طرح اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دُعا میں حضور قلب کی شرط میں بھی یہی راز ہے۔

نکتہ : دونوں ہاتھوں کو اٹھانا پھر چہرے پر لگانے میں ایک نکتہ اور بھی ہے وہ یہ کہ بندے کا ایک ہاتھ ظاہر اس کے حال ظاہری کا ترجمان ہے اور دوسرا اس کے باطنی حال کا اور زبان ہر دونوں کی مترجم ہے۔

نکتہ : ہاتھوں کو چہرے پر پھیرنا تبرک کی دلیل ہے اور اس طرف اشارہ ہے کہ اس طرح سے بندہ حقیقۃ جامعہ بین الروح والجسد کی طرف رجوع کرتا ہے اس لئے کہ ہر شے کا چہرہ اس کی حقیقت کہلاتی ہے اور یہی ظاہری چہرہ اس حقیقت کا مظہر ہے۔

مسئلہ :- دعا مانگنے والے کے لئے سنت یہ ہے کہ دعا کے وقت ہاتھوں کو آسمان کی طرف خوب پھیلائے

مسئلہ :- دعا کے وقت ہاتھوں کو گریبان سے باہر پورے طور کھلا رکھنا سنت ہے۔

حکایت : سیدنا بایزید بسطامی قدس سرہ (سلطان العارفین) نے فرمایا کہ ایک روز میں نے دعا مانگی تو ایک ہاتھ تو کھلا رکھا لیکن دوسرا سردی کی وجہ سے گریبان سے باہر نہ نکال سکا اسی رات نیند میں دیکھا کہ میرا ایک ہاتھ نور سے بھرپور لیکن دوسرا بالکل خالی۔ میں نے عرض کی یا الٰہ العالمین اس میں کیا راز ہے جواب ملا کہ جسے تم نے ہمارے سامنے خالی پھیلایا اُسے ہم نے نور سے بھر دیا اور جسے تم نے چھپائے رکھا وہ خالی رہ گیا۔

نکتہ : ہاتھوں کو آسمان کی طرف اٹھا کر اپنے ہاتھوں کو دیکھتے رہنا ایسے ہے جیسے ایک سائل شاہی خزانہ کو دیکھ کر اشارہ کرتا ہو کہ اے بادشاہ اپنے خزانہ سے میرے ان خالی ہاتھوں میں کچھ ڈال دے اللہ تعالیٰ نے فرمایا " وَفِي السَّمَاءِ رِزْقُكُمْ وَمَا تُوعَدُونَ ۔

مسئلہ : آسمان دعا کا قبلہ ہے اور نزول برکات کا مرکز۔

مسئلہ : افضل یہی ہے کہ دعا مانگتے وقت ہاتھ کھلے رکھ کر دونوں ہاتھوں کے درمیان میں تھوڑا فاصلہ چھوڑنا چاہیے ہاں اگر مجبوری ہو یا سخت سردی ہو تو شہادت کی انگلی سے اشارہ ضرور کرے تاکہ وہ اشارہ دونوں ہاتھ کھلے رکھنے کے قائم مقام ہو جائے۔

مسئلہ : مستحب ہے کہ دُعا کے وقت ہاتھ دونوں سینوں کے بالمقابل ہوں اس لئے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کا طریقہ یونہی نقل فرمایا ہے۔

اِنَّہٗ لَا یُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ بے شک اللہ تعالیٰ تجاوز کرنے والوں سے محبت نہیں کرتا اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو دعا اور دیگر ماموربہا امور میں تجاوز کرتے ہیں۔ اس میں تنبیہ ہے کہ دُعا میں ایسے معوضات پیش نہ کرے جو مانگنے کے لائق نہیں مثلاً انبیاء کا مرتبہ مانگنا یا آسمان پر چڑھنا بعض کہتے ہیں اس سے دُعا میں پہنچا چلانا مراد ہے۔

حدیث شریف حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونے والے ہیں جو دعا مانگنے میں تجاوز کریں گے دعا میں اتنا الفاظ کافی ہیں

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ الْجَنَّۃَ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ وَاَعُوْذُبِکَ مِنَ النَّارِ وَمَا قَرَّبَ اِلَیْھَا مِنْ قَوْلٍ وَّعَمَلٍ اے اللہ میں تجھ سے بہشت اور قول و عمل کا سوال کرتا ہوں جو اس کے قریب کردے اور میں جہنم اور اس قول و عمل سے پناہ مانگتا ہوں جو اس کے قریب کرے یہ فرما کر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر "انہ لایحب المعتدین" دعا میں مہتم بالشان امور کا سوال کرنا چاہیے مثلاً بہشت کا داخلہ اور جہنم سے نجات کا سوال کرنا جیسا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعرابی سے فرمایا جب کہ اس نے کہا "میں اللہ تعالیٰ سے بہشت کا سوال کرتا ہوں اور اس کے فضل و کرم سے جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ اے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ آپ کے دندنہ کو جانتا ہوں اور نہ معاذ کے دندنہ کو۔

آپ نے ایسے فرمایا "حولہا ندندن" اس کلام سے اعرابی کا مقصد یہ تھا کہ میں لمبی چوڑی دعائیں نہیں جانتا میں تو صرف اتنا کہتا رہتا ہوں" اللھم انی اسئلک الجنۃ الخ آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہمارا مقصد بھی وہی ہے جو تو کہہ رہا ہے لیکن لمبے چوڑے الفاظ سے ہم اجر عظیم کی اُمید رکھتے ہیں ۵۶ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ اور کفر و معاصی کا ارتکاب کرتے زمین پر فساد مت پھیلاؤ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے اور اجرائے احکام سے زمین کی اصلاح کے بعد

فائدہ : حدادی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بے فرمانیاں مت کرو تاکہ تمہارے گناہوں کی نحوست سے بارش بند نہ ہو جائے جس سے سرسبز کھیتیاں تباہ و برباد ہو جائیں۔

وَادْعُوْہُ خَوْفًا وَّطَمَعًا خوف اور طمع ہر دونوں مصدر حال واقع ہوئے ہیں یعنی اللہ تعالیٰ

کو پکارو در انحالیکہ تمہارے دل میں یہ خوف ہو کہ کہیں ہمارے کوتاہیوں سے ہمارے اعمال رد نہ کئے جائیں اور تمہیں یہ طمع ہو کہ وہ اپنے فضل و کرم سے ہماری دعائیں قبول فرمالے۔

اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ بے شک اللہ تعالیٰ کی رحمت نیک لوگوں کے قریب ہے۔

سوال: قریب رحمت کا مسند ہے اور ان میں مطابقت ضروری ہے لیکن یہاں مطابقت نہیں۔

جواب: رحمۃ رحم بضم امراء سے موّول ہے اس لئے کہ رحم بمعنی رحمۃ آیا ہے کما قال تعالیٰ واقرب رُحُماً۔

فائدہ: امام کسائی سے لکھا کہ اِنَّ رحمۃ اللّٰہ الخ "وَمَا یُدْرِیْکَ لَعَلَّ السَّاعَۃَ تَکُوْنُ قَرِیْباً" کی طرح ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کی انہیں اُمید رکھنی چاہیے۔

خلاصۃ التفسیر: اللہ تعالیٰ کی رحمت ان لوگوں کے قریب ہے جن کی زبان ذکر سے ذاکر و شاکر اور جن کا دل حاضر و ناظر رہا اور رحمت حق کے طمع سے بھرپور اور اپنے لئے رحمت ایزدی کے حصول کے لئے پُر اُمید ہو۔ یہی دعا کی قبولیت کا بہترین وسیلہ ہے۔ اور احسان (بِاَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَاَنَّكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ يَرَاكَ) کا راز بھی اس میں مضمر ہے۔

حدیث شریف اللہ تعالیٰ سے دُعا مانگتے وقت یقین ہو کہ میری یہ دُعا ضرور قبول ہوجائیگی اور وہ کریم میری دعا ضرور مستجاب فرمائے گا اس لئے کہ دُعا کا رد کرنا یا تو عاجزی سے ہوتا ہے یا جس سے سوال ہوا ہے وہ مروت اور کرم سے یکسر خالی ہو یا یہ کہ سرے سے اسے مانگنے والے کا علم ہی نہ ہو اور یہ تمام امور اللہ تعالیٰ سے نہیں ہو سکتے اس لئے کہ وہ علیم کریم اور قادر قدیر ہے اور اسے دُعا قبول کرنے سے کوئی مانع بھی نہیں ہو سکتا۔

اعجوبہ: حضرت سہل رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب بندہ اپنے سوال کے وقت اللہ تعالیٰ کے ہاں عجز و انکسار کا اظہار کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اگر میرے بندے کو میرے کام کے بوجھ اٹھانے کی طاقت ہوتی تو میں اس کے معروضات پر فوراً لبیک کہتا۔

حکایت: حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک شخص سے گزرے جو بہت بڑے عجز و انکسار سے دُعا مانگ رہا تھا موسیٰ علیہ السلام نے دل میں کہا کہ اگر میرے بس میں ہوتا تو میں اس کی آرزو پوری کرتا اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں آپ سے زیادہ رحیم تر ہوں لیکن اس کی عالت تو دیکھیے کہ وہ مجھ سے مانگ رہا ہے اور دل بکریوں سے لگائے ہوئے ہے پھر میں اس بندے کی دعا کیسے قبول کروں کہ سوال تو میرے سامنے کرے لیکن دل میرے غیر سے وابستہ رکھے۔ یہی بات موسیٰ علیہ السلام نے اس بندے

کو سنائی۔ پھر وہ بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف پورے طور متوجہ ہوا۔ جس سے اس کی آرزو پوری ہو گئی۔

سبق :۔ دعا میں حضورِ قلب اور اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھنا ضروری ہے تاکہ دعا جلد قبول ہو۔

حکایت : ایک بے وقوف حج کے وقت الوداعی طواف کر رہا تھا کسی نے اس سے مزاحاً پوچھا کہ تو نے حج پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے جہنم سے اپنی برأت کا پرچہ لیا ہے۔ اس نے کہا نہیں۔ پھر بے وقوف نے مزاح کرنے والے سے پوچھا کیا دوسروں کو برأت کا پرچہ ملا ہے اس نے کہا سب کو مل گیا ہے صرف تجھے ہی نہیں ملا۔ وہ بیوقوف یہ سن کر رونے لگا اور حجرِ اسود کی طرف جا کر کعبہ معظمہ کے پردوں سے چمٹ کر زار و قطار روتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے اپنی برأت کا پرچہ مانگتا تھا۔ اسے تمام دوستوں نے سمجھایا کہ تم سے مذاق کیا گیا ہے اتنی پریشانی کیوں لیکن وہ کسی کی نہیں مانتا تھا اور بدستور اسی طرح کعبہ معظمہ کے غلاف کو پکڑ کر روتا رہا کہ اچانک کعبہ معظمہ کے میزاب کی طرف سے اس پر ایک پرچہ گرا۔ جس پر لکھا ہوا تھا کہ ہم نے تجھے جہنم سے آزاد کیا۔ وہ دیکھ بہت خوش ہو کر لوگوں کو دکھاتا پھرتا تھا۔ اس پرچہ کی عجیب شان تھی کہ وہ ہر طرف سے برابر طور پڑھا جاتا تھا۔ جدھر دیکھا جاتا ایک ہی عبارت ہوتی جس کی عبارت میں کسی قسم کا تغیر و تبدل نہیں تھا۔ اگر اسے دیکھا جاتا تو بھی مطلب کے مطابق ہوتا۔ اس سے لوگوں کو یقین ہوا کہ واقعی یہ پرچہ اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے نصیب ہوا ہے۔

فائدہ : منقول ہے کہ عوام کی دعا اقوال سے اور زہاد کی افعال سے اور عارفین کی احوال سے ہوتی ہے جس کے لئے اجابت کا ارادہ فرماتا ہے تو اُسے ایسے الفاظ کی توفیق بخشتا ہے کہ جس کے بولنے سے اس کی دعا فوراً قبول ہو جائے۔

مسئلہ : دکھ اور درد کے وقت دعا نہ مانگنا مذموم ہے یہ اہل طریقت کا مذہب ہے اس لئے کہ اس وقت دعا نہ مانگنا گویا اللہ تعالیٰ سے مقابلہ کرنا ہے اور ظاہر کرنا ہے کہ اسے مشقت اور تکالیف کی برداشت کی طاقت ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے جیسا کہ شیخ محقق ابن الفارض قدس سرہ نے فرمایا ؎

ویحسن اظہار التجلد للعدی
ویقبح غیرُ العجزِ عند الاحبۃ

ترجمہ :۔ دشمنوں کو ہمت مردانہ کا اظہار ضروری ہے لیکن دوستوں کو عجز و انکساری ظاہر کرنا لازم ہے۔

حضرت حافظ شیرازی قدس سرہ نے فرمایا ؎

فقیر و خستہ بدرگاہت آمدم رحمے
کہ جز دعائے تو ام نیست ہیچ دستاویز

ترجمہ ، فقیر دخستہ تیری درگاہ میں آیا ہوں اور رحم کی درخواست ہے میرے پاس دعا کے سوا کوئی دستاویز نہیں۔
شیخ الاسلام رحمہ اللہ تعالیٰ کی مناجات میں ہے کہ اے الہ العالمین اگر تیرے وفادار تجھ سے رحمت کے امیدوار ہیں تو ہم جیسے جفا کار بھی تیری رحمت کی امید سے پیچھے نہیں انہیں بھی تیری پناہ کی بیحد ضرورت ہے

تفسیر صوفیانہ تفرع ہر وقت عجز وانکساری جس سے مخلوق کو خبر ہو اور خفیہ ہر وہ آہ وزاری جسے صرف حق تعالیٰ جانے یا یوں کہو کہ تفرع کا اعضاء سے تعلق ہے اور خفیہ قلب سے متعلق ہے اور دعا میں تجاوز عند الصوفیاء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے غیر کی طلب کی جائے اور ماسوا کی رضا طلب مقصود ہو

وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بعض صوفیاء کہتے ہیں کہ الارض سے ارض القلوب مراد ہے بعد اصلاحہا کی ضمیر کا مرجع ارض القلوب ہے یعنی جب اللہ تعالیٰ اپنے اور قلوب کے درمیان وسائط اٹھالے تو پھر تم اس میں فساد نہ ڈالو بایں طور کہ قلوب سے غیر حق کو نہ دیکھو اور قلوب کی اصلاح یہی ہے کہ وہ صرف حق کو دیکھیں اور بس۔ بعض صوفیاء کرام کہتے ہیں کہ "بعد اصلاحہا" کا مطلب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ قلوب کو غیر سے صاف فرما دے تو پھر اس مختلف آرزوؤں اور تمناؤں میں نہ پھنساؤ جبکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے قلوب متابعت نفس سے بچا آیا تو پھر تم انہیں اتباع نفس میں ڈال کر کیوں خراب کرتے ہو۔

مسئلہ :۔ حظوظ نفس کی طرف رجوع کرنا بھی فساد قلوب میں سے ہے یعنی جب کہ قلوب حقوق الٰہی کے قیام میں سرگرم ہوں تو پھر انہیں حظوظ نفس کی طرف جھکنے نہ دو " وادعوہ خوفاً " یعنی انقطاع عن الحق کے خوف سے بچنے کی دعا مانگو۔ وَطَمَعاً اور رحمتِ الٰہی کے حصول کے طمع میں رہو یہاں پر رحمت سے مراد اپنی آرزوں وتمناؤں کو مٹانا ہے۔ " قریب من المحسنین" محسنین سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جو طاعات کے وقت تجلیاتِ حق کا مشاہدہ کرتا ہے یعنی اس طرح پر طاعات کرتے ہیں کہ انہیں طاعات میں ذاتِ حق کے جلوے نصیب ہوتے ہیں۔ اس ارادہ پر نہیں کہ وہ یہ سمجھیں کہ طاعت کریں گے تو جلوہ ہائے حق نصیب ہوں گے۔ اس لئے کہ یہ تو سودا بازی ہے اور طاعات میں سودا بازی کیسی۔ (کذا فی التاویلات النجمیہ)

تفسیر عالمانہ وَهُوَ الَّذِیْ یُرْسِلُ الرِّیٰحَ اور اللہ تعالیٰ وہ ہے جو ہواؤں کو چھوڑتا ہے

قاعدہ :۔ قرآن پاک میں لفظ الریاح ہر جگہ رحمت کے لئے مستعمل ہوا ہے اور الریح عذاب کے لیے اس قاعدہ کی تائید حدیث شریف سے بھی ہوتی ہے۔

حدیث شریف: ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ تی ہو حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو گھٹنوں کے بل پڑے اور سر مبارک کو سجدے میں رکھا ہوا دیکھا جاتا اور آپ کو یہ کہتے سنا جاتا ۔ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْھَا لَنَا رِیَاحاً وَّلَا تَجْعَلْھَا رِیْحاً اے اللہ تعالیٰ آنے والی ہوا کو ہمارے لئے ریاح اور رحمت بنا اور اسے ہمارے لئے ریح (عذاب) نہ بنا۔ لاتقتلنا بغضبک ولاتھلکنا بعذابک وعافنا قبل ذٰلک ۔ اور ہمیں اپنے غضب میں مبتلا کرکے نہ مارنا اور نہ ہی اپنے عذاب سے تباہ و برباد کرنا بلکہ غضب و عذاب سے پہلے ہی ہمیں عافیت سے ہمکنار فرمانا۔

حدیث شریف: حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "الریح" (ہوا) کو گالی مت دو۔ بلکہ جب ہوا کا ہیبتناک منظر دیکھو تو یوں عرض کرو۔

اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَخَیْرَ مَافِیْھَا وَخَیْرَ مَا اُمِرَتْ بِہٖ وَنَعُوْذُبِکَ مِنْ شَرِّ ھٰذِہِ الرِّیْحِ وَشَرِّ مَافِیْھَا وَشَرِّ مَا اُمِرَتْ بِہٖ

اے اللہ تعالیٰ ہم تجھ سے اس ہوا کی بھلائی مانگتے ہیں اور ہمارا اس کی اس بھلائی کا سوال ہے جو تو نے اس کے اندر امانت رکھی ہے اور اس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے اور ہم تیری پناہ مانگتے ہیں اس ہوا کے شر سے اور اس کے اس شر سے جو تو نے اس کے اندر رکھا ہے اور جس کا تو نے اسے حکم فرمایا ہے۔

مسئلہ: دریا میں کشتی پر سوار ہو کر ہوا کے رُخ صحیح یا غلط پر بھروسہ مت کرنا کہ یوں سمجھنے لگو کہ آج ہوا موافق ہے۔ فلہذا کشتی صحیح سالم نکل کر کنارے لگے گی یا آج ہوا کا رُخ غلط ہے فلہذا اس کے غرق ہونے کا خطرہ ہے اس لئے کہ (عند المحققین یہ توحید کے منافی ہے یعنی توحید فی الافعال میں شرک اسی کو کہتے ہیں۔ ایسا عقیدہ حقائق الامور سے جہالت کی دلیل بنتا ہے جسے حقیقت منکشف ہو جاتی ہے وہ سمجھتا ہے کہ ہوا خود تو نہیں چلتی بلکہ اس کے چلانے والا کوئی اور ہے اور اسے کسی دوسرے کا حکم ہے اور وہ دوسرا کسی اور کا محتاج ہے یہانتک کہ آمر حقیقی یعنی ذات باری تعالیٰ تک معاملہ پہنچے گا اور ظاہر ہے کہ اس کا حکم نہ ہوتا تو نہ فرشتے ہوا کو چلاتے اور نہ وہ چلتی اور وہ کسی کا محتاج نہیں بلکہ ایسے عقیدہ سے وہ منزہ اور پاک ہے بلکہ یوں کہو اس طرح کی تشبیہات سے بھی وہ مقدس ہے کہ اسمیں کسی کی محتاجی کا شائبہ ہو۔ اس طرح سے واضح ہو گیا کہ ہوا از خود نہیں چلتی بلکہ کسی کے حکم سے چلتی ہے فلہذا اسے گالی دینے کا کیا معنیٰ؟

بُشُرًا اور اس کے پہلو دونوں حرفوں کو ضمہ کے ساتھ پڑھنا ہے یہ بشیر کی جمع ہے جیسے رغیف کی رغف جمع آتی ہے یعنی وہ ہوائیں خوشخبری دینے والی ہوتی ہیں بَیْنَ یَدَیْ رَحْمَتِہٖ اس کی

رحمت سے پہلے یہاں پر رحمت سے بارش مراد ہے اس لئے صبا بادلوں کو پھیلاتی ہے اور باد شمال انہیں جمع کرتی ہے اور جنوبی ہوا بارش برساتی ہے اور غربی باد بادلوں کو منتشر کرتی ہے۔

فائدہ: بادصبا وہ ہوا ہے جو طلوع شمس کے مقام سے آدھی رات اور عین دوپہر کے وقت چلتی ہے اور دبور اس کی بالمقابل ہوا کو کہتے ہیں۔ یعنی وہ ہوا جو غروب شمس کے مقام سے چلتی ہے اور باد شمالی (بالفتح) جو قطب ستارہ کی جانب سے چلتی ہے اور باد جنوب اس کی بالمقابل کو جاتا ہے۔

فائدہ: حدیث شریف باد جنوب کے لئے "تدر السحاب" کا لفظ واقع ہے اس کا معنیٰ ہے۔ دودھ دوہنا چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ہوا اللہ تعالیٰ بھیجتا ہے تو وہ بادلوں کو ایسے ہانکتی ہے جیسے کوئی تم میں سے اونٹنیوں اور بکریوں کو ہانک کرلے جاتا ہے۔ یہاں تک کہ ان کا دودھ دوہ لیا جاتا ہے۔

فائدہ لغویہ: آیت میں رحمت سے بارش کا معنیٰ اس لغت سے لیا گیا ہے جو اہل عرب کا ایک مقولہ مشہور ہے کہ "انی افر من الرحمۃ" ای من المطر" میں رحمت یعنی بارش سے بھاگتا ہوں۔

حتیٰ اذا اقلت یہ حتیٰ یرسل کی غایت ہے سحاباً یعنی یہاں تک کہ وہ ہوائیں بادلوں کو نرمی اور سہولت سے اٹھا کرلے جاتی ہیں یعنی وہ ہوائیں بادلوں کو نہایت خفیف اور قلیل محسوس کرتی ہیں یہ اقلت کذا ای حملتہ بالسہولہ وحمل الشی لسہولۃ کے قبیل سے ہے اور واقعی یہ معاملہ ایسے ہی ہے کہ وہ بادل باوجودیکہ پانی سے پر ہونے کی وجہ سے بوجھل ہوتے ہیں لیکن ہوا اٹھا کر نہایت ہی ہلکی شئے کی طرح اڑاتی ہوئی لے جاتی ہے اس تقریر سے واضح ہوا کہ یہ اقلت کا مادہ قلت ہے نہ کوئی اور نعل ثقالاً ثقیل کی جمع ہے یعنی وہ بادل پانی کی وجہ سے نہایت ہی وزنی ہوتے ہیں۔

سوال: سحاب واحد ہے اور ثقالاً جمع اور یہ ہے بھی "سحاب" کی صفت اور نحو کا قاعدہ ہے کہ موصوف اور صفت میں مطابقت ضروری ہے۔

جواب: سحاب اسم جنس ہے اور اسم جنس کا قاعدہ ہے کہ وہ جیسے واحد کے لئے مستعمل ہو وہ مافوق الواحد پر بھی مستعمل ہوتا ہے بنا بریں یہاں پر سحاب بمعنی سحائب ہے اور سحاب وہ بادل جو آسمان میں چلتا ہوا نظر آتا ہے۔

سُقْنٰہُ - سوق سے مشتق ہے اور ضمیر کا مرجع سحاب ہے اور وہ لفظاً اور معناً واحد ہے۔ اگرچہ باعتبار جنسیت کے اس کا اطلاق جمع پر بھی ہوتا ہے۔ کما مر یعنی ہم برسنے والے بادلوں کو چلاتے ہیں

بَلَدٍ مَّیِّت - ویران شہروں کی آبادی کے لئے یعنی ہر وہ جگہ جو سبزی اور خنکی سے محروم ہے

فائدہ: زمین کی ہر جگہ کو البلد کہا جاتا ہے خواہ وہ جگہ آباد ہو یا ویران۔ اس پر لوگوں کا بسیرا ہو یا نہ ہو اس کے ایک حصّہ کو بلدۃ اور اس کی جمع کو بلاد کہا جاتا ہے۔

فَاَنْزَلْنَا بِهِ الْمَآءَ پس ہم اس جگہ پر پانی برساتے ہیں۔ یہ باء الصاق کی ہے یعنی پانی کے انزال کا الصاق البلد سے ہوتا ہے۔ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ پس ہم اس پانی کے ذریعہ سے نکالتے ہیں مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ہر قسم کے ثمرات۔ یہاں پر کُل عرفی استغراق کے لئے ہے یعنی[1] ہر وہ اشیاء جو پانی سے پیدا ہوتی ہیں۔ استغراق مطلق اس لئے نہیں کہ بہت سے ثمرات ایسے ہیں جو پانی کے ذریعے پیدا نہیں ہوتیں۔

"كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى" کذلک کا اشارہ "اخراج ثمرات یا احیاء البلد المیت" کی طرف ہے یعنی جیسے ہم پانی میں قوت نباتیہ اور اس میں خنکی کی طاقت پیدا کر کے ہر طرح کی انگوریاں اور پھل ظاہر کرتے ہیں ایسے ہی قیامت میں ابدان کے بکھرے ہوئے اجزاء جمع کر کے قویٰ و حواس میں روح لوٹانے کے بعد تمام مردگان کو قبروں سے زندہ کر کے اٹھائیں گے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ یہ دراصل تَتَذَكَّرُوْنَ تھا ایک تاگر گئی ہے یعنی مذکورہ مضمون اس لئے سنایا گیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو اور یقین کرو کہ جو ذات ویران شہروں کے آباد کرنے اور انگوریاں اور پھلوں کو عدم سے وجود بخشنے پر قدرت رکھتی ہے اسے یہ بھی قدرت ہے کہ قیامت میں جمیع اموات کو قبروں میں زندہ کر کے اٹھائے۔ اس میں کسی قسم کا شک و شبہ ہو سکتا ہی نہیں۔

مرنے کے بعد اُٹھنے کی تفصیل

حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ نفخ اولیٰ سے جب تمام لوگ مر جائیں گے تو چالیس روز تک مادہ منی کی طرح ان پر بارش ہوتی رہے گی اس سے وہ اپنی قبروں میں سے انگوریوں کی طرح بڑھتے رہیں گے جیسے مادہ منی کے بعد ماؤں کے شکموں میں بڑھتے تھے یا جیسے پانی سے انگوریاں نشوونما پاتی ہیں جب ان کے اجسام دنیوی ابدان کی کیفیت حاصل کر لیں گے تو پھر ان میں ارواح پھونکے جائیں گے لیکن جونہی ارواح ان کے اجساد میں داخل ہوں گے تو فوراً ان پر نیند طاری کر دی جائے گی وہ اپنی قبور میں ہی سوتے رہیں گے یہاں تک کہ دوسرا پھونکا جائے گا یہی مرنے کے بعد اٹھنے کا نفخ ہوگا جس سے تمام مُردگان اپنی اپنی قبور سے یک لخت نکلیں گے لیکن ان کے سروں میں نیند کا خمار محسوس ہوگا جیسے ہم نیند سے

---

[1] فقیر اویسی غفرلہ کا اضافہ ہے اس میں قانون کے تحت موسیٰ علیہ السلام اور بلقیس کے واقعہ میں بھی کل کل عرفی استغراق کے لئے ہے "دیکھئے تفصیل فی التفسیر الاویسی ۱۲"

اٹھتے ہی نیند کا نشہ محسوس کرتے ہیں اس وقت کہیں گے "مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا هٰذَا" ہمیں ہمارے بستروں سے کس نے اٹھایا ہے تو اللہ تعالیٰ کا منادی جواب دے گا " هٰذَا مَا وَعَدَ الرَّحْمٰنُ وَصَدَقَ الْمُرْسَلُوْنَ" یہ وہی وقت ہے جس کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے وعدہ دیا اور رسل کرام علیہم السلام کے ذریعے سے تمہیں پیغام پہنچا اور جو کچھ انہوں نے فرمایا تھا وہ سچ تھا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ ریاح سے ریاح عنایت مراد ہے اور سحاب سے سحاب ہدایت اور ماء سے ماء المحبۃ۔ اس پانی کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ مشاہدات و مکاشفات اور عجیب و غریب کمالات ظاہر فرماتا ہے "وَكَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتٰى" میں الموتیٰ سے مردہ دل اور قبور سے ان کے سدور مراد ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ۝ یعنی تاکہ تم اپنی اپنی زندگی میں ان حیاض انس و ریاضِ قرب کو یاد کرو جو تمہیں حظائر قدس کے ہاں نصیب تھے۔

ف : انسان کا مقصودِ اعظم عنایت ازلی ہے جو بندے کو ہر خلا و ملا یعنی ہر تنہا اور کھلے میدان میں نصیب ہو سکتی ہے۔

حکایت : ایک ولی اللہ سے کہا گیا کہ دار مشرکین میں تشریف لے جائیے۔ وہاں ایک صدیق رہتے ہیں ان سے ملاقات کیجئے۔ اس ولی اللہ کو پوشیدہ ہو جانے پر قدرت حاصل تھی۔ وہ جونہی دار مشرکین میں پہنچے تو انہیں ایک مشرک نے قید کر کے گرجا کے خادم کے پاس بیچ دیا۔ اس ولی اللہ نے عرصۃ تک صدق و صفائی سے اس کی خدمت کی۔ ایک دن اتفاقاً بادشاہ گرجا میں تشریف لایا۔ اس نے تنہائی میں عبادت کرنے کیلئے گرجا کو صرف اپنے لئے خالی کرا لیا۔ وہ بادشاہ گرجا کے اندر گیا اور نماز شروع کی تو ولی اللہ اپنی پوشیدہ ہونے والی قوت سے گرجا کے اندر پہنچ گیا۔ بادشاہ نے دیکھ کر اس سے پوچھا تم کون ہو ولی اللہ نے کہا میں آپ جیسا ایک مسلمان ہوں ولی اللہ کو بادشاہ کے گرجا میں داخل ہونے سے پہلے معلوم ہو گیا کہ اسی کے ذریعہ صدیق ملے گا۔ جس کی خاطر وہ دار مشرکین میں آئے تھے۔ ولی اللہ نے بادشاہ سے پوچھا صدیق کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے بادشاہ نے کہا وہ بہت بڑا اچھا انسان ہے نہایت بہتر زندگی بسر کر رہا ہے حلال رزق کھاتا ہے ریاء سے ہٹ کر اللہ تعالیٰ کی مخلص ہو کر عبادت کرتا ہے کفار کا سخت دشمن ہے اور مسلمانوں کا معین و مددگار ہے۔ ولی اللہ نے کہا اگر آپ ان کے بادشاہ ہیں تو مجھے ان کی قید سے بچائیے۔ بادشاہ جب گرجا سے باہر نکلا تو میرے سے پوچھا اس گرجا کے پادری اور اس قوم کے بڑے مقتدا اور گرجا کے خدام کہاں رہتے ہیں ولی اللہ نے ان سب کو نشاندہی کی تو بادشاہ نے ان سب کے سر قلم کر دیئے اور انہیں کہا کہ خود تم اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کنی کترا تے ہو۔ لیکن دوسری ملت کے لوگوں سے

اپنی خدمت کراتے ہو ۔ ان سب کو قتل کرنے کے بعد ولی اللہ کو فرمایا ۔ اب جائیے آپ ان کی قید سے آزاد ہیں۔

سبق اس حکایت سے ثابت ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ دشمنانِ اسلام کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے تو انہیں معمولی سبب سے مروا ڈالتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے الطافِ کریمانہ بے حد و عد ہیں۔

حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ؎

تیغے کہ آسمانش از فیض خود دہد آب
تنہا جہاں بگیرد بے منت سپاہی

ترجمہ : وہ تلوار جسے آسمان اپنے فیض سے پانی دے وہ تنہا جہان کو برباد کر سکتی ہے اسے کسی سپاہی کی ضرورت نہ ہو گی ۔

اور فرمایا ؎

دلا طمع مبر از لطف بے نہایت دوست
کہ میرسد ہمہ را لطف بے نہایت او

ترجمہ : اے دل دوست کے بے نہایت لطف سے نا امید نہ ہو اس لئے کہ اس کا بے نہایت لطف ہر ایک کو پہنچتا ہے ۔

سبق اہل بصیرت اور اہل توحید کی نگاہ مؤثر حقیقی اور فیض ازلی پر ہوتی ہے انہیں مخلوق اور وسائط و اسباب سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا ۔

دُعا : اللہ تعالیٰ ہمیں ان حضرات کی معیت نصیب فرمائے جو سعادت ابدیہ اور عنایت سرمدیہ سے نوازے گئے ہیں اور ہمیں حقیقت و طریقت احمدیہ کے راہ پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے وہی رحیم ہے اور وہی نوازشیں فرمانے والا ہے ۔

تفسیر عالمانہ ۵۸ وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ اور وہ زمین جو پاکیزہ ہو ۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اس سے وہ زمین مراد ہے جو نہ پتھریلی ہو اور نہ ریتلی بلکہ ایسی پاکیزہ کہ اسمیں کھیتی باڑی کی جا سکے ۔

يَخْرُجُ نَبَاتُهٗ بِاِذْنِ رَبِّهٖ وہ اپنی انگوری وغیرہ کو اپنے رب تعالیٰ کے اذن و حکم سے نکالے یعنی جیسے اُسے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے ویسے ہی وہ اپنے اندر سے انگوری وغیرہ باہر نکالے یعنی وہ زمین نہایت اچھی اور کثیر النفع ہو وَالَّذِيْ خَبُثَ اور وہ زمین کہ جس کی مٹی خبیث ہو مثلاً وہ پتھریلی اور

فائدہ : الحرہ ہر وہ زمین جس میں ایسے سیاہ پتھروں کی بہتات ہو کہ گویا ان پتھروں کو جلا کر اس زمین کی مٹی سے ملایا گیا ہے ۔

نکدا: نکین اور دلدلی یعنی شور والی زمین کو کہا جاتا ہے۔ ان ہر دو قسموں میں کھیتی باڑی نہیں ہو سکتی۔
لَا یَخْرُجُ۔ ایسی زمین سے انگوری کسی حال میں بھی نہیں نکلتی۔ اِلَّا نَکِدًا مگر تھوڑی اور وہ بھی قلیل النفع۔ یہ استثنا مفرغ ہے یعنی اس کا مستثنیٰ منہ اعم الاحوال محذوف ہے۔

فائدہ: نکدا، بکسر الکاف ہے بمعنی قلیل الخیر والممتنع عن افادۃ النفع علیٰ جہۃ البخل والفتنۃ یعنی ہر وہ شے جس میں بھلائی بہت کم ہو اور اس کے بخل و تنگدستی کی وجہ سے کسی کو نفع پہنچانے سے درجہ امتناع کو پہنچا ہوا ہے اس کا مصدر نکدا لبقتحتین ازباب علم بمعنے اشتد عیشہ وغاق" یعنی ہر وہ انسان جس کی زندگی تلخ اور معاشی امور نہایت تنگ ہوں کَذٰلِکَ اسی مذکورہ عجیب وغریب تمثیل کی طرح۔ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ہم آیات کو بار بار بتکرار بیان کرتے ہیں۔ لِقَوْمٍ یَّشْکُرُوْنَ۔ ایسی قوم کے لئے جو شکرگزار ہیں۔

سوال: ایسی تمثیلات تو ہر ایک کے لئے ہیں پھر شاکرین کی تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ ایسی تمثیلات سے استفادہ صرف یہی لوگ کرتے ہیں بنابریں صرف انہی کا نام لیا گیا جیسے قرآن پاک سب کا حادی ہے لیکن فرمایا " هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ "

فائدہ: یہ آیت وتمثیل رسل کرام کی تشنہ آوری پہ جو حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مردہ قلوب کے لیئے حیات قلوب کو نفع بخشتا ہے جس سے ہر عاقل و بالغ اپنی مُردہ قلوب کے لئے حیات یادرا پا سکتا ہے اس لئے کہ ان کے دلوں کو جو انوار نصیب ہوں گے وہ انہی انبیاء علیہم السلام کے انوار کی خاطر جھلک ہو گی لیکن جو ازلی بدنصیب ہیں وہ ایسی بے بدل نعمتوں سے محروم رہیں گے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب رب العالمین کے کلام کے انوار کی بارش ہوتی ہے تو طاعات وعبادات کی خوگر قلوب جگمگا اٹھتی ہیں جن کے اثرات مومن کے اعضاء سے محسوس ہونے لگتے ہیں۔ لیکن بدقسمت کافر جونہی کلام الٰہی کو سنتا ہے تو اس کا دل اس کے انوار وتجلیات کو قبول نہیں کرتا۔ اسی وجہ سے اس سے کلام الٰہی کے اثرات ظہور پذیر نہیں ہوتے۔ شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

زمین شورہ سنبل بر نیارد
درو تخم عمل ضائع مکن

ترجمہ: زمین شور خوشہ نہیں لائے گی تم اس میں بیج ضائع نہ کرو۔

حافظ صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

گوہر پاک ببیاید کہ شود قابل فیض
ورنہ ہر سنگ وگلے لؤلؤ ومرجان نشود

ترجمہ :۔ گوہر پاک چاہیے تاکہ وہ فیض کے قابل ہو ورنہ ہر پتھر و گل لؤلؤ مرجان نہیں ہوتے۔

حکایت بہلول دانا اور ہارون الرشید بادشاہ

عبداللہ بن مہران فرماتے ہیں کہ ایک سال ہارون الرشید بادشاہ کے لئے بغداد سے مکہ معظمہ کو تشریف لے جارہے تھے تو چند روز کوفہ میں ٹھہرے۔ جب کوفہ سے روانگی ہوئی اور لوگ کوفہ سے چلنے لگے تو ان میں حضرت بہلول (مجنوں) دانا رحمۃ اللہ علیہ بھی تھے لیکن وہ باہر نکل کر ایک مٹی کے ڈھیر پر بیٹھ گئے جہاں انہیں چھوٹے بچے ستانے لگے اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کردیں لیکن جب ہارون الرشید کی سواری بہلول دانا کے قریب سے گزری تو آپ نے زور سے بار بار پکارا۔ اے امیرالمومنین! ہارون الرشید نے آپکی آواز سن کر کجاوہ سے پردے ہٹا کر جواب میں کہا لبیک یا بہلول حضرت بہلول نے پڑھا حدثنا ایمن بن نائل عن قدامہ بن عبداللہ العامری قال آیت النبی صلی اللہ علیہ وسلم یمضی علی جمل وتحتہ رحل اث فلم یکن ضرب ولا طرد ولا الیک الیک یعنی مجھے ایمن بن نائل سے یہ روایت پہنچی اور وہ قدامہ بن عبداللہ عامری سے روایت کرتے ہیں حضرت قدامہ نے فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اونٹ پر سوار دیکھا لیکن آپ کے اونٹ کا کجاوہ وغیرہ نہایت بوسیدہ اور پرانا تھا۔ آپ کی سواری کے آگے آنے والے کو نہ مارا جاتا اور نہ ہی اسے راستہ سے ہٹایا جاتا اور نہ ہی یہ اعلان ہوتا کہ راستہ سے ہٹ جاؤ فلہذا تجھے بھی اے ہارون الرشید تواضع ضروری ہے۔ ایسے مقدس سفر کو جارہے ہو یہاں تکبر کیسا۔ یہ راہ سرکے بل طے کرنے کے لائق ہے۔ ہارون رشید حضرت بہلول کی نصیحت سن کر خوب رویا۔ یہاں تک کہ ان کی آنکھوں کے آنسو زمین پر ٹپک پڑے پھر بہلول سے عرض کی اے بہلول۔ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے کچھ اور فرمایئے۔ حضرت بہلول نے یہ اشعار پڑھے ؎

هَبْ اِنكَ قَدْ مَلَكْتَ الارض طُراً
وان لَكَ العباد ماذا
اَلَيْسَ غداً مَصِيرُكَ جَوف قبر
ويحثو الرّب هٰذا ثم هٰذا

ترجمہ : مانا کہ تم روئے زمین کے مالک بن گئے ہو اور یہ بھی مانا کہ تمہارے بے شمار غلام اور نوکر چاکر ہیں لیکن تابہ کے کیا تمہارا انجام بکار قبر نہیں کیا تمہارے اوپر مٹی نہیں ڈالی جائیگی۔ میری یہ بات پورے طور سمجھ لے کام آئیگی

یہ اشعار سُن کر ہارون الرشید نے گریہ کرکے "اَحْسَنْتَ یا بَہْلُولَ۔ اے بہلول آپ نے ٹھیک فرمایا ہے لیکن ابھی آپ کی نصیحتوں سے جی نہیں بھرا کچھ اور فرمایئے حضرت بہلول نے فرمایا اے امیرالمومنین جس بندے کو اللہ

تعالیٰ مال وجمال عنایت فرمائے تو وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں لٹا دے اور جمال میں تقویٰ کا دامن پکڑے اور پاکدامن زندگی بسر کرے تو اللہ تعالیٰ ابرار کی فہرست میں درج فرمائے گا۔ ہارون الرشید نے کہا اَحسنت یا بہلول۔ اے بہلول آپ نے بجا فرمایا۔ ہارون الرشید نے حضرت بہلول کی نصیحتوں سے متاثر ہو کر خزانچی کو فرمایا کہ بہلول کو انعام دیجئے۔ حضرت بہلول نے فرمایا۔ قرض لے کر کسی کا قرض ادا کرنا داناؤں کا کام نہیں۔ یعنی تمہارے پاس جو دولت ہے وہ تمہاری کب ہے وہ تو اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ہے فلہٰذا میرے قرضہ ادا کرنے کے بجائے پہلے اپنا قرض اُتاریے یعنی حقداروں کے حقوق واپس دیجئے۔ بلکہ تیری اپنی ذات بھی کسی کا قرض ہے یہ قرض ابھی تیرے ذمہ ہے تو دوسروں کے قرض کس طرح اُتار سکتا ہے پھر ہارون الرشید نے کہا کچھ تو ہم آپ کو بطور نذرانہ دیدیں تاکہ آپ اپنی بقایا زندگی آرام سے بسر کر سکیں۔ حضرت بہلول نے یہ سُن کر سر آسمان کو اُٹھایا اس کے بعد فرمایا اے امیرالمومنین میں اور آپ ہر دونوں اللہ تعالیٰ کے عیال ہیں۔ اگر وہ تمہیں کچھ دے گا تو اس کی شان کے لائق نہیں کہ مجھے بھلا دے ہارون الرشید نے بہلول کا یہ آخری کلمہ سن کر کجاوہ کا پردہ پھر لٹکا دیا اور چل پڑے۔

سبق : اس حکایت سے مقصد یہ ہے کہ اتنا بہت بڑا بادشاہ ہو کر ایک (بظاہر) مجنون کی باتیں کیسے دل لگا کر سنیں۔ بلکہ انہیں تہہ دل سے قبول بھی فرمایا۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان کا ظاہر تو شاہانہ تھا لیکن درویشانہ اور بیدار مغز انسان تھا یہی وجہ ہے کہ اُن سے اکثر باتیں پاکیزہ ظاہر ہوئیں۔

صوفیانہ تقریر جس کا نفسِ امارہ ہو تو اُسے ارض خبیثہ کی مانند سمجھو کہ بدبخت سے اخلاقِ ذمیمہ اور ردی افعال سرزد ہوں گے۔ ہاں جس کا قلب اللہ تعالیٰ کے نور سے زندہ ہو تو اس کے نور کا عکس اس کے نفس پر بھی پڑتا ہے اس لئے اس کا نفس اس کے دل کی طرف نورانی ہوجاتا ہے اور اس کے تمام اوصاف نفسانیہ قلب کے مطابق ہوجاتے ہیں اور نفسانی ظلمات بالکل مٹ کر رہ جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایسا انسان ذکر الٰہی اور اس کی طاعت سے چین پاتا ہے جیسا کہ زندہ دل حضرات کا طریقہ ہے اور جس بدبخت کا دل مردہ اور نفس امارہ زندہ ہو تو اس کے نفس کے ظلمات اس کے دل کے نور کو ڈھانپ دیتے ہیں اس وجہ سے اس کے دل کے اوصاف مٹ جاتے ہیں لیکن نفس کے صفات غلبہ پا جاتے ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ ایسا انسان دنیوی اُمور سے چین پاتا ہے لیکن دینی اُمور میں اس کا دل نہیں لگتا۔

دُعا : اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ ہمیں ان لوگوں سے بنائے کہ جن کے دل ذکر الٰہی سے چین پاتے ہیں اور ہر وقت دینی فکر اور شکر میں زندگی بسر کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کا طریقہ نصیب فرمائے جو اپنے مُنعم اور اس کی نعمتوں کی قدر کرتے ہیں (آمین)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ
مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾
قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖۤ اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۰﴾ قَالَ
يٰقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۶۱﴾
اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۲﴾
اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِيُنْذِرَكُمْ
وَلِتَتَّقُوْا وَلَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۶۳﴾ فَكَذَّبُوْهُ فَاَنْجَيْنٰهُ وَالَّذِيْنَ
مَعَهٗ فِي الْفُلْكِ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اِنَّهُمْ
كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ﴿۶۴﴾

ترجمہ : بے شک ہم نے نوح کو اس کی قوم کی طرف بھیجا تو اس نے کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک مجھے تم پر بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے[59] اس کی قوم کے سردار بولے ہم تمہیں کھلی گمراہی میں دیکھتے ہیں[60] کہا اے میری قوم مجھ میں گمراہی کچھ نہیں میں تو رب العالمین کا رسول ہوں[61] تمہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا اور تمہارا بھلا چاہتا اور میں اللہ کی طرف سے وہ علم رکھتا ہوں جو تم نہیں رکھتے[62] اور کیا تمہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور تم ڈرو اور کہیں تم پر رحم ہو[63] تو انہوں نے اسے جھٹلایا تو ہم نے اسے اور جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے نجات دی اور اپنی آیتیں جھٹلانے والوں کو ڈبو دیا بے شک وہ اندھا گروہ تھا[64]

تفسیر عالمانہ [59] لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ یہ قسم محذوف کا جواب ہے دراصل "وَاللّٰہِ لَقَدْ اَرْسَلْنَا" الخ تھا۔ یعنی بخدا ہم نے نوح (علیہ السلام) کو ان کی قوم کے ہاں رسول بنا کر بھیجا۔

نوح علیہ السلام کا نسب نامہ نوح علیہ السلام کا نسب نامہ یوں ہے نوح بن لمک بن متوشلخ بن اخنوخ یعنی ادریس علیہ السلام بن یردین مہلائیل بن قینان بن انوش بن شیث بن آدم

علیہ السلام۔ شیث کے بعد ادریس ان کے بعد نوح علیہم السلام نبی ہوئے۔ آپ نجار تھے۔ چالیس سال عمر کے تھے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے نبی مقرر فرمایا۔ آپ نے دنیا میں ایک ہزار دو سو چالیس سال زندگی بسر فرمائی۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ آپ اپنی قوم دجو اکثر قابیل کی اولاد تھی جو بت پرستی میں مبتلا تھے ہم کی طرف نبی بنا کر بھیجے گئے۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ جس وقت قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو آدم علیہ السلام نے اسے اور اس کی اولاد کو یمن کے علاقہ میں شہر بدر کے طور روانہ کیا۔ یہی پہلے وہ تھے جنہوں نے بت پرستی کا آغاز کیا۔ **فَقَالَ** تو نوح علیہ السلام نے فرمایا۔ **يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ کی عبادت کرو۔ اس لئے وہ عبادت جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک بنا کر کی جائے وہ عبادت کسی کام کی نہیں۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** تمہارا سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں کہ جس کو تم مستحق عبادت سمجھو۔ وَغَيْرُهٗ مِنْ اِلٰهٍ کی صفت سے مرفوع اس لئے ہے کہ من الٰہ باعتبار اپنے محل کے مبتدا ہے اسمیں ر من زائدہ ہے اور لکم خبر مقدم ہے۔ **اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ** اگر تم اس کی عبادت نہیں کروگے جیسا کہ اس کا حکم ہے تو مجھے تمہارے لئے خطرہ ہے۔ یہ عبادت کے داعی کا بیان ہے۔

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ بڑے دن کے عذاب کا اور اس بڑے دن سے قیامت یا یوم طوفان مراد ہے

۶۰ **قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهٖٓ** ۔ یہ جملہ مستانفہ ہے اور آپ کی قوم کے لیڈروں نے کہا۔ قوم سے مراد وہ سردار ہیں جو کہ جسم و قصور کی محفلوں کے سرگرم رکن تھے اور ان کی وجہ سے گناہوں کی محفلیں رونق پذیر ہوتیں اور وہی ہر خرابی کے سرغنہ تھے۔ **اِنَّا لَنَرٰىكَ** اے نوح علیہ السلام ہم آپ کو دیکھتے ہیں۔ **فِىْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ** کھلی گمراہی میں یعنی ہم آپ کو سیدھے راہ سے بھٹکا ہوا سمجھتے ہیں اس لئے کہ آپ ہمارے ہر معاملہ میں مخالفت کرتے ہیں۔

فائدہ: یہاں پر رؤیت قلبی مراد ہے ۶۱ **قَالَ** یہ جملہ بھی مستانفہ ہے یعنی نوح علیہ السلام نے فرمایا **يٰقَوْمِ** اے میری قوم۔ نوح علیہ السلام نے انہیں حق سے مانوس کرنے کی خاطر اپنی قوم سے فرمایا۔ **لَيْسَ بِىْ** ۔ یہ بار ملابست کی یا ظرفیہ ہے ضلالۃ۔ مجھ میں گمراہی نہیں ہے۔ آپ نے اپنے سے گمراہی کی نفی میں مبالغہ فرمایا کہ مجھ سے گمراہی کے کسی فرد کا گزر تک نہیں ہوا چہ جائیکہ مجھ میں گمراہی ہو۔ جیسے انہوں نے آپ کو ہر طرح کی گمراہی سے ملوث فرمایا۔ **وَلٰكِنِّىْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ** ۔ میں رب العالمین کا رسول ہوں مِنْ ابتدار للغایۃ کے لئے بطور مجاز ہے اور رسالۃ کو ہدایت تام لازم ہے اور نہ ہی اس میں گمراہی کے قبول کرنے کا مادہ ہوتا ہے لکن کہہ کر ملزوم کو بیان فرمایا تاکہ استدراک لازم پر برہان قائم ہو گویا آپ نے قوم سے فرمایا کہ میں تو انتہائی کامل ہدایت پر ہوں اس لئے کہ رب العلمین کا رسول ہوں۔ ۶۲ **اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّىْ** میں تمہارے ہاں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا

ہوں۔

سوال : رسالت ایک صفت ہے جو ذاتِ رسول سے متعلق ہوتی ہے وہ ایک ایسی نسبت ہوتی ہے (جو مرسل) بھیجنے والے) اور مُرسل الیہ کے درمیان واسطہ بنتی ہے لیکن یہاں پر صیغہ جمع لایا گیا۔

جواب : ان کے اپنی نبوت کے پیغامات کے علاوہ سابقہ انبیاء علیہم السلام جیسے ادریس وشیث علیہما السلام کی نبوت بھی مراد ہیں جیساکہ مروی ہے کہ شیث علیہ السلام پر پچاس اور ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے نازل ہوئے تھے وَاَنْصَحُ لَكُمْ اور تمہاری خیر خواہی کرتا ہوں۔ لَكُمْ میں لام زائدہ ہے اس لئے کہ نصح متعدی بنفسہ ہوتا ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے نصحتک۔

نکتہ : اسمیں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ میری یہ نصیحت خالص تمہارے لئے اور محض تمہارے نفع اور مصلحت کے لئے ہے ورنہ بہت سی نصیحتیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں خود ناصح کو اپنا فائدہ ملحوظ ہوتا ہے لیکن یہاں پر یہ نہیں ہوسکتا کہ نوح علیہ السلام نے انہیں نصیحت دے کر اپنا کوئی فائدہ مدِ نظر رکھا ہو۔

تبلیغ رسالت و نصیحت میں فرق رسالت کی تبلیغ کا معنی ہے احکام تکلیفیہ شرعیہ الٰہیہ کے انواع کا تعارف کرانا اور نصیحت بمعنی ترغیب فی الطاعۃ اور تحذیر عن المعاصی اور بتانا کہ اس میں فلاں فلاں مصلحتیں اور برکتیں مضمر ہیں۔

فائدہ : حداوی نے فرمایا کہ نصیحت یعنی قول و فعل کا غل وغش دُور کرنا۔

وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝ اور میں اللہ تعالیٰ سے وہ جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے یعنی میں جانتا ہوں کہ وہ کتنی بہت بڑی قدرت کا مالک ہے اور مجھے خبر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں کی کتنی سخت گرفت فرماتا ہے جب اس کا عذاب کسی قوم پر نازل ہوتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں روک سکتا۔

فائدہ : بعض کہتے ہیں کہ وہ لوگ سابقہ قوموں پر عذاب کے نزول کا انہیں علم نہیں تھا۔ وہ ایسے معاملات سے بیخبر تھے اس لئے نڈر اور بے باک تھے اور نوح علیہ السلام چونکہ وحی سے جانتے تھے اس لئے انہیں فرمایا اِنِّیْٓ اَعْلَمُ الخ۔

۶۳ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور واؤ کا فعل مقدر پر عطف ہے دراصل عبارت استبعدتم وعجبتم تھی یعنی تم بعید سمجھتے ہوئے تعجب میں ہو کہ تمہارے ہاں وحی اور نصیحت تمہارے مالک و مولیٰ سے آئی ہے عَلٰی رَجُلٍ مِّنْكُمْ اور یہ ایسے مرد کی زبان سے جو تمہاری جنس سے ہے انہیں اس پر تعجب تھا کہ ایک بشر کو اللہ تعالیٰ نے رُسل بنا کر بھیجا حالانکہ بشر سے اللہ تعالیٰ کو کوئی مناسبت نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نہایت تقدس و تنزہ میں ہے اور بشر سراپا تعلق و تکدر بالدنیا ہے اس پر ان کو نوح علیہ السلام

کا رسول بن کر تشریف لانا اجنبی معلوم ہوا۔ حالانکہ واضح امر ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک عام آدمی کو بلا واسطہ کس طرح فیض پہنچائے کہ عظمت وکبریائی کے حجابات اس سے مانع ہیں کہ وہ عام انسانوں پر فیض پہنچائے یا وہ اس سے فیض پائیں اس لئے انسانوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ایک ایسا واسطہ بنایا جو ذوجہتین ہو کہ اپنے تجرد اور روحانیت کی جلائے سے عالم غیب سے فیض پاکر وہ انکی ہمجنس ہونے کی وجہ سے اپنے بنی نوع انسانی کو پہنچائے۔ رسول علیہ السلام میں جہت علوی ہوتی ہے کہ جس سے عالم غیب سے فیض پاتے ہیں

اور انہیں ایک جہت سفلی ہوتی ہے کہ جس سے عالم سفلی کو فیض دیتے ہیں [1]

لِیُنْذِرَکُمْ یہ انبیاء علیہم السلام کے تشریف لانے کی علت ہے یعنی نبی علیہ السلام اس لئے تشریف لاتے ہیں تاکہ کفر و معاصی کا انجام بتاکر تمہیں اللہ تعالیٰ کا ڈر سنائیں۔ **وَلِتَتَّقُوْا** اور تاکہ تم ان کی تبلیغ سن کر اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈر جاؤ۔ **وَلَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ** اور تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ یعنی تاکہ تمہارے ڈر جانے پر تمہارے ساتھ اللہ تعالیٰ کی رحمت متعلق ہو۔

فائدہ : لفظ لَعَلَّ جو امید کے لئے آتا ہے اس میں ایک فائدہ یہ ہے کہ وہ معلوم کریں کہ فعل مذکور مہتم بالشان ہے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کا فضل تقویٰ کا محتاج نہیں اور نہ ہی تقویٰ و طہارت سے اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہوتی ہے بلکہ اس کی اپنی مہربانی ہے جس پر چاہے رحم فرمائے۔

سبق : متقی کو تنبیہ ہے کہ وہ اپنے تقویٰ پر بھروسہ نہ کرے بلکہ اس کی رحمت کا امیدوار رہے اور اس کے عذاب سے ہر وقت ڈرتا رہے۔ **فَکَذَّبُوْہُ** پس انہوں نے نوح علیہ السلام کو جھٹلایا اور بہت عرصہ تک اسی ہٹ دھرمی پر رہے اور نوح علیہ السلام کی ایک بات بھی نہ مانی۔

ربط : مروی ہے کہ جب نوح علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ بدبخت کوئی بات بھی نہیں مانتے تو اللہ تعالیٰ سے تباہ و برباد ہونے کی استدعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو ایک کشتی تیار کرنے کا حکم فرمایا جب کشتی تیار ہو گئی تو آپ اپنی جماعت مومنین کے ساتھ کشتی میں داخل ہو گئے تو پھر اللہ تعالیٰ نے طوفان بھیج کر ان تمام کافروں کو غرق فرما دیا۔ اس طوفان سے نوح علیہ السلام اور اہل ایمان نے نجات پائی " کما قال فانجیناہ والذین معہ " پس ہم نے انہیں نجات دی اور ان لوگوں کو بھی جو آپ کے ساتھ تھے۔

فائدہ : صرف چالیس مرد اور چالیس عورتیں نوح علیہ السلام پر ایمان لائے تھے جو طوفان سے بچ نکلے۔ باقی تمام کفار و مشرکین غرق ہو کر برباد اور تباہ ہو گئے۔ فِی الْفُلْکِ یہ فعل محذوف سے متعلق ہے جو " استقروا " ہے یعنی ہم نے

---

[1] اس نکتہ کو نہ وہ سمجھ سکے اور نہ یہ کہ اب بھی بشر بشر کی رٹ لگاتے ہوئے انبیاء علیہم السلام کو اپنی مثل کہتے پھرتے ہیں۔ یعنی دیوبندی وہابی وغیرہ۔ ذوطرفوں والا ۔ اویسی ۱۲ ۔

ان لوگوں کو نجات بخشی جو کشتی میں بیٹھے تھے وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ؕ اور ہم نے انہیں غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی جو ہماری آیات کی تکذیب پر ڈٹے رہے۔

فائدہ: ان غرق ہونے والوں سے صرف وہ لیڈر مراد نہیں جنہوں نے نوح علیہ السلام سے گفتگو کی بلکہ اس سے تمام تکذیب کرنے والے مراد ہیں وہ لیڈر بھی اور ان کے تابعدار بھی۔

نکتہ: انجار کو اغراق پر مقدم کرنے میں اسطرف اشارہ ہے کہ رحمت اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت ہے کہ اس کی کریمی کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں پر رحم وکرم فرمائے۔ ہاں جب وہ جرم وقصور سے باز نہیں آتے توپھر غضب ہی غضب

اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ ۝ بے شک وہ اندھی قوم تھی عمین دراصل عمیین تھا۔ اس کا واحد عمیٌ ہے جو دراصل عمی بر وزن خضر تھا۔ قاضٍ کے قانون کی طرح اسپر قاعدہ جاری کیا گیا ہے اہل عرب کہتے ہیں۔ رَجُلٌ عَمٍ یہ اس کے لئے کہا جاتا ہے جو بصیرۃ کے لحاظ سے اندھا ہو اور جیسا بصارت کا اندھا ہو اس کے لئے کہتے ہیں ”اَعْمٰی“ اب معنی یہ ہوا کہ وہ الوہیت و نبوت کے اسرار ورموز سے بالکل ناآشنا تھے اور نہ ہی انہیں آخرت کے امور سے کچھ خبر تھی۔ جب دل پر ایسی تاریکی اور ظلمت چھا جاتی ہے تو پھر آیات ومشاہدات نظر نہیں آتے۔ حضرت حافظ شیرازی صاحب قدس سرہ نے فرمایا ؎

جمال یار ندارد نقاب و پردہ ولے
غبار رہ بنشاں تا نظر توانی کرد

ترجمہ: جمال یار کو نقاب وپردہ نہیں تو غبار راہ دور کر۔ پھر اسے دیکھ سکے گا۔

نکتہ: آنکھ کا اندھا اگر استعداد رکھتا ہو تو اس کیلئے نہ صرف ممکن بلکہ حقیقت ہے کہ وہ تجلیات ربانی وآیات حقانی کا مشاہدہ کر لیتا ہے جناب صائب نے فرمایا ؎

چو دل بینا است چہ غم دیدہ اگر نابینا است
خانہ آئینہ را روشنی از روزن نیست

ترجمہ: جب دل بینا ہے اگر آنکھیں نابینا ہیں تو کیا ہوا۔ آئینہ کی روشنی دریچہ سے نہیں

تفسیر صوفیانہ

آیت میں نوح سے روح مراد ہے جو جسم کے قالب کی قوم یعنی قلب کی اصلاح اور اس کی صفات کی تربیت کے لئے بھیجا گیا اور اسے حکم ہے کہ وہ نفس اور اس کے صفات کا تزکیہ کرے۔ لیکن نفس اور اس کے صفات کا تقاضا یہی ہے کہ وہ روح کی تکذیب کرے اور وہ اس کی مخالفت میں سرتوڑ کوشش کرتا ہے بلکہ اس کی ہر نصیحت سے وہ روگردانی کرتا ہے لیکن روح کا کام ہے کہ وہ اپنی قوم یعنی قلب کو دنیا اور اس کی زینت کی طرف میلان کرنے سے روکے تاکہ وہ رحمت حق کے حصول سے محروم نہ ہو جائے لیکن نفس اور اس کے صفات

نے روح کی ہر بات کو جھٹلایا اور اسی پر وہ ڈٹ گیا تو اللہ تعالیٰ نے روح کو نفس کی ظلمات اور اس کے تمرد سے نجات بخشی اور ساتھ ہی روح کے ساتھیوں کو بھی یعنی قلب اور اس کے وہ صفات جنہوں نے روح کی دعوت کو قبول کیا اور وہ اس روح کے ساتھ شریعت کی کشتی پر سوار ہو گئے پھر اللہ تعالیٰ نے روح کی تکذیب کرنے والے نفس اور صفات کو بحر دنیا اور اس کے شہوات میں ڈبو دیا۔ اس لئے کہ وہ رویت الٰہی اور وصال حق کی نعمت سے محروم تھے اور نفسانی و شہوانی امور کا انجام بھی یہی ہے اگر وہ داعی حق کی دعوت کو قبول کر کے غلط کاریوں سے باز آ جائیں تو وہ بھی نجات پا جائیں۔

حکایت ایک دن حضرت لیقا قدس سرہ دریا کے کنارے بیٹھے ہوئے تھے کہ وہاں سے ایک ایسے لوگوں کا کشتی میں گذر ہوا جن کے ہاں بہترین میوہ جات اور شراب کی بوتلیں اور حسین و جمیل عورتیں اور حسین و بے ریش لڑکے اور راگ ڈھول ڈھماکے اور دنیوی عیش و عشرت کا ہر طرح کا ساز و سامان تھا اور نہایت ہی لہو و لعب اور غلط کاریوں میں مصروف تھے۔ آپ نے ان سے فرمایا اے خدا کے بندو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرو یہ کیا کرتے جا رہے ہو۔ لیکن انہوں نے حضرت شیخ کی بات کی طرف توجہ تک بھی نہ کی۔ آپ نے دریا کو حکم فرمایا کہ ان کمبختوں کو ڈبو دے۔ جب کشتی غرق ہونے لگی تو شیخ موصوف سے فریادی ہوئے اور سچے دل سے توبہ کی تو کشتی غرق ہونے سے بچ گئی۔ اس کے بعد پکے سچے مسلمان ہو گئے اور تا دم زیست حضرت شیخ کی زیارت کے لئے حاضر ہوتے رہے۔ حضرت حافظ قدس سرہ نے فرمایا۔

امروز قدر پند عزیزاں شناختم
یارب رواں ناصح ما از تو شاد باد

ترجمہ: آج نصیحت والوں کی نصیحت کو ہم نے سمجھا۔ اے اللہ ناصح کی روح تجھ سے ہم شاد و آباد ہو۔

سبق عاقل کے لئے ضروری ہے کہ وہ ہر چھوٹے اور بڑے کی نصیحت قبول کرے۔ اس لئے کہ نصیحت کرنا آسان ہے لیکن اسے قبول کرنا مشکل ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا ہے

مرد باید کہ گیرد اندر گوش
ور نوشت است پند بر دیوار

ترجمہ: مرد کو چاہیے کہ وہ نصیحت پر غور کرے اگرچہ وہ نصیحت دیوار پر لکھی ہو۔

اے اللہ تعالیٰ ہمیں ان لوگوں سے بنا جو تیری دعوت قبول کر کے تیری بہشت میں داخل ہوتے ہیں۔

وَإِلَىٰ عَادٍ أَخَاهُمْ هُودًا ۗ قَالَ يَٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ
مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ۚ أَفَلَا تَتَّقُونَ ﴿٦٥﴾ قَالَ الْمَلَأُ
الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرَاكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَظُنُّكَ
مِنَ الْكَٰذِبِينَ ﴿٦٦﴾ قَالَ يَٰقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ وَلَٰكِنِّي رَسُولٌ
مِّن رَّبِّ الْعَٰلَمِينَ ﴿٦٧﴾ أُبَلِّغُكُمْ رِسَٰلَٰتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ
أَمِينٌ ﴿٦٨﴾ أَوَعَجِبْتُمْ أَن جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَىٰ رَجُلٍ مِّنكُمْ
لِيُنذِرَكُمْ ۚ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِن بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ وَ
زَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَصْطَةً ۖ فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٦٩﴾
قَالُوا أَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللَّهَ وَحْدَهُ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ
آبَاؤُنَا ۖ فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّٰدِقِينَ ﴿٧٠﴾ قَالَ
قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَغَضَبٌ ۖ أَتُجَٰدِلُونَنِي فِي
أَسْمَاءٍ سَمَّيْتُمُوهَا أَنتُمْ وَآبَاؤُكُم مَّا نَزَّلَ اللَّهُ بِهَا مِن
سُلْطَٰنٍ ۚ فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ ﴿٧١﴾ فَأَنجَيْنَٰهُ
وَالَّذِينَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَابِرَ الَّذِينَ كَذَّبُوا
بِآيَٰتِنَا ۖ وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ ﴿٧٢﴾

ترجمہ ، اور عاد کی طرف ان کی برادری سے ہود کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو اس کے سوا تمہارا
کوئی معبود نہیں تو کیا تمہیں ڈر نہیں ۶۵ اس کی قوم کے سردار بولے بے شک ہم تمہیں بے وقوف سمجھتے ہیں اور بے شک
ہم تمہیں جھوٹوں میں گمان کرتے ہیں ۶۶ کہا اے میری قوم مجھے بے وقوفی سے کیا علاقہ میں تو پروردگار عالم کا رسول ہوں ۶۷

تہیں اپنے رب کی رسالتیں پہنچاتا ہوں اور تمہارا خیر خواہ ہوں ۶۸ اور کیا تہیں اس کا اچنبا ہوا کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نصیحت آئی تم میں سے ایک مرد کی معرفت کہ وہ تمہیں ڈرائے اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح علیہ السلام کا جانشین کیا اور تمہارے بدن کا پھیلاؤ بڑھایا تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو کہ کہیں تمہارا بھلا ہو ۶۹ بولے کیا تم ہمارے پاس اس لئے آئے ہو کہ اللہ کو پوجیں اور جو ہمارے باپ دادا پوجتے تھے انہیں چھوڑ دیں تو لاؤ جس کا ہمیں وعدہ دے رہے ہو اگر سچے ہو ۷۰ کہا ضرور تم پر تمہارے رب کا عذاب اور غضب پڑ گیا کیا مجھ سے خالی ان ناموں میں جھگڑ رہے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے اللہ نے ان کی کوئی سند نہ اتاری تو راستہ دیکھو میں تمہارے ساتھ دیکھتا ہوں ۷۱ تو ہم نے اسے اور اس کے ساتھ والوں کو اپنی ایک بڑی رحمت فرما کر نجات دی اور جو ہماری آیتیں جھٹلاتے تھے ان کی جڑ کاٹ دی اور وہ ایمان والے نہ تھے ۷۲

تفسیر عالمانہ

۶۵ وَاِلٰی عَادٍ اور ہم نے عاد کی طرف بھیجا۔

عاد کا نسب نامہ

عاد اہل یمن کی ایک قوم کا نام ہے ان کے بادشاہ کا نام عاد تھا اور اس کا نسب نامہ یوں ہے عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام اَخَاھُمْ ان کے نسب کے ایک فرد کو ان سے دینی بھائی مراد نہیں یہ اس محاورے سے ہے جو اہل عرب کہتے یا اخا العرب هُوْدًا یہ اخاھم کا عطف بیان ہے۔

ھُود علیہ السلام کا نسب نامہ

ہود بن عبد اللہ بن ریاح بن خلود بن عاد بن عوص بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ ہود علیہ السلام کو اپنے قبیلے میں اس لئے رسول بنا کر بھیجا کہ وہ لوگ ان کی باتوں کو اچھی طرح سمجھتے اور ان کے صدق اور امانت و دیانت کو خوب جانتے تھے اور یہی بات اقرب الی الاتباع ہوتی ہے۔ قال یہ جملہ مستانفہ ہے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ قوم عاد نہایت ہی موٹے جسم والے اور طویل القامۃ لوگ تھے ان جیسا طاقت وقوت والا روئے زمین پر اور کوئی قبیلہ نہیں تھا اور وہ کثیر التعداد اور کثیر المال تھے عمر بھر بت پرستی کرتے رہے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تاکہ وہ ان کے ہاں تشریف لے جا کر انہیں راہِ ہدایت دکھائیں۔ حضرت ہود علیہ السلام ان کے ہاں تشریف لائے اور انہیں دعوتِ حق پیش فرمائی چنانچہ فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعْبُدُوا اللّٰہَ۔ اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ غیرہ الہ کی صفت ہے اس لئے کہ الہ محلاً مرفوع مبتدا ہے اس پر من زائدہ ہے اور لکم اس کی خبر ہے یعنی تمہارے لئے سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی معبود نہیں۔ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ہمزہ برائے استفہام انکاری ہے اور فا کا عطف فعل مقدر پر ہے دراصل اَفَلَا تتفکرون فَلَا تَتَّقُوْنَ الخ تھی یعنی کیا تم تفکر نہیں کرتے

اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہیں ڈرتے۔

۶۶ قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖٓ یہ جملہ مستانفہ ہے جیسے کہ پہلے ہم بیان کر آئے ہیں ان کی قوم میں سے ان لیڈروں نے کہا جو کافر تھے۔

سوال : یہاں پر لیڈروں کو کفر سے صراحۃً موصوف کیوں کیا حالاں کہ اُن کے لیڈر تو کافر تھے ہی۔

جواب : یہ لیڈر نوح علیہ السلام کی قوم کی طرح سب کے سب کافر نہیں تھے بلکہ ان میں بعض حضرات مومن تھے۔ جیسے مُرثد بن سَعد لیکن اپنے ایمان کو چھپائے ہوئے تھے۔ صرف اس انتظار میں تھے کہ ہود پیغمبر علیہ السلام تشریف لائے بلکہ وہ عاد کی خرابیوں سے تنگ ہو کر مکہ معظمہ حاضر ہو کر ذیل کے اشعار استغاثہ کے طور پڑھے۔

عصت عاد رسولهم فاضحوا
عطاشا ما تبلهم السماء
لهم صنم يقال له صمود
يقابله صداء والبهاء
فبصرنا الرسول سبيل الرشد
فابصرنا الهدى وجلى العماء
وان اله هود هو الهى
على الله التوكل والرجاء

ترجمہ : عاد کی قوم نے اپنے رسول علیہ السلام کی نافرمانی کی تو پیاسے مر گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر آسمان کا پانی بند کر دیا ان کا ایک بُت ہے جسے صمود کہتے ہیں۔ اس پر صرف زیب و زینت ہے اور بس شکر ہے ہمیں اللہ تعالیٰ کے رسول نے راہِ ہدایت دکھائی۔ ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اور کفر کی کالی گھٹائیں چھٹ گئیں جو ہود علیہ السلام کی خدا وہی میرا معبود ہے۔ اس اللہ تعالیٰ پر میرا توکل اور اس کی رحمت پر مجھے اُمید ہے۔

ف : الملا۔ قوم کے سرداروں کو کہا جاتا ہے دراصل الملاء بمعنی الجماعۃ ہے۔

اِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْ سَفَاهَةٍ ہم تمہیں اے ہود علیہ السلام بے وقوفی میں دیکھتے ہیں۔ وہ بیوقوفی تمہارے میں ایسی راسخ ہے کہ اب اس کا ہٹنا مشکل ہے اس لئے کہ تم اپنے آباء و اجداد کے دین کو چھوڑ بیٹھے ہو۔

فائدہ : سفاہتہ بمعنی خفۃ الحلم والراء یعنی عقل و رائی کی کمی کو کمزوری کہا جاتا ہے۔

وَاِنَّا لَنَظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۔ جس کے لئے آپ ہمیں دعوت دیتے ہیں اس میں ہم آپ کو جھوٹا سمجھتے ہیں

آیت میں اشارہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی طرح قوم عاد کے دل کھوٹے اور خبیث تھے اس لئے ہود علیہ السلام نے جب اُن سے کھوٹ نکالا تو ان سے معمولی طور ثمرہ نکلا۔ یعنی تھوڑے سے بندوں نے دین حق قبول کیا چونکہ ان کی زمین اچھی نہیں۔ اس لئے جب ہود علیہ السلام نے توحید کا بیج بویا تو خراب زمین والوں سے سوائے خبث اور تسفیہ و تکذیب نہ نکلا۔ اس لئے وہ اپنے اسلاف اور اپنے ہمجنسوں کے طریقہ کو اختیار کر کے وہی کہا جو اوپر مذکور ہوا۔ مثنوی شریف میں ہے ؎

(۱) در زمین گر نے شکر و خوردنی ست
ترجمان ہر زمین بنت دے است
(۲) ریگ و خاکِ این زمین باثبات
باز گوید بر تو انواع نبات

ترجمہ ۱۔ زمین میں نے ہے یا کھانے کے لائق کوئی شے ہر زمین کا ترجمان اس کی انگوری ہے
۲۔ ریتلی زمین ہے یا پکی اس کی بات تجھے مختلف کھیتیاں بتائینگی۔

۶۷ قال ہود علیہ السلام نے فرمایا باوجودیکہ ان سے غلط اور سخت غلیظ کلمات سنے۔ لیکن آپ نے حسنِ سلوک کے طور اچھا طریقہ برتا اور ایسے ہی ہر ناصح و واعظ کے لئے چاہیے۔

یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ اے میری قوم میں بے وقوفی کا شائبہ تک نہیں رکھتا۔ یا یار ملاست یا ظرفیتہ ہے۔

وَلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ لیکن میں رب العالمین کا رسول ہوں یعنی انتہا درجہ کی رُشد و ہدایت اور سچائی پر ہوں اس لئے کہ رب العالمین کا پیغمبر ہوں۔ آپ نے ایسے جملہ سے استدراک فرمایا جسے رشد و ہدایت اور سچائی لازم ہو کیوں کہ رسول میں دین و دنیا کے انتہائی درجہ کی عقلمندی ہوتی ہے [۱]

۶۸ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ ۝ میں تمہیں اپنے رب تعالیٰ کے پیغامات پہنچاتا ہوں اور میں تمہارا خیر خواہ اور نہایت درجہ کا امین ہوں اور رسول میں یہ دونوں صفتیں بدرجہ اُتم اور عوام بہت مشہور ہوتی ہیں۔

فائدہ: رسالت کو جمع لانے کا ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اسی طرح نصح اور تبلیغ کا فرق بھی ہم نے بیان کیا ہے

[۱] اس میں دیوبندیوں وہابیوں نیچریوں اور پرویزیوں جملہ بد مذاہب کا رد ہے کہ وہ کہتے ہیں نبی علیہ السلام صرف دین کی باتیں جانتے ہیں۔ دنیوی امور سے بے خبر (معاذ اللہ)

نکتہ : ناصح امین کہہ کر متنبہ فرمایا کہ اے میری قوم تم میری یہ دونوں صفتیں خوب جانتے ہو۔

قاعدہ : حال ہمیشہ ذوالحال کی ہیئت کذائیہ کو بیان کرتا ہے۔

قاعدہ : کسی شے کو کسی صفت سے موصوف کرنے کا فائدہ اس وقت ظاہر ہوتا ہے جب وہ صفت مشہور بین المخاطب ہو۔

نکتہ : نصیحت اور امانت کا متعلق ظاہر نہیں کیا گیا۔ یہ از قبیل مہجور ہے تاکہ اگر وہ ان کا مقابلہ کریں تو وہ اپنے متعلق دونوں حقیقتوں کو ظاہر فرما دیتے یہ بھی ایک قسم کی ہُنر مندی ہے۔

۶۹ اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ کیا تمہیں تعجب ہے کہ رب تعالیٰ (جو تمہارے تمام امور کا مالک ہے) کی طرف سے وحی ظاہر ہو۔ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ تمہارے ہمجنس انسان کی زبان سے لِيُنْذِرَكُمْ تاکہ وہ کفر و معاصی کے برے انجام سے تمہیں ڈرائے۔

اعجوبہ وحی من اللہ کے لئے اپنے جیسے انسان پر نزول پر تو تعجب کر رہے تھے لیکن انہیں اپنے متعلق تعجب نہیں ہوا کہ وہ پتھروں کی پوجا کرتے اور انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا لیا۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ (ربط) نصیحت و امانت کے احکام کی ترتیب شروع فرمائی اور ارتذار اور اس کی تفصیل بھی۔

ترکیب : اِذْ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اور اس کا مفعول ہے۔ اس کا یہ اِذْ ظرفیہ نہیں دراصل عبارت یوں تھی "واذکروا اذ جعلکم الخ" یعنی یاد کرو۔ جب اللہ تعالیٰ نے تمہیں جانشین بنایا۔

سوال : صاحب الفرائد فرماتے ہیں اذ اور اذا ہمیشہ ظرفیہ ہوتے ہیں اور تم نے کہا یہاں اذ ظرفیہ نہیں۔

جواب : نحوی قاعدہ باب الاتساع واسع یعنی ظروف کے حروف میں وسعت ہوتی ہے۔ انہیں جو کچھ بناؤ بن سکتے ہیں۔

فائدہ : مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کا عطف فعل مقدر پر ہے۔ دراصل عبارت لاتعجبوا من ذٰلک وتدبروا فی امورکم واذکروا الخ یعنی اس سے تعجب مت کرو۔ بلکہ تدبر کرکے اس وقت کو یاد کرو جب کہ تمہیں اللہ تعالیٰ نے جانشین بنایا۔ "مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ" نوح علیہ السلام کے بعد یعنی اُن کے گھروں یا

ان کا جانشین بنایا کہ ان کے بعد تم اس پر بادشاہ بنائے گئے۔ اس لئے کہ شداد بن عاد تمام روئے زمین کا دارالخلافہ شہر عمان تھا۔

تفسیر ابن نجیمیہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں بعض کو بعض کا خلیفہ بنایا۔ اس بنا پر وہ روئے زمین کے خلیفہ ہوئے اس لئے کہ ایک مرتا ہے تو دوسرا اسی زمین کا مالک بن جاتا ہے اسی

طرح اہل غفلت کے غافلین اور وصال والوں کے واصلین جانشین ہوتے ہیں۔

وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ ۔ اور تمہیں بڑھایا یعنی لوگوں میں تمہاری کثرت فرمائی۔ بَسْطَةً ج ۔ قد وقامت اور قوت وطاقت کے لحاظ سے۔ اس لئے کہ ان کے زمانہ میں ان سے اور کوئی بڑے قد والا نہیں تھا۔ ان کے بڑے سے بڑا قد والا سو گز اور چھوٹے سے چھوٹا ساٹھ گز کا ہوتا تھا۔

فائدہ: حضرت وہب نے فرمایا کہ ان کا سر اتنا بڑا ہوتا کہ آجکل کے دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ میں آسکتا تھا اور آنکھ کی پہنائی اتنی تھی کہ اس میں ایک شیر کے بچے کی جگہ آسانی سے بن سکتی تھی۔ اسی طرح ان کے ناک وغیرہ کا حال تھا۔

تفسیر صوفیانہ: جیسے عام مخلوق میں جسمانیت کا فرق ہے ایسے ہی اُن کی سیرت میں فرق ہوتا ہے بعض سیرت میں اتنے بلند ہوتے ہیں کہ ان کا مقابلہ نہیں ہو سکتا۔ فرزدق نے کہا ؎

وقد تلتقی الاسماء فی الناس وکنی
کثیرا ولکن فرّقوا فی الخلائق

ترجمہ: اسماء اور کنیت میں ایک دوسرے سے لفظی مناسبت ہوتی ہے لیکن گہری نگاہ سے معلوم ہوتا ہے کہ عادات واخلاق میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

ف: شعر میں الخلائق خلیقہ کی جمع ہے بمعنی طبیعت۔ خاقانی نے فرمایا ؎

نے ہمہ یک رنگ دارد درنیتہا ولیک
از یکے نے قند خیزد و زد گرنے بوریا

ترجمہ: دونوں نے جنگل (کھیت) میں ایک رنگ نظر آتے ہیں لیکن ایک سے کھانڈ حاصل ہوتی ہے دوسرے سے ٹاٹ وغیرہ۔

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللّٰهِ پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ آلاء الی بمعنی نعمت کی جمع ہے پہلے مخصوص نعمتوں کا ذکر تھا۔ اب عام نعمتوں کا بیان فرمایا ہے جیسا کہ تعمیم بعد التخصیص کا قاعدہ ہے۔

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ تاکہ تم کامیابی حاصل کرلو یعنی نعمتوں کا ذکر تمہارے لئے شکر کی ادائیگی کا سبب بن جائے جس سے تم تکالیف سے نجات پانے کے مستحق ہو جاؤ اور تمہیں اصلی مقصود نصیب ہو جائے لیکن ان کے پاس سوائے تقلید آباء کے اور کیا تھا اور اس کے سوا وہ اور کیا جواب دے سکتے تھے۔

قَالُوْا۔ مذکورہ بالا بہترین نصیحتیں سن کر قوم عاد نے ہود علیہ السلام کو جواب دیا۔ اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ

اے ہود علیہ السلام تم ہمارے ہاں تشریف لائے ہو تاکہ ہم ایک معبود کی عبادت کریں۔ وَنَذَرَ مَا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَا ج اور ہم ان معبودوں کی پرستش چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباء و اجداد عبادت کرتے آئے۔

فائدہ ۱: اَجِئْتَنَا یا تو اس لئے کہا کہ ہود علیہ السلام نے چند روز ان سے علیحدگی اختیار کر لی جیسے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حرا میں چند روز عبادت کے لئے تنہائی اختیار فرمائی پھر جب ان پر وحی الٰہی کا نزول ہوا تو اپنی قوم کے پاس دعوتِ حق سنانے کے لئے تشریف لائے یا ان کا مطلب یہ تھا کہ آپ آسمان سے تشریف لائے ہیں وہ اس لئے کہ ان کا عقیدہ تھا کہ آسمان سے اللہ تعالیٰ فرشتہ رسول بنا کر بھیجتا ہے۔ زمین والوں سے کوئی بشر رسول نہیں بن سکتا اس سے وہ ہود علیہ السلام کے ساتھ استہزاء کرتے یا یہاں مجازاً یہ لفظ کہا ہے اس لئے کہ ان کی مجئی سے مطلق فعل اور اس کا ارتکاب مراد تھا۔ گویا انہوں نے ہود علیہ السلام سے کہا کہ کیا آپ کا یہی ارادہ ہے کہ ہم صرف ایک معبود کی عبادت کریں اور آپ ہمیں اس کا مکلف بناتے ہیں۔ جیسے اہلِ عرب کہتے ہیں۔ ذَهَبَ يَشْتِمُنِي اس میں ذھب کا اصلی معنی مراد نہیں ہے۔ فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ پس لائیے وہ عذاب کہ جس سے تم ہمیں ڈراتے ہو۔

سوال: گذشتہ مضمون میں تو عذاب کے ڈرانے کی تصریح نہیں تو پھر ان کا یہ کہنا کس طرح

جواب: جب "اَفَلَا تَتَّقُوْنَ" حضرت ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا تو اس سے عذاب کی دھمکی مراد تھی۔ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ اگر تم اپنی بات میں سچے ہو کہ اگر تمہاری بات نہ مانی گئی تو عذاب آجائے گا

۷۱ قَالَ ہود علیہ السلام نے فرمایا قَدْ وَقَعَ عَلَيْكُمْ تمہارے لئے عذاب واجب ہو گیا۔ یہ مجاز ہے اس لئے کہ مسبب بول کر سبب مراد لیا ہے کیونکہ علم الٰہی میں نزولِ عذاب وجوب نزول کا سبب ہے۔ مِنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے "رِجْسٌ" عذاب۔ یہاں رجس بمعنی ارتجاس ہے یعنی اضطراب وَ غَضَبٌ اور غضب یعنی ارادۂ انتقام۔ اَتُجَادِلُوْنَنِيْ فِيْٓ اَسْمَآءٍ کیا تم میرے ساتھ ان کے لئے جھگڑتے ہو جو صرف نام ہی نام ہیں۔ بتوں کے نام تو ہیں لیکن ان کے مسمیات کی کوئی حقیقت نہیں اس لئے کہ وہ بت بنا کر ان کا نام معبودِ حقیقی کے نام کے مطابق موسوم کر کے ان کی عبادت کرتے اور صرف انہیں عبادت کا مستحق سمجھتے تھے حالانکہ الوہیت و استحقاقِ عبادۃ کی حیثیت سے کوسوں دور تھے۔ سَمَّيْتُمُوْهَآ۔ اُن کے تم نے ہی نام رکھے اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ اور تمہارے آباء کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے کوئی حجت اور برہان نہیں نازل فرمایا۔

ترکیب: سمیتموھا اسماء کی صفت ہے ما نزل اللہ بھی اسی کی صفت ہے اور من سلطانٍ "مانزّل" کا مفعول ہے اور من زائدہ ہے۔ خلاصہ یہ کہ اے قوم عاد تم میرے ساتھ ان مسمیات کے لئے جھگڑا کرتے ہو جن کے

صرف نام ہیں لیکن ان اسماء ہیں وہ حقیقت ہو جن سے تم نے انہیں موسوم کر رکھا ہے اور وہ فعل قابل مذمت ہوتا ہے جس کا نام لفظ ہو لیکن معنیٰ نہ ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اسم بھی وہی ہو اور مسمّیٰ بھی وہی ۔

قوم ہود کی بتوں کے اسماء اور ان کی کارگزاریاں

قوم ہود نے اپنے ہر بت کا علیٰحدہ نام اور ان کے متعلق علیحدہ علیحدہ کارکردگی سمجھ رکھی تھی چنانچہ ان کے ایک بت کا نام سائفہ تھا ۔ اس کے متعلق ان کا عقیدہ تھا کہ بارش وہی برساتا ہے ایک اور کو حافظہ کہتے تھے اس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ یہ سفر میں ان کی نگرانی کرتا ہے ۔ ایک اور بت تھا اس کا نام رازقہ ۔ اسی طرح سالمہ وغیرہ ۔ ظاہر ہے کہ یہ صرف نام ہیں ۔ مُسمّٰی اُن کا کچھ بھی نہیں ۔ کیونکہ وہ تو چند ڈھیلوں کا مجموعہ ہوتے انہیں کسی شئے پر قدرت کیسی ۔ اس پر ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا ۔ اے قوم عاد میرے سے تم ان بتوں کے بارے میں جھگڑتے ہو جن کے تم نے ہی از راہِ جہالت نام رکھ چھوڑے ہیں

فَانْتَظِرُوْٓا یہ تفریع سے مربوط ہے یعنی اے قوم عاد جو کچھ تم مانگتے ہو اور مجھے کہتے ہو فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ پس انتظار کرو ۔ اِنِّیْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ میں بھی تمہارے ساتھ تمہارے اوپر نزول عذاب کا انتظار کرتا ہوں ۔

۷۲ فَاَنْجَیْنٰهُ فانفجرت کی طرح فا فصیحیہ ہے یعنی اس کے بعد قوم عاد پر عذاب واقع ہوا اور ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی ۔ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗ اور ان لوگوں کو جو دین میں اُن کے ساتھ ہوئے بِرَحْمَةٍ مِّنَّا بہت بڑی رحمت سے جو ان پر ہماری طرف سے ہوئی ۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ ہود علیہ السلام باوجودیکہ نبی تھے اور بہت بڑے مراتب و درجات کے مالک تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نجات نصیب ہوئی تاکہ بندگانِ خدا کو معلوم ہو کہ نجات حق اعمال کی محتاج نہیں اور نہ ہی اعمال صالحہ کی وجہ سے ملتی ہے بلکہ نجات محض فضلِ الٰہی اور اس کی رحمت پر موقوف ہے اس لئے جسے بھی نجات نصیب ہوئی تو محض فضل حق اور رحمت رب سے اور بس وَقَطَعْنَا دَابِرَ اور ہم نے کاٹ دی جڑ اس قوم کی مد الَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی یعنی ہم نے ان کی بنیادیں اکھیڑ ڈالیں اور ان کا نام و نشان تک مٹ جائے وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ ۔ اور وہ مومن نہ تھے ۔ اس کا عطف كَذَّبُوْا پر ہے اور یہ بھی الذین کے صلہ کے حکم میں ہے یعنی انہوں نے کفر و تکذیب پر اصرار کیا اور اس سے سرمُو بھی پیچھے نہ ہٹے اس لئے ہم نے بھی انہیں تباہ و برباد کر ڈالا ۔

مسئلہ: آیت سے معلوم ہوا کہ نجات کا دارومدار ایمان اور آیاتِ الٰہی کی تصدیق پر ہے جیسے کفر و تکذیب سے تباہی و بربادی ہی نصیب ہوتی ہے (معاذ باللہ)

قوم ہود کا تفصیلی واقعہ قوم عاد ملک یمن کے احقاف کے علاقہ میں رہتے تھے اور یہ ریتیلا علاقہ ہے اس کے ساتھ چند مقامات اور متعلق ہیں۔ مثلاً عالج۔ دھمان۔ مرین یہ علاقہ عمان اور حضرموت کے مابین واقع ہے۔ ان لوگوں نے اپنی قوت و طاقت سے اللہ کی زمین پر فتنہ و فساد برپا کر کے اہل زمین کا عرصہ حیات نہایت تنگ کر رکھا تھا ان کے چند بت تھے جن کی تین وقتوں صبح دوپہر اور شام کو پرستش کرتے تھے اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاں ہود علیہ السلام کو نبی بنا کر بھیجا تھا جو ان کے نسب میں تو اوسط درجے کے تھے لیکن شرافت و بزرگی میں نہایت بلند مقام کے مالک تھے ہود علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ بت پرستی چھوڑ دو۔ صرف اللہ تعالیٰ واحد لاشریک کی عبادت کرو اور ساتھ یہ ظلم و ستم جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر کرتے ہو ختم کر دو۔ انہوں نے کہا تم کون ہو ہمیں سمجھانے والے ہم یہی کریں گے جو کر رہے ہیں۔ ہمارا بالمقابل ہے کون۔ اس کے بعد اُلٹا انہوں نے اپنی کاروائی اور تیز کر دی اور سرکشی اور رعونت کا بازار گرم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عبرت کے طور تین سال تک اُن پر بارش بند کر دی اس وقت لوگوں کی عادت تھی کہ جب اس طرح کی کوئی مصیبت رُونما ہوتی تو مسلمان اور کافر سب مل کر مکہ معظمہ میں جا کر کعبۃ اللہ کے سامنے گڑگڑاتے۔ اس وقت مکہ معظمہ کے باشی عمالیق تھے یعنی عملیق بن لاوذ بن سام بن نوح علیہ السلام کی اولاد تھی ان کے سردار کا نام معاویہ بن بکر تھا۔ اس کی والدہ بھی قوم عاد سے تھی اس دستور کے مطابق قوم عاد نے بھی مکہ معظمہ کو جانے کے لئے پروگرام بنایا۔ چنانچہ ایک وفد تیار کیا آمدورفت کا خرچہ اکٹھا کر کے ستر آدمی روانہ کئے۔ جن کے امیر قافلہ قیل بن عشر اور مرثد بن سعد مقرر کئے گئے جب وہ شہر مکہ میں وارد ہوئے تو معاویہ بن بکر سردار مکہ کے ہاں ٹھہرے ان کا مکان شہر سے باہر تھا۔ اُس نے ان کے اعزاز و اکرام میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اس لئے کہ اسے اپنے ننھیالی رشتہ داری کی عزت و احترام مدِ نظر تھی۔ لیکن ان مہمانان نے آتے ہی عیش و عشرت کے مزے لوٹنے بجائے کعبہ معظمہ میں جانے کے معاویہ بن بکر کے مکان پر پورا ایک ماہ گزار دیا۔ اس لئے کہ وہاں شراب کی بوتلیں آزادی سے اپنی ہی مرضی سے پیتے پھر نغمہ و سرود کی محفلیں خوب گرم ہوتیں جرادتین کے گانے انہیں مدہوشی میں ڈال دیتے۔ جرادین معاویہ بن بکر کی گانے بجانے والی دو لونڈیوں کا نام تھا۔ ان میں ایک کا نام وردہ تھا اور دوسری کا جرادہ تغلیبا ہر دونوں کو جرادتین کہا جاتا معاویہ کو اُن کا یہ طریقہ ناگوار ہوا۔ اس لئے کہ آئے تو تھے کعبہ میں گڑگڑانے اور زاریاں کر کے بارش مانگنے لیکن یہاں عیش و نشاط کی محفلوں میں سرمست ہو گئے۔ نامعلوم پس ماندگان پر کیا گزری لیکن بحیثیت مہمان نوازی کے انہیں کچھ کہہ بھی نہیں سکتا تھا اس لئے خاموش رہتا۔ لیکن جب کافی عرصہ گزرتا چلا گیا تو اس سے نہ رہا گیا اس نے اپنی دونوں لونڈیوں یعنی جرادین سے مشورہ کیا تو انہوں نے کہا کہ آپ ہمیں ایسے اشعار منظوم کر دیں جن کے متعلق انہیں محسوس نہ ہو کہ ان کا منظوم کرنے والا کون ہے ہم ان کو جا کر سنائیں گے امید اغلب ہے کہ ان کے سنتے ہی

وہ یہاں سے چل نکلیں گے۔ معاویہ نے جو اشعار منظوم کئے وہ یہ ہیں۔

الا یا قیل ویحک قم فیهم
لعل الله یسقینا غماما
فیسقی ارض عاد ان عادا
قد امسوا ما یبینون الکلاما
من العطش الشدید فلیس ترجو
به الشیخ الکبیر ولا الغلاما
وقد کانت نساءهم و بخیر
فقد امست نساءهموا ایامیٰ
وان الوحش تاتیهم جهارا
فلا تخشی لعادی سهاما
وانتم ههنا فیما اشتهیتم
نهارکم ولیلکم التماما
فقبح وفدکم من وفد قوم
ولا لقوا التحیة ولا سلاما

ترجمہ : ”خبردار اے قیل افسوس ہے اٹھ کھڑا ہو اور بارش مانگ اُمید ہے اللہ تعالیٰ ہمیں بارش عنایت فرمائے گا اس سے قوم عاد کو بھی بارش نصیب ہو گی اب تو ان کی یہ حالت ہے کہ وہ بھوک اور پیاس سے بول بھی نہیں سکتے اس میں بوڑھے اور نوجوان سب شامل ہیں۔ جب تم چلے تھے اس وقت تمام عورتیں بخیر و عافیت تھیں لیکن اب ان کی بہت عورتیں بے شوہر ہو چکی ہیں۔ اب تو وحشی کھلم کھلا ان کے گھروں کے گرد گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں اس لئے کہ نہ کوئی مرد ہے کہ نہ انہیں کوئی تیر مارتا ہے اس وجہ سے اب انہیں کسی سے خطرہ ہی نہیں اور تم یہاں عیش و عشرت میں گم ہو رات اور دن کو ایک کئے ہوئے ہو۔ اس گندی خصلت والے وفد کی قباحت تم سے بڑھ کر نہیں جو سلامتی و عافیت سے ہمکنار نہیں ہوتے۔“

جب جرادین نے انہیں یہ اشعار سنائے تو آپس میں لگے کہنے کہ یار ہم نے کافی وقت یہاں گزار دیا۔ اٹھو چلو حرم شریف میں گریہ وزاری کرو تاکہ ہمیں بارش نصیب ہو۔ اُن کے امیر قافلہ مرثد نے کہا میرا جی چاہتا ہے کہ اب ہم اپنے نبی ہود علیہ السلام کو مان لیں تو اچھا ہے ورنہ ہمارے کہ دار بتاتے ہیں کہ ہماری دعاؤں سے بارش کا ایک قطرہ بھی نصیب

نہیں ہوگا بلکہ اب وقت ہے کہ ہم سچے دِل سے توبہ کرلیں اپیر انشاء اللہ تعالیٰ بارش ہو جائے گی بلکہ اس سے تو اپنے ایمان کا اظہار بھی کر دیا۔ ان سب نے مرثد کی تقریر سُنی تو سارے ناراض ہو گئے اور معاویہ سے کہا کہ مرثد کو قید کر دیجئے۔ یہ ہمارے ساتھ اب کعبہ میں جانے کا نہیں رہا۔ اس لئے کہ اس نے ہود علیہ السلام کا دین قبول کر لیا اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کو چھوڑ دیا۔ یہ کہہ کر سب کے سب کعبہ معظمہ میں حاضر ہوئے اور مرثد نے یہ دُعا کی۔

فائدہ: بعض نے کہا کہ انسے مسجد حرام میں کھڑے ہو کر دعا میں عرض کیا۔ اے اللہ تعالیٰ ہم تیرے ہاں مریض کی شفا مانگنے نہیں آئے اور نہ کسی قیدی کو چھڑانے کے لئے عرض کرتے ہیں بلکہ ہمیں بارش عطا فرما۔ اس لئے کہ ہم ہلاک ہو رہے ہیں۔ اے اللہ عاد کو پہلے کی طرح بارش سے نواز۔ ساتھ والوں نے کہا۔ اے اللہ تیرے سے قیل جو کچھ مانگ رہا ہے اسے عنایت فرما ہمارا بھی وہی مقصد ہے جو وہی عرض کر رہا ہے۔ فلہذا ہمیں خالی ہاتھ نہ لوٹا۔ ان کی دُعا پر تین قسم کے بادل نمودار ہوئے۔

(۱) سفید

(۲) سرخ

(۳) سیاہ

اور غائبانہ ندا دینے والے نے کہا "اے قیل اپنی قوم کے لئے ان تینوں میں سے ایک کا انتخاب کرے۔ اس نے عرض کی ہمیں سیاہ بادل عنایت فرمادے اس لئے کہ سیاہ بادل میں بارش ہوتی ہے لیکن آواز آئی کہ اے قیل تونے وہ بادل مانگا جس میں ہلاکت و تباہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس سے عاد کی قوم کا ایک بچہ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تمام بوڑھے جوان اور بچے فنا ہو جائیں گے۔ اس کے بعد وہ سیاہ بادل چل پڑا۔ جس میں عذاب یعنی تباہی و بربادی تھی اور عاد کی قوم کی طرف رخ کیا اور ان کے وادی مغیث کے بالمقابل پہنچا۔ جونہی قوم عاد نے دیکھا تو خوش ہوئے اور کہا یہ بادل آگیا۔ ہمیں بارش سے بھرپور کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا نہیں یہ وہی عذاب ہے جو اپنے رب تعالیٰ کے حکم سے تم سب کو تباہ برباد کر ڈالے گا چنانچہ اس کے بعد اس بادل سے ایک کالی سیاہ ہوا چلی جو ان پر سات دن اور آٹھ راتیں مسلسل چلتی رہی۔

قوم عاد کے عذاب کی کیفیت:۔ اُن کے عذاب کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سے بڑے بڑے پتھر برستے جو ان کے سروں پر پڑ پڑ کر انہیں ریزہ ریزہ کر دیتے۔ جونہی انہوں نے یہ کیفیت دیکھی تو زمین میں گڑھے کھودے تاکہ ان گڑھوں میں چھپ جائیں لیکن ہوا اتنی زوردار تھی کہ زمین کے نیچے زور لگا کر ان کے دو دو آدمیوں کو اوپر اٹھا اٹھا کر ان کو آپس میں ٹکرا دیتی۔ پھر انہیں زمین میں ایسے زور سے پھینکتی کہ زمین میں دھنس جاتے۔ اس حالت کو تمام اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے اور ان کی چیخ و پکار اپنے کانوں سے سنتے رہے۔ یہاں تک کہ تمام کے

تمام نثار د برباد ہو گئے۔

ہود علیہ السلام کو امان ہجرت ہود علیہ السلام اور آپ کے ماننے والے ایک مقام پہ محفوظ رہے جہاں انہیں وہی ہوا ٹھنڈی ٹھنڈی بھینی بھینی خوشبودار ہو کر پہنچتی۔

واقعہ مذکور کا آغاز منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس عذاب والی ہی کو عذاب کے لئے بھیجنے کا ارادہ فرمایا تو ہوا سے فرمایا کہ اپنے مخرج سے بیل کے ناک کے سوراخ کے برابر باہر نکل جب وہ اس مقدار میں نکلی تو تمام روئے زمین کو زلزلہ آ گیا۔ مشرق سے مغرب تک زمین کا چپہ چپہ ہچکولے کھا رہا تھا ہوا کے داروغہ فرشتوں نے عرض کی یا اللہ تعالیٰ اگر ہوا کی یہی حالت رہی تو نہ زمین رہے گی نہ زمین والے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہوا کو فرمایا کہ مخرج سے انگشتری کے سوراخ کے برابر نکل۔ چنانچہ اسی قدر نکلی تو وہی کیفیت پیدا کردی جو مذکور ہوئی۔

قصہ قوم عاد بروایت دیگر حضرت سدی نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہوا کو عاد کی طرف بھیجا جب ان کے قریب ہوئی تو انہوں نے دیکھا کہ ان کے اونٹ اور بیل ہوا کی شدت سے اڑ کر آسمان کی طرف چلے گئے ہیں وہ بھاگ کر اپنے گھروں میں گھس گئے۔ لیکن ہوا نے انہیں گھروں سے نکال کر وہی کیفیت پیدا کردی جو مذکور ہوئی۔

سوال: بیچارے حیوانات کا کیا قصور تھا کہ انہیں بھی ایسے سخت عذاب میں مبتلا کیا گیا۔

جواب: جب اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوتا ہے تو عام ہوتا ہے اس میں کسی شئے کی تخصیص نہیں رہتی اور اس کے اپنے افعال میں ہزار حکمتیں ہوتی ہیں اور پھر وہ ان کے قبضے میں تھے اُن سے ان کے مالکوں سے پہلے کی طرح جدا کیا جاتا د پھر ممکن ہے کہ ان حیوانات کو وہ عذاب نہ ہو بلکہ ان کے لئے راحت ہو۔

ہود علیہ السلام کی ہجرت: حضرت ہود علیہ السلام اپنی قوم کے اہلِ ایمان کو بچا کر مکہ معظمہ میں تشریف لائے اور وہیں پر ان کا وصال ہوا اور اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ ہر نبی علیہ السلام سے رہا کہ جو نہی ان کی باغی قوم عذاب میں مبتلا ہوتی ہے تو ان کو حکم ہوتا ہے کہ وہ اپنے ملنے والوں کو لیکر مکہ معظمہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور وہیں پر بقایا زندگی بسر فرمائیں۔

مکہ معظمہ میں مزارات بعض مفسرین فرماتے ہیں حجر اسود اور مقام ابراہیم کے درمیان ننانوے انبیاء علیہم السلام مدفون ہیں۔ ہود و شعیب اور صالح و اسماعیل علیہم السلام کے مزارات بھی یہیں پر ہیں[1]

مسئلہ: جب کسی قوم پر عذاب اور غضب ہو تو وہاں سے ہجرت کرنا چاہیے اس لئے کہ ان کے کفر و معاصی کیوجہ سے

[1] جو لوگ مزارات کی حاضری کو شرک کہتے ہیں انہیں کعبہ معظمہ میں نہ جانا چاہیے کہ وہاں بھی انبیاء علیہم السلام کے مزارات ہیں

اس جگہ سے خیر و برکت اُٹھ جاتی ہے۔ وہاں سے اللہ تعالیٰ کے جلال سے ڈرنا چاہیے۔ اس لئے اپنی جگہ چھوڑ کر وہاں جانا چاہیے جہاں امان ہی امان ہو اور کعبہ معظمہ تو امن کا مرکز ہے۔ کما قال تعالیٰ "وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ آمِنًا"۔

مسئلہ : مقامات کی فضیلت کی بنا پر وہاں کی عبادت میں بھی ثواب مختلف درجات کا حکم رکھتا ہے۔ چنانچہ مکہ معظمہ میں ایک نیکی لاکھ کے برابر ہوتی ہے اس لئے کہ مکہ معظمہ کو تمام انبیاء وعظام و اولیاء کرام کے قدوم میمنت لزوم کا شرف ملا۔ یہی حال اوقات کے متعلق ہے کہ بعض اوقات دوسرے بعض سے افضل ہوتے ہیں۔

نکتہ : مبارکباد کے مستحق ہوتے ہیں وہ لوگ جو اہلِ بدعت اور اہلِ شر کے علاقوں کو چھوڑ کر اہلِ سنت و اہلِ ھدیٰ کے ہاں چلے جاتے ہیں اس لئے کہ اہلِ خیر و اہلِ صلاح (اولیاء اللہ) پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نگاہِ کرم ہوتی ہے۔

مسئلہ : جو شخص اپنی کسی نفسانی خواہش اور دنیوی غرض یا اپنے معاش کے تحت وہیں پر پڑا رہتا ہے جہاں اہلِ معاصی و اہلِ نفاق کا بسیرا ہے تو سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے دنیا میں عذاب میں مبتلا فرمایا اور گویا اسے اپنی جنت سے ایسے شخص کو دور رکھا ہے۔ ایسے شخص نے اپنے معاملات میں سخت نقصان اٹھایا اور اسے ایسی تجارت میں سراسر گھاٹا نصیب ہوا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ہدایت یافتہ انسان گمراہوں کے ساتھ نہیں بسر کر سکتا۔ جب کہ ایسے دلائل و براہین سے معلوم ہو جائے کہ اُن کے ساتھ رہنا سراسر نقصان ہے۔ ~

سعدیا حُبِ وطن اگرچہ حدیث است صحیح
نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

ترجمہ : سعدی اگرچہ حب الوطن والی حدیث صحیح سہی لیکن وہاں سختی سے مرنا اور کہنا کہ میں یہاں پیدا ہوا تھا۔

صاحب روح البیان رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے اہلِ بغی و فساد سے اہلِ ارشاد کا طریقہ حاصل کرنے کے لئے ہجرت کی پھر دیارِ رُوم سے بروسہ محروسہ میں بھی اسی غرض سے پہنچا[۲] اے اللہ تعالیٰ ہمیں طریقِ حق و ارشاد پر ثابت قدم رکھ اور ہمیں سرِّ مطلق کی ہجرت سے نواز (آمین)

---

[۱] یہی کو الٔف اہلِ حق
یعنی اہلسنت کو نصیب ہیں ورنہ دوسرے تو اولیاء اللہ کی طرف جانے کو شرک کہتے ہیں۔ لا تشد الرحال والی حدیث پڑھ کر بندگانِ خدا کو ڈراتے ہیں

[۲] ، فقیر اُویسی نے بھی اپنے غریب خانہ کو اسی لئے ترک کیا کہ وہاں دینی اُمور کی کچھ قدر نہ تھی اور اپنے پیر و مرشد حضرت خواجہ محکم دین سیرانی قدس سرہ کا پڑ درس اختیار کیا۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس ہجرت کو منظور فرما کر سرِّ مطلق ہجرت کے اسرار سے نوازے ۱۲۔

وَاِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا
اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ
مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِيْۤ
اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۳﴾ وَ
اذْكُرُوْۤا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ عَادٍ وَّبَوَّاَكُمْ فِى الْاَرْضِ
تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سُهُوْلِهَا قُصُوْرًا وَّتَنْحِتُوْنَ الْجِبَالَ
بُيُوْتًا ۚ فَاذْكُرُوْۤا اٰلَآءَ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ ﴿۷۴﴾
قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا
لِمَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ اَتَعْلَمُوْنَ اَنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قَالُوْۤا
اِنَّا بِمَاۤ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۷۵﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْۤا اِنَّا بِالَّذِيْۤ
اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۷۶﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ وَ
قَالُوْا يٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَاۤ اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۷۷﴾
فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ ﴿۷۸﴾ فَتَوَلّٰى
عَنْهُمْ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ
وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ ﴿۷۹﴾ وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَتَاْتُوْنَ
الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۰﴾ اِنَّكُمْ
لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ؕ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ
مُّسْرِفُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖۤ اِلَّاۤ اَنْ قَالُوْۤا اَخْرِجُوْهُمْ

مِّنْ قَرْيَتِكُمْ ۚ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَّتَطَهَّرُوْنَ ﴿۸۲﴾ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَهْلَهٗۤ اِلَّا امْرَاَتَهٗ ۖ كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿۸۳﴾ وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَّطَرًا ۖ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور ثمود کی طرف ان کی برادری سے صالح کو بھیجا کہا اے میری قوم اللہ کو پوجو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی یہ اللہ کا ناقہ ہے تمہارے لئے نشانی تو اسے چھوڑ دو کہ اللہ کی زمین میں کھائے اور اسے برائی سے ہاتھ نہ لگاؤ کہ تمہیں دردناک عذاب آئے[۷۳] اور یاد کرو جب تم کو عاد کا جانشین کیا اور ملک میں جگہ دی کہ نرم زمین میں محل بناتے ہو اور پہاڑوں میں مکان تراشتے ہو تو اللہ کی نعمتیں یاد کرو اور زمین میں فساد مچاتے نہ پھرو[۷۴] اس کی قوم کے تکبر والے کمزور مسلمانوں سے بولے کیا تم جانتے ہو کہ صالح اپنے رب کے رسول ہیں بولے وہ جو کچھ لے کر بھیجے گئے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں[۷۵] متکبر بولے جس پر تم ایمان لائے ہو ہمیں اس سے انکار ہے[۷۶] پس ناقہ کی کوچیں کاٹ دیں اور اپنے رب کے حکم سے سرکشی کی اور بولے اے صالح ہم پر لے آؤ جس کا تم وعدہ دے رہے ہو اگر تم رسول ہو[۷۷] تو انہیں زلزلہ نے آ لیا تو صبح کو اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے[۷۸] تو صالح نے ان سے منہ پھیرا اور کہا اے میری قوم بے شک میں نے تمہیں اپنے رب کی رسالت پہنچادی اور تمہارا بھلا چاہا مگر تم خیرخواہوں کے غرضی ہی نہیں[۷۹] اور لوط کو بھیجا جب اس نے اپنی قوم سے کہا کیا وہ بے حیائی کرتے ہو جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی[۸۰] تم مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے[۸۱] اور اس کی قوم کا کچھ جواب نہ تھا مگر یہی کہنا کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ تو پاکیزگی چاہتے ہیں[۸۲] تو ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی عورت رہ جانے والوں میں ہوئی[۸۳] اور ہم نے ان پر مینہ برسایا تو دیکھو کیا انجام ہوا مجرموں کا[۸۴]

تفسیر عالمانہ ۷۳ ﴿وَاِلٰی ثَمُوْدَ﴾: یعنی ہم نے ثمود کی طرف رسول بنا کر بھیجا۔ ثمود عرب کا ایک قبیلہ اپنے مورثِ اعلیٰ کی وجہ سے اس نام سے موسوم ہوئے۔

ثمود کا نسب نامہ ثمود بن عاد بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام۔ اس کا مسکن شام و حجاز کے مابین مقام حجر میں تھا جو وادی القریٰ کی جانب واقع ہے۔

ف: ثمود کا لفظ قرآن مجید میں منصرف و غیر منصرف ہر دو نوں طرح مستعمل ہوا ہے۔ کما قال تعالیٰ اَلَاۤ اِنَّ ثَمُوْدَا۟ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اور فرمایا اَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ۔ جو اسے منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا نام بتاتے ہیں اور جو اسے

غیر منصرف پڑھتے ہیں وہ اسے ایک قبیلہ کا اسم علم قرار دیتے ہیں۔ اَخَاھُمْ ان کے بھائی کی طرف اس سے ان کا نسبی مراد ہے ورنہ شرافت اور بزرگی کے لحاظ سے تو ان سے بہت بلند تھے۔ جیسے ہود علیہ السلام کے بیان میں گزرا۔ صٰلِحًا۔ صالح علیہ السلام گویا۔ اَخَاھُمْ کا عطف بیان ہے۔

صالح علیہ السلام کا نسب نامہ

حضرت صالح علیہ السلام بن عبید بن آصف بن ماسح بن عبید بن حاذ ابن ثمود قَالَ یہ جملہ مستانفہ ہے یعنی فرمایا۔ یٰقَوْمِ اے میری قوم اعْبُدُوا اللّٰہَ اللہ واحد لاشریک کی عبادت کرو۔ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔

مسئلہ: آیت سے ثابت ہوا کہ انبیاء علیہم السلام احکام و شرائع کے لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن عقیدہ توحید سے سب متحد تھے اس لئے ہر ایک متفقہ طور دعوتِ توحید دیتے رہے۔ چنانچہ سابقہ مضامین میں نوح و ہود و صالح علیہم السلام نے یہی فرمایا۔ "اَعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ"۔

قوم ثمود کا واقعہ

مروی ہے کہ جب قوم عاد مر مٹی تو ان کے بعد قوم ثمود نے شہروں کو آباد کیا اور ان کے جانشین ہوئے اللہ تعالیٰ نے انہیں اموال و اولاد میں وسعت بخشی تو بغاوت پر تل گئے اور اس کی زمین پر فساد برپا کیا اور حسب دستور سابق بت پرستی میں لگ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی ہدایت کے لئے صالح علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا قوم ثمود اونچی نسب سے تعلق رکھتے تھے اور صالح علیہ السلام ان میں متوسط گھرانہ سے متعلق تھے۔ آپ نے انہیں دعوتِ توحید دی اور بڑے عرصہ تک ان کی اصلاح میں لگے رہے یہاں تک کہ بڑھاپے کو پہنچے لیکن سوائے چند معدودہ افراد کے کسی نے آپ کی نہ سُنی اور جو آپ کے متبع ہوئے وہ بھی نہایت غریب آپ نے سرکشوں کو بہت ڈرایا۔ دھمکایا۔ انہوں نے از راہ عزور تکبر کہا یا آپ سے معجزہ طلب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تم کونسی دلیل مانگتے ہو۔ انہوں نے صالح علیہ السلام سے کہا کہ آپ عید کے دن ہمارے ساتھ چلیں۔ سال میں ان کا ایک دن عید کا ہوتا تھا۔ تم اپنے معبود سے دعا طلب کرو۔ ہم اپنے معبودوں کو پکارتے ہیں۔ اگر تیرا رب تیری دُعا قبول کرے تو ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے۔ اگر ہمارے معبود ہمارا کہنا مان لیں تو تم ہماری اتباع کرنا آپ نے قبول کر لیا اور ان کے ساتھ چل پڑے جب وہ بتوں کے قریب ہوکر دعا مانگنے لگے تو خاک بھی جواب نہ ملا۔ بہت سخت شرمندہ ہوئے۔ ان کا لیڈر حضرت صالح علیہ السلام کو سامنے پڑے ہوئے پتھر کی طرف اشارہ کرکے کہنے لگا وہ پتھر پہاڑ کی جانب تنہا پڑا تھا اسے کاتبہ کہا جاتا تھا۔ اگر اس سے بہت بڑی موٹی اونٹنی جو بختی اونٹوں کے مشابہ ہو نکال دو تو ہم تیری دعوت قبول کرلیں گے آپ نے ان سب سے عہد و پیمان لے کر دوگانہ پڑھا اور دعا مانگی یا اللہ کریم اس پتھر سے انہی کے حسب منشا اونٹنی ظاہر فرمادے وہ پتھر ایسے ہی حرکت میں آگیا۔ جیسے اونٹنیاں بچہ جنتے وقت حرکت کرتی ہیں اس سے اس طرح کی اونٹنی نمودار ہوئی جیسے کہ وہ چاہتے تھے۔ جندع نامی ان سب کا لیڈر تو اسی وقت مسلمان ہوگیا اس کے ساتھ چند اور بھی لیکن باقی برادری نے انکار کردیا ان سب

کا سرخیل ذواب بن عمرو الجناب تھا۔ جو بتوں کا محافظ اور تمام کاہنوں کا سردار تھا ؎

۱: یکے بنور عنایت رہ ہدایت یافت
یکے بوادی خذلان بماند سرگردان

۲: یکے بوسوسۂ دیو رفت سوئے سقر
یکے ز پیروی حق گرفت ملک جنان

ترجمہ ۱: کسی نے تو نور عنایت سے راہ پائی دوسرا وادی رسوائی میں سرگرداں رہا۔

۲: ایک وسوسہ شیطان سے دوزخ میں گیا دوسرے نے پیروی حق سے بہشت کی راہ لی۔

فائدہ: وہ اونٹنی بچے سمیت قوم ثمود میں رہنے سہنے لگی وہاں سے گھاس چرتی اور انہی کے پانی سے پانی پیتی

اس معجزہ کے ظہور کے بعد صالح علیہ السلام نے فرمایا۔ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ جاء تکم

کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے اور بینہ کی صفت ہے یعنی وہ بینہ جو تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے۔

فائدہ: حضرت مولانا ابوالسعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ صالح علیہ السلام کا وہ پہلا کلام ہے جو آپ نے اپنی قوم کی تبلیغ و نصیحت اور انہیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی تذکرے سے فارغ ہوئے تو سب سے پہلی گفتگو یہی فرمائی لیکن انہوں نے آپ کی ایک نہ مانی۔ بلکہ آپ کی تکذیب کی۔ چنانچہ سورۂ ہود کے مضمون ھو انشاکم من الارض واستعمرکم فیھا" الی آخر الآیات سے معلوم ہوتا ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ گفتگو آپ نے ان سے دعوتِ توحید کے بعد فرمائی لیکن یہ صحیح نہیں کیونکہ اس کے لئے کوئی قرینہ نہیں ملتا اور پہلی تقریر کے لئے قرینہ پایا جاتا ہے جسے ہم نے پہلے بیان کر دیا۔

هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی تمہارے لئے معجزہ بن کر آئی ہے یہ جملہ مستانفہ ہے اور سوال مقدر کا جواب ہے گویا انہوں نے سوال کیا کہ اے صالح علیہ السلام بتائیے۔ یہ اونٹنی کیا ہے انہوں نے جواب میں فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے۔ میں تمہیں متنبہ کرتا ہوا صریح الفاظ میں کہتا ہوں کہ میری نبوت کے لئے ایک دلیل اور علامت ہے۔

سوال: ناقۃ اللہ کی طرف مضاف کیوں جب کہ اقسام اضافت سے کسی ایک قسم سے بھی یہ نہیں بن سکتی۔

جواب: ناقۃ کی عظمت بتانے کے لئے اسے اللہ تعالیٰ کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اسے اضافت تشریفی کہا جاتا ہے۔ جیسے بیت اللہ میں اضافت تشریفی ہے۔

جواب ۲: چونکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئی ہے اگرچہ ہر شے اللہ تعالیٰ سے آتی ہے لیکن اسباب سے متعلق ہو کر اور یہ مقررہ اسباب کے بغیر آئی ہے اور اس کی تخلیق میں ذرائع مستعمل نہیں ہوئے جیسے دوسری اشیاء

کی تکوین میں مصروف سبیل مستعمل ہوتے ہیں۔ مثلاً نر و مادہ کا اجتماع پھر صلب سے رحم میں آنا اور پھر اس کا کئی عرصہ ماں کے پیٹ میں پرورش پانا پھر اُس کے بڑے ہونے تک انسانوں کی سعی وغیرہ وغیرہ اور لَکُمْ میں بھی ایک سوال کا جواب ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ آیت کس کے لئے ہے تو اس کے جواب میں فرمایا لَکُمْ یعنی یہ تمہارے لئے ہے۔

سوال: یہ معجزہ تو عام کے لئے تھا۔ لیکن اس تخصیص کیوں۔

جواب: چونکہ اس کے ظہور کا سوال انہوں نے کیا اس لئے ان کی تخصیص ہوئی اور اگر وہ عناد کو چھوڑ کر دلائل و براہین سے ہدایت کے طالب ہوتے تو ان کے لئے یہ مفید بھی ہوتی۔ بنا بریں ان کی تخصیص کی گئی فَذَرُوْهَا اس پر تفریع ہے چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے آیات سے ایک آیت ہے فلہذا اس کا تعرض ناجائز ہے فلہذا تم اسے چھوڑ دو۔ تَاْكُلْ فِیْٓ اَرْضِ اللّٰهِ امر کا جواب ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی اونٹنی ہے اور زمین بھی اللہ تعالیٰ کی ہے اس لئے کہ اسے حجر کے علاقوں کی زمین میں چھوڑ دو۔ یہ جہاں سے چاہے گھاس کھائے۔ تمہارے لئے اسے روکنے کا کوئی حق نہیں اور نہ ہی اسے کسی جگہ کے پانی پینے سے روک سکتے ہو۔

سوال: آیت میں صرف اکل کا بیان ہے تم نے پینے کا معنیٰ کہاں سے لیا۔

جواب: اکل کو شرب مستلزم ہے۔ اس التزام سے ہم نے شرب کا معنیٰ لیا۔ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ یہ بار ملابست کی ہے یعنی اسے نہ پہنچو۔ درانحالیکہ تم متلبس ہو برائی کے ساتھ یعنی اس کے ساتھ کوئی ایسا کام نہ کرو جو اسے تکلیف پہنچائے مثل قتل کرنا۔ مارنا۔ یا اس طرح ڈرانا دھمکانا۔ کھانے پینے سے روکنا صرف اللہ تعالیٰ کی نسبت کے اکرام و اعزاز کے پیش نظر۔

فائدہ: سوء اسم ہے جو ایذار کی جمع ہے اقسام پر حاوی ہے۔

فائدہ: با تعدیہ کی ہے معنیٰ یہ ہے کہ اسے تم کسی بھی قسم کی تکلیف نہ پہنچاؤ۔

فائدہ: اس میں مبالغہ ہے کہ اسے برائی سے ہاتھ لگانے سے بھی روکا گیا ہے چہ جائیکہ اسے دکھ یا کسی قسم کی تکلیف پہنچائی جائے۔ فَيَاْخُذَكُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ۔ پس تمہیں دردناک عذاب پکڑے گا یہ نہی کا جواب ہے۔ تفسیر فارسی میں ہے کہ اونٹنی کی وجہ سے عذاب کے مستحق نہ ہوئے بلکہ جب انہوں نے معجزہ دیکھ کر انکار کیا تو کافر ہوئے۔ اس کفر سے انہیں سزا ملی اور جب وہ دیکھ چکے کہ اونٹنی واقعی حقیقی معجزہ ہے تو پھر بھی اسے قتل کر ڈالا تو یہ ان کے کفر میں سخت انہماک کی دلیل ہے۔

تفسیر صوفیانہ عوام کے لئے معجزہ تو یہی تھا کہ پتھر سے ایک بہترین اونٹنی نکلی۔ لیکن خواص کے لئے یہ معجزہ تھا کہ ان کے دل سے سراسر سے راز کا صدور ہو اور سراسر ایک مخفی بھید

کا نام جسے صرف اہل اللہ جانتے ہیں اور ناقۃ اللہ سے وہ مرد مجاہد مراد ہے جو معرفت الٰہی کی امانت کا حامل ہو اور اس کے دودھ سے وہ واردات الٰہیہ مراد ہیں جو وہ مردِ خدا بندگانِ الٰہی کے ظاہری جسم کے قویٰ وحواس کو فیض پہنچاتا ہے۔ تاکل فی الارض سے اولیاء اللہ کا ریاض قدس سے فیضاب ہونا اور حیاض انس کے انوار سے متنیر ہونا مراد ہے۔ وَلَا تَمَسُّوهَا بِسُوْءٍ۔ شریعت کی مخالفت اور طریقہ کا معارضہ نہ کرو فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ۔ اگر کروگے تو اصلاحات حقیقیۃ سے انقطاع اور ہجران کا دردناک عذاب تمہیں گھیرے گا

۷۴ وَاذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ اور یاد کرو جب اللہ تعالیٰ نے عاد کے بعد تمہیں علاقہ حجر کا جانشین بنایا ہے یعنی انہیں تباہ و برباد کرکے ان کی زمینوں کا تمہیں مالک بنایا ہے اس تقدیر میں اذ کا منصوب علی المفعولیۃ ہے جیسے اس کی تقریر پہلے گزری۔ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تمہیں حجر کی زمین پر آباد اور وہاں پر تمہیں جگہ۔

- **فائدہ:** مولانا ابو السعود رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حجاز و شام کے درمیان کے علاقہ حجر میں تمہیں گھر اور رہنے سہنے کی منزل بنانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے یعنی اس زمین کی نرم جگہ میں تم بلند و بالا مکان بناتے ہو۔

فائدہ: یہاں پر من بمعنی فی ہے جیسے وَإِذَا نُودِيَ لِلصَّلَوٰةِ مِن يَوْمِ الْجُمُعَةِ میں من بمعنی فی ہے یا زمین کی نرمی مراد ہے کہ اس سے کچی پکی اینٹیں تیار کرتے تھے۔ وَتَنْحِتُونَ الْجِبَالَ اور پہاڑوں کو گھڑتے ہو۔ الجبال۔ الصخور صخر کی جمع بمعنی پتھر اور تنحتون النحت سے ہے کسی سخت شے کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا اور الجبال تنحتون کا مفعول بہ ہے۔ بُيُوتًا۔ الجبال سے حال مقدرہ ہے جیسے خط ہذا الثوب قمیصا میں قمیصا حال مقدرہ ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ان کے سردیوں میں پہاڑوں میں مسکن ہوتے ہیں اور گرمیوں میں زمین کی آبادیوں میں اس لئے دو علیحدٰہ جملے بیان کئے گئے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں چونکہ ان کی عمریں بہت بڑی ہوتی تھیں۔ اس لئے زمین پر جتنے گھر بناتے تھے وہ ان کی عمروں کے اختتام سے پہلے پرانے ہو جاتے تھے ان کے گرنے کا خطرہ ہوتا تو پھر پہاڑوں سے مکان تیار کرتے۔

فَاذْكُرُوا آلَاءَ اللَّهِ - پس اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو یعنی ان کی حفاظت کرو وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ زمین پر فساد نہ پھیلاؤ یعنی اشد الفساد کو کہا جاتا ہے یعنی اے کافرو زمین پر سرکشی نہ کرو در آنحالیکہ تم فساد پھیلانے والے ہو۔ یہ حال ان کے تعارف کے لئے ہے نہ کہ عامل کو مقید کرنے کے لئے ورنہ اس کا مفہوم مخالف کا معنیٰ فائدہ بخش ہوتا۔ حالانکہ اس کے مفہوم مخالف کا کوئی معنیٰ نہیں مثلاً مفہوم مخالف یوں ہے "تمادوا فی الفساد حال کونکم مصلحین" یہ معنی کسی صورت میں جائز نہیں۔

سوال: مفسدین سے اس لئے مقید کیا گیا ہے کہ العثی دراصل مطلقاً تعدی کو کہتے ہیں۔ لیکن فساد کے

معنی عام مستعمل ہونے لگ گیا ہے اس لئے کہ یہ کبھی غیر فساد کے معنیٰ میں بھی مستعمل ہوتا ہے جیسے ظالم کا معنیٰ تعدی پر مستعمل ہونا عام ہوگیا ہے۔ لیکن کبھی غیر ظالم پر بھی مستعمل ہوتا ہے یعنی ہر وہ شخص جو اپنے نفس کو دُکھ اور تکالیف میں مبتلا کرے بلکہ کبھی اس میں خیر اور بھلائی ہوتی ہے جیسے خضر علیہ السلام نے نے بچے کو قتل کر دیا اور غریبوں کی کشتی توڑ دی۔ اس معنیٰ پر اس کے عامل کو مقید ہونا ایسے ہے جیسے عام کو خاص کیا جائے۔

قَالَ۔ یہ جملہ متانفہ ہے اَلْمَلَاُ ۔ اس سے کفار کے لیڈر اور ان کے سردار مراد ہیں۔ اَلَّذِیْنَ اسْتَکْبَرُوْا مِنْ قَوْمِہٖ ان لوگوں نے کہا جو صالح علیہ السلام کی قوم کے سردار تھے اور جو حضرت صالح علیہ السلام کی دعوت سے سرکشی کر کے حق سے روگردانی کر چکے۔ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا یہ لام تبلیغ کی ہے یعنی ان لوگوں سے جو صالح علیہ السلام پر ایمان لائے اور ان کی قوم میں نہایت ہی کمزور اور تنگدست تھے۔

لِمَنْ اٰمَنَ مِنْھُمْ ۔ لِلَّذِیْنَ اسْتُضْعِفُوْا سے بدل الکل ہے اور منھم کی ضمیر قوم کی طرف راجع ہے اَتَعْلَمُوْنَ کیا تم جانتے ہو۔ اِنَّ صٰلِحًا مُّرْسَلٌ مِّنْ رَّبِّہٖ واقعی صالح علیہ السلام اپنے رب تعالیٰ کے رسول ہیں۔ صالح علیہ السلام کو رسول کے لفظ سے تعبیر کرنا استہزائیہ ہے ورنہ وہ انہیں رسول کب مانتے تھے۔ قَالُوْٓا اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِہٖ ان ضعیف اور کمزور لوگوں نے کہا ہم ان کے لائے ہوئے حکم توحید و عبادت پر مُؤْمِنُوْنَ ایمان لانے والے ہیں۔

سوال : کفار کے سوال سے اہل ایمان نے عدول کیوں کیا۔ انہیں صرف نعم کہنا تھا یا نعلم انہ مرسل منہ تعالیٰ بولتے۔

جواب : تاکہ کفار کو تنبیہ ہو کہ اے کافرو تم اتنے غبی ہو کہ تمہیں ان کی رسالت پر اب بھی شک ہے ان کی رسالت تو اظہر من الشمس ہے اور وہ تمہیں معلوم ہے اگرچہ ضد سے نہیں مانتے تھے اس لئے انہوں نے اپنے جواب میں اسے موصول کا صلہ بنایا ہے اور قاعدہ ہے کہ جو شے کسی کا صلہ بنے وہ ایسا جملہ ہو جو ذات موصول کے لئے معلومۃ الانتساب ہو۔ اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ گویا اہلِ ایمان سے کافروں نے کہا اے کافرو صالح علیہ السلام کے رسول ہونے میں اب بھی کوئی شک کی گنجائش رہ گئی ہے ہر عاقل سمجھدار پر اُن کی رسالت واضح ہو چکی ہے جب کہ وہ ایک معجزہ دکھلا چکے ہیں جو عقل کی جولانیوں سے کوسوں دُور ہے پھر بھی شک اور شبہ تمہارا کام ہے۔ ہاں اُن پر ایمان لانے کا معاملہ شک میں ہے تو سن لو کہ ہم ان پر ایمان لا چکے ہیں یہ ایک ایسا جواب ہے جو اپنا جواب آپ ہے اور یہ جواب صرف دانائی و حکمت سے دیا جا سکتا ہے اس لئے کہ اس جواب میں ایسی باتیں آ گئی ہیں جو مخاطب کے ذہن میں نہیں تھیں۔ یہ تمام برکت صالح علیہ السلام

کی صحبت کی تھی جیسے ہمارا عقیدہ ہے ؎ چوں باہل دل رسی جوہر شوی

ترجمہ:۔ جب تم اہل دل کے ہاں پہونچو گے۔ جوہر ہو جاؤ گے

قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا بِالَّذِيْٓ اٰمَنْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ۔ کہا ان لوگوں نے جو متکبر تھے کہ ہم تو اس کے ساتھ کفر کرنے والے ہیں۔ کفار نے جواب مطابق سے اعراض کیا وہ جواب ان کا پہلے یہ تھا کہ "انا بما ارسل بہ کافرون" اس لئے پہلے جواب میں ثابت ہوتا تھا کہ صالح علیہ السلام کا رسول ہونا مسلم نہیں اور نہ ہی ان کا رسول ہونا ہمیں معلوم ہے وہ تو صرف ان کا اپنا دعویٰ ہے اور تم بھی ان پر ایمان لائے ہو لیکن ہمیں ان کے رسول ہونے کا اقرار نہیں۔

فائدہ: اہل ایمان نے اپنے دعویٰ کو کفار کے کفر کی دلیل بنائی ؎

قسمت اپنی اپنی نصیب اپنا اپنا

فائدہ: اللہ تعالیٰ نے کافروں کی مذمت دو طریقوں سے فرمائی۔

(۱) استکبار یعنی اپنے آپ کو اپنی قدر و منزلت سے زائد ظاہر کرنا اور حق کا انکار کرنا۔

(۲) جو لوگ نبی علیہ السلام کی تعظیم و تکریم بجا لاتے ان کو بالکل ناکارہ آوارہ سمجھنا [۱]

فائدہ: آیت میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح فرمائی کہ وہ حق پر ثابت قدم ہیں اور باوجودیکہ دنیوی حیثیت سے کچھ نہیں تھے لیکن کفار کے سامنے جرات سے کام لیتے ہوئے کہہ دیا۔ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلَ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ ۷۷ پس انہوں نے اونٹنی کو قتل کر دیا۔

سوال: قتل تو صرف ایک نے کیا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اس گناہ میں شامل کر دیا اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: بوجہ ملابست کے [۲]

جواب ۲: چونکہ وہ اس قتل سے راضی تھے اس لئے جو کسی کے غلط فعل سے راضی ہو وہ بھی اس حکم میں شامل ہوتا ہے۔

قصہ اونٹنی کا مروی ہے کہ اونٹنی ایک دن چھوڑ کر دوسرے دن پانی پیتی تھی۔ جب اس کی باری ہوتی تو اپنا سر کنویں میں رکھتی اور اس وقت سر اٹھاتی جب کنویں کا پانی بالکل ختم ہو جاتا۔ پھر ٹانگیں

---

[۱]، [۲]: سابقہ صفحہ سے۔ [۱]: جیسے وہابی، دیوبندی و دیگر فرقے اہلسنت کو نبی کریم علیہ السلام کی تعظیم و تکریم کی وجہ سے جاہل اور بیوقوف اور ناکارہ آوارہ سمجھتے ہیں [۲]: اس قاعدہ کے تحت ہم نے کہا کہ نجدیوں وہابیوں دیوبندیوں قادیانیوں سے جو کفریہ کلمات صادر ہوئے ان پر جو لوگ مطلع ہو کر پھر بھی کہتے ہیں کہ وہ اچھے ہیں تو وہ بھی ان کے حکم میں ہیں۔

پھیلا دیتی۔ لوگ اس سے دودھ کے برتن بھر لیتے۔ جتنا چاہتے پھر اسے پیتے رہتے جو بچ جاتا اسے دوسرے دن کیلئے رکھ چھوڑتے اونٹنی کی موٹائی کی کیفیت اتنی وسیع تھی کہ کنویں کو جس راہ سے جاتی تو واپس اس راہ سے نہیں آ سکتی تھی پھر اسے پانی پینے کے بعد کنویں سے دوسرا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔

فائدہ: حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں قوم ثمود کے علاقہ میں گیا تو مجھے اونٹنی کا ایک راستہ جانے کا دکھایا گیا۔ جس کی پیمائش ساٹھ گز تھی۔ جس دن اونٹنی کے پانی پینے کی باری نہ ہوتی اس دن قوم ثمود کنویں سے پانی بھی لیتی اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتی اور دوسرے روز کے لئے پانی بھی بھر کر رکھ چھوڑتے۔

اُونٹنی کی دوسرے جانوروں پر ہیبت مروی ہے کہ اونٹنی گرمی سے وادی کے کنارے جاگزیں ہوتی تو قوم ثمود کے تمام جانور ڈر کے مارے بھاگ کر وادی کے اندرونی حصہ میں چلے جاتے۔ جب سردی پڑتی تو اونٹنی وادی کے اندرونی حصہ میں چلی جاتی تو ان کے جانور ڈر کر بھاگ کر وادی کے اوپر باہر سردی میں گزارتے یہ بات قوم ثمود کو ناگوار گزری۔

اُونٹنی کے قتل کا منصوبہ جب قوم ثمود اونٹنی کی مذکورہ کارروائی سے تنگ آگئے تو انہیں دو عورتوں عنیزہ ام غنم اور صدقہ بنت المختار نے اونٹنی کو قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔ بلکہ اس پر انہیں خوب اُبھارا۔ اس لئے کہ تمام برادری سے ان دونوں عورتوں کے جانور بہت زیادہ تھے۔ اور انہیں بہت زیادہ تکلیف ہوتی تھی۔

فائدہ: حضرت حدادی نے فرمایا کہ ثمود کی قوم میں ایک عورت صدوق نامی بڑی حسینہ و جمیلہ تھی اور مالدار بھی تھی۔ اونٹ گائے بکریاں بھی اس کی بہت زیادہ تھیں۔ اسے حضرت صالح علیہ السلام سے بھی سخت دشمنی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ کسی طرح ناقہ قتل کر دی جائے اس لئے اس نے اپنے چچا زاد کو بلایا۔ جس کا نام مصدع بن دہر تھا۔ اسے کہا کہ اگر اس اونٹنی کو قتل کر دو تو میں تیرے نکاح کو لوں گی اس نے کہا میں قتل کر دوں گا اس کے بعد اس عورت نے قدار بن سالف کو بلایا۔ وہ سرخ رنگ اور کا اور پستہ قد تھا۔ مشہور تھا کہ وہ ولد الزنا ہے اگرچہ وہ سالف کے نکاح میں پیدا ہوا۔ اس عورت نے قدار کو کہا کہ اگر تم اونٹنی کو قتل کر دو تو میری لڑکیوں میں سے جس سے چاہو نکاح کر دوں گی۔ وہ بھی قوم ثمود میں بہادر رہتا۔ اس نے بھی اس کام کی سرانجامی کا وعدہ کر لیا۔ ہر دونوں چل پڑے۔ قوم ثمود میں سے نو آدمی اپنے ساتھ اور ملا لئے اور اونٹنی کو قتل کرنے کیلئے چل نکلے۔

اونٹنی کے قتل سے قبل صالح علیہ السلام کو علم اس اثناء میں اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کے ہاں وحی بھیجی کہ اونٹنی کے قتل کے منصوبے ہو رہے

ہیں۔ آپ اپنی قوم کو سمجھائیں ۔ آپ نے قوم ثمود کو سارا ماجرا سنایا۔ لیکن ان سب نے انکار کردیا بلکہ قسمیں کھائیں کہ ہم ایسا ہرگز نہیں کریں گے ۔ لیکن آپس میں مشورہ کیا اور قسمیں کھائیں کہ اونٹنی اور صالح علیہ السلام کے گھر والوں پر رات کے وقت حملہ کریں گے اس کی صورت یہ ہے کہ ہم سفر کے لئے چلیں لوگ سمجھیں گے کہ وہ سفر کو چلے اور ہم جاکر کسی غار میں چھپ جائیں جب رات ہو گی تو اونٹنی کو قتل کر دیں گے اور پھر واپس غار میں چند روز چھپے رہیں گے چند دنوں کے بعد گھر واپس آئیں گے تو وہ ہمارے سے سوال کریں گے تو ہم قسم کھا کر کہہ دیں گے ہمیں اونٹنی کا کیا پتہ ہم تو سفر میں تھے ۔

اونٹنی کی کرامت

حضرت صالح علیہ السلام کی عادت مبارکہ تھی کہ وہ رات کو اپنے گاؤں میں آرام نہیں فرماتے بلکہ گاؤں سے باہر آپ کی ایک مسجد تھی وہاں چلے جاتے تھے اس مسجد کا نام بھی مسجد صالح تھا رات اس مسجد میں بسر کرکے صبح واپس گاؤں میں آجاتے اور ان لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے۔ پھر شام کو اسی مسجد میں واپس پہنچ جاتے ۔ ایک رات اس معمول کے مطابق دن کو بستی والوں کو نصیحت کرکے شام کو اپنی مسجد میں چلے گئے اور اونٹنی کے قاتل بھی اسی دن سفر کا عزم ظاہر کرکے بستی سے باہر نکل کر حسب مشورہ اسی غار میں چھپ گئے لیکن رات کے وقت غار ان پر گری تو وہ مر گئے ۔ صبح کو کفار میں سے کسی نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ چیخا اور شور مچایا کہ انہیں صالح علیہ السلام نے قتل کرایا ہے ۔ اس پر اب تمام کھلم کھلا اونٹنی کے قتل پر متفق ہو گئے ۔

صالح علیہ السلام کا دوسرا معجزہ

حضرت ابن اسحاق نے فرمایا کہ ان نو قاتلین ناقہ نے آپس میں مشورہ کیا کہ صالح علیہ السلام کو بھی قتل کر دینا چاہیے ۔ ان کے گھر چلیں اگر وہ سچے نبی ہیں تو ہمیں ان کے قتل کرنے پر قدرت نہیں ورنہ انہیں اونٹنی کے ساتھ مار مٹائیں ۔ یہ طے کرکے صالح علیہ السلام پر رات کو حملہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ کے دولت خانہ میں پہنچے تو فرشتوں نے انہیں پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

اُونٹنی کا قتل

ایک روایت میں ہے کہ قدار مصدع اور نو ساتھی اونٹنی کی تاک میں تھے کہ جب پانی سے نکلے گی تو دیکھی جائے گی چنانچہ جب وہ نکلی تو مصدع ایک پتھر کی اُوٹ میں بیٹھا تھا اونٹنی وہاں سے گزری۔ مصدع نے تیر مارا تو اس کی پنڈلی پر لگا۔ اس پر قدار نے تلوار سے اس پنڈلی کو کاٹا جس سے اونٹنی گر پڑی اور وہ بلبلاتی تھی کہ پھر قدار نے تلوار کا دوسرا وار اونٹنی کے گلے پر کرکے اسے ذبح کر دیا شہر والے کافروں کو معلوم ہوا کہ اونٹنی ماری گئی تو آکر گوشت تقسیم کر کے لے گئے ۔ جب اونٹنی کے نوزائیدہ بچے نے یہ کیفیت دیکھی تو وہ ایک پہاڑی پر چڑھا۔ اس پہاڑی کا نام تھا "قارہ" وہاں تین بار بلبلایا اور اس کے ماں کی مفارقت سے آنکھوں سے آنسو جاری تھے ۔ اس طرح روتا ہوا اسی پتھر کے قریب آیا جہاں سے اونٹنی پیدا کی گئی تھی چنانچہ اس پتھر نے منہ کھولا تو وہ اس پتھر میں چلا گیا۔ پھر اس پتھر نے اپنا منہ بند کر لیا ۔

فَعَقَرُوا النَّاقَةَ کا یہی مطلب ہے جو مذکور ہوا وَعَتَوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّهِمْ اور اپنے رب کریم کے امر سے منہ موڑا۔ جو صالح علیہ السلام نے انہیں اللہ تعالیٰ کا امر سنایا کہ فذروھا اور نہی سنائی کہ وَلَا تَمَسُّوهَا اور اللہ تعالیٰ کے امر سے سرکشی کی یعنی امر ان کے لئے مشروع فرمایا اور فرمایا یہی تمہارا دین ہے اسی پہ چلو لیکن انہوں نے مخالفت کی۔ یا یہ معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے امر کے مقابلہ میں ان سے سرکشی صادر ہوئی گویا اللہ تعالیٰ نے امر فرمایا کہ اونٹنی کو آزاد چھوڑے رکھنا۔ یہی مخالفت ان کی سرکشی کا سبب بنی۔ اس سے وہ نجات نہ پا سکے۔ یہ وہی محاورہ ہے جو دوسرے مقام پر فرمایا: وَمَا فعلته عن امری (کذا فی الکشاف)

وَقَالُوْا۔ صالح علیہ السلام کو مخاطب ہوئے یا یعنی کہ جو بات ہم انہیں کہیں گے وہ پوری نہیں کر سکیں گے اس طرح سے وہ آئندہ ہم سے لاجواب ہو کر رہیں گے۔ کہا یٰصٰلِحُ ائْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا۔ اے صالح لائیے وہ عذاب جو ہمیں اونٹنی کی وجہ سے آپ ہمیں ڈراتے تھے۔

اِنْ كُنْتَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ۔ اگر آپ رسولوں سے ہیں یعنی آپ بھی منجملہ رسل کرام علیہم السلام سے ہیں تو وہ وعدہ وعید سناتے اور پھر لا کر کھاتے تو تم بھی اپنی صداقت پر کچھ کر کے دکھلائیے۔

۷۸ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ پس انہیں سخت سے سخت جھٹکے نے پکڑ لیا۔ یہ ان کے مذکورہ بیان کے فوراً بعد کو نہ ہوا۔ بلکہ اس کے بعد بھی کچھ وقفہ دیا گیا اور پھر تین دن انہیں عذاب کے مبادی نظر آتے رہے۔ چنانچہ اس زلزلہ کے واقعہ میں بیان ہو گا اس کے بعد پھر اُن پر زلزلہ آیا۔

سوال: کسی جگہ پر ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ کہا گیا اور کہیں ان کے لئے فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ اور کسی جگہ پر فَاُهْلِكُوْا بِالطَّاغِيَةِ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب: اس میں تناقص نہیں اس لئے کہ انہیں مختلف کیفیات سے عذاب دیا گیا۔ مثلاً رجفۃ صیحۃ پر مرتب ہوا اس لئے کہ جب صبح کو اٹھے تو دلوں میں ایسی تھرتھراہٹ پیدا ہوئی کہ اس سے ہی مرگئے اور یہ بھی ہے کہ ہر دونوں کے حملے پر مرے۔

فائدہ: حدادی نے فرمایا کہ پہلے انہیں زلزلے نے گھیرا پھر جبریل علیہ السلام کی چیخ سے سب مرگئے۔

فائدہ: تفسیر فارسی میں ہے کہ جب اونٹنی ماری گئی تو صبح صادق کے بعد زلزلے شروع ہو گئے۔ بالطاغیہ میں بادسیہ ہے اور طاغیۃ بمعنی طغیان ہے اور اس میں عاقبۃ میں علامۃ کی طرح تا مبالغہ کی ہے اب معنیٰ یہ ہوا کہ وہ اپنی سرکشی کے سبب تباہ و برباد ہوئے۔

فَاَصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ۔ پس وہ اپنی زمینوں اور اپنے شہروں یا اپنے گھروں میں ہوئے جٰثِمِيْنَ اوندھے پڑے ہوئے یعنی موت کے گھیرے میں آکر مٹے پڑے تھے کہ ان میں کسی قسم کی حس و حرکت نہ تھی

حل لغات جثوم یعنی ابروک (گھٹنے بل پڑنا) سے مثلاً کہا جاتا ہے " الناس جثوم " یعنی لوگ ایسے بیٹھے ہیں کہ گویا انہیں کوئی حس وحرکت نہیں۔

فائدہ : ابو عبیدہ نے فرمایا کہ الجثوم انسانوں اور پرندوں کے لئے اور ابروک اونٹوں کے لئے بولا جاتا ہے آیت کا مطلب یہ ہے کہ عذاب کی ابتداء میں وہ اسی طرح ہوئے۔ جیسے عادتاً موت کے وقت ہوتا ہے کہ جب اُن سے روحیں خارج ہوئیں تو انہیں کسی قسم کی حس وحرکت نہ تھی ظاہر ہے کہ اس میں ان پر سخت گرفت اور زود تر عذاب میں مبتلا کرنے کا بیان ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا بِکَ نَعُوْذُ مِنْ نُزُوْلِ سخطک وحلول غضبک (اٰمین)

سوال : جب ان کے لئے رجفہ میں مبتلا کیا تھا تو ان کے لئے دار کو واحد اور جب صیحۃ کا ذکر فرمایا تو صیحۃ جمع کا لایا گیا۔ اس کی کیا وجہ ہے۔

جواب : چونکہ صیحۃ آسمان پر ہوا اس کا ظہور وبلوغ زلزلہ سے زائد تھا۔ اس لئے اس کے لئے جمع اور رجفہ کے لئے واحد لانا مناسب تھا۔

صالح علیہ السلام کو ناقہ کے قتل کی اطلاع

مروی ہے کہ صالح علیہ السلام کو مطلع کرنے سے پہلے اونٹنی کے قتل کے وقت اس کا نوزائیدہ بچہ پہاڑ کی طرف بھاگا اور وہاں تین بار بلبلایا اور صالح علیہ السلام کو اطلاع کی گئی تو آپ نے فرمایا اُس کے بچے کو قابو کرلو۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اُن سے عذاب اٹھالے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ بچہ پہاڑی سے اُتر کر بلبلانے کے بعد پتھر میں گھس گیا۔ صالح علیہ السلام نے فرمایا کہ اونٹنی کے بچے کے تین بار بلبلانے میں یہ حکمت ہے کہ ہر ایک بلبلانے پر تین روز کی مہلت ہے اب تم اپنے گھروں میں صرف تین روز بسر کرسکتے ہو اس کے بعد کوئی مہلت نہیں اور یہ ہماری آخری بات ہے۔

ف : صالح علیہ السلام کی باغی قوم نے اونٹنی کو بدھ کے دن قتل کیا تو انہیں صالح علیہ السلام نے فرمایا اب تم عذاب کے لئے تیار ہوجاؤ۔

صالح علیہ السلام کا علم مافی الغد

صالح علیہ السلام نے جب باغیوں کو عذاب کی خبر سنائی تو انہوں نے کہا اس کی کوئی نشانی آپ نے فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھوگے تو تمہارے چہرے زرد ہوں گے جب جمعہ کو اٹھوگے تو تمہارے چہرے سرخ ہوں گے ہفتہ کے دن صبح کو تمہارے چہرے کالے سیاہ ہوں گے اتوار کے دن صبح سویرے تمہیں عذاب گھیرے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ جیسے صالح علیہ السلام نے انہیں فرمایا کہ خمیس کے دن صبح کو اٹھے تو ایسے سخت زرد تھے کہ گویا ان کے چہروں پر زعفران مل دیا گیا سب چھوٹے بڑے مردوں اور عورتوں کی یہی کیفیت تھی۔ سب نے یقین کرلیا کہ واقعی صالح علیہ السلام نے سچ کہا

پھر مشورہ کیا کہ انہیں تلاش کر کے قتل کر دو۔ لیکن آپ نے ان سے علیحدگی اختیار کر لی اور ایسی جگہ چھپ گئے کہ بسیار تلاش کے باوجود آپ انہیں نہ مل سکے لیکن انہوں نے آپ کے ساتھیوں کو ستانا شروع کر دیا اور کہا بتاؤ ورنہ ہم تمہیں سخت سزا دیں گے۔ لیکن جب جمعہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سرخ ہو گئے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ گویا ان کے چہروں کو خون سے تر بتر کیا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر بیٹھے چلائے اور سخت روئے اور یقین کیا کہ اب عذاب ہمارے قریب آگیا اور جمعہ کا دن ایک دوسرے کے چہرون کے حالات سننے سنانے میں گزار دیا جب ہفتہ کا دن ہوا تو ان کے چہرے سخت سیاہ کالے ہو گئے گویا اُن کے چہروں پر تارکول مل دیا گیا ہے اور ان پر نیل چھڑکا گیا ہے یہ حالت دیکھ کر سخت روئے اور کہتے ہائے عذاب آگیا۔

حضرت صالح علیہ السلام کی ہجرت

اتوار کی رات حضرت صالح علیہ السلام اُن کے ہاں تشریف لائے اور اپنے ماننے والے کو لے کر شام کے ملک کو ہجرت کر گئے شام کے ملک میں پہنچ کر آپ فلسطین میں اُترے۔

عذاب کے نزول کی کیفیّت

صالح علیہ السلام کے چلے جانے کے بعد باغی قوم نے دن چڑھے مصبر۔ دوائی کی دھونی لگائی تا کہ اس کی کڑواہٹ سے درندے ان کے قریب نہ آئیں اور کفن پہن کر زمین پر پڑے رہے۔ کبھی آسمان کو دیکھتے اور کبھی زمین پر کہ نا معلوم عذاب کہاں سے آئے چنانچہ آسمان سے ایک کڑک اٹھی۔ جسمیں کئی قسم کی آوازیں تھیں اور سخت ڈراؤنی اور زمین سے زلزلہ اُٹھا کہ ان کی جان لبوں پر آگئی اور اس سے ان کا ہر چھوٹا بڑا تباہ و برباد ہوا۔

سوال : ایسی تکالیف اور عذاب دیکھ کر کونسا ضدی ہے کہ وہ ایمان پر مجبور نہ ہو جائے۔ جب انہوں نے یہ کوائف پہلے دیکھے تھے تو لازماً ایمان قبول کرنے پر مجبور ہو گئے ہوں گے۔ اب بھی کفر پر ڈٹے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

جواب : جب انہوں نے عذاب کو آنکھوں سے دیکھ لیا تو اب وہ مکلف نہ رہے اس لئے اس وقت کا ایمان قابلِ قبول نہ رہا۔

۷۹ فَتَوَلّٰى عَنْهُمْ جب صالح علیہ السلام نے ان کے عذاب کے علامات دیکھے تو اُن پر حسرت کرتے ہوئے وہاں سے تشریف لے گئے اور آپ کو اس کا بڑا صدمہ اور رنج بھی تھا کہ باوجودیکہ بڑی جدوجہد کی گئی اور انہیں سمجھایا گیا لیکن نہ مانے۔ وَقَالَ يٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ اور فرمایا اے میری قوم بیشک میں نے تمہیں اپنے رب تعالیٰ کی رسالت پہنچائی۔ یعنی وہ پیغامات کہ جن کے پہنچانے پر میں مامور تھا میں نے تمہیں پہنچا دیئے۔ وَنَصَحْتُ لَكُمْ اور تبلیغ احکام کے وقت میں نے ترغیب و ترہیب کے طور تمہارا

بھلا چاہا اور اپنے طاقت کے مطابق جدوجہد کی۔ وَلٰکِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ ۔ لیکن تم خیرخواہوں سے محبت نہیں کرتے۔ مضارع کا صیغہ حکایت حال ماضی کے لئے ہے۔ یعنی میرا حال تم نے دیکھ لیا لیکن تمہارا حال یہ ہے کہ تم اپنے خیرخواہ سے اُلٹا ٹھٹھا مذاق کرتے ہو وہ اس لئے کہ ناصح کا قول ثقیل اور کڑوا ہوتا ہے اور الحق مر (حق کڑوا) بھی مشہور مثال ہے ان ہی باتوں سے لوگ ناصح کے ساتھ بغض رکھتے ہیں کسی شاعر نے کہا ہے

وکم سقت فی آثارکم من نصیحۃ

قد یستفید البغضۃ المتنفسح

ترجمہ: میں نے تمہاری خیرخواہی (نصیحت) میں کوئی کسر نہیں چھوڑی لیکن نصیحت کرنے والے کو سوائے بغض وعداوت کے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔

نکتہ صوفیانہ: چونکہ ان کے نفس کی زمین خبیث تھی اس لئے اپنی خباثت سے صالح علیہ السلام کی نصیحت کے بیج کو قبول نہ کیا اور نہ ہی اس سے کچھ نتیجہ برآمد ہوا۔

قوم ثمود پر ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثمود کے علاقہ حجر سے بموقعہ غزوۂ تبوک گزرے تو آپ نے اپنے یاروں سے فرمایا خبردار! تم میں کوئی بھی اس بستی پہ نہ جائے اور نہ ہی وہاں کے کنوئیں سے پانی پیئے اور نہ ہی کوئی ان کے گھروں میں داخل ہو۔ ہاں وہاں سے روتے ہوئے گذرو کہ کہیں تم بھی ان کی طرح کسی عذاب میں مبتلا نہ ہو جاؤ اور فرمایا تمہیں چاہیے کہ تم بھی اپنے رسول سے کسی قسم کا معجزہ طلب نہ کرنا۔ دیکھئے انہوں نے اپنے نبی صالح علیہ السلام سے معجزہ کا مطالبہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایک اونٹنی بھیجی جو ایک راہ سے جاتی اور دوسرے راہ سے نکلتی اور ان کا تمام پانی پی جاتی۔ جب اس کی باری ہوتی اس کے بعد آپ نے اپنے یاروں کو اونٹنی کے نیچے کے پہاڑی پر چڑھنے کی جگہ دکھائی۔ اس کے بعد اس وادی سے جلدی چل دیئے یہاں تک کہ اس وادی کو نہایت تیزی سے عبور فرما لیا۔

حدیث شریف: حضور نبی اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی عنہ سے فرمایا کہ اے علی! (رضی اللہ عنہ) تمہیں معلوم ہے کہ پہلے لوگوں میں سے سب سے زیادہ بدبخت کون تھا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کی مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا وہ کمینہ جس نے صالح علیہ السلام کی اونٹنی کو قتل کیا پھر فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ پچھلے لوگوں میں سب سے زیادہ بدبخت کون ہوگا۔ انہوں نے عرض کی واللہ اعلم۔ آپ نے فرمایا اے علی (رضی اللہ عنہ) تیرا قاتل پچھلے تمام لوگوں سے بدترین انسان ہوگا

مثنوی شریف میں ہے ؎

ناقۂ صالح بصورت بد شتر
پی بریدندش ز جہل آن قوم مُر

ناقۃ اللہ آب خورد از جوی میغ
آب حق را داشتند از حق دریغ

شحنۂ قہرِ خدا زیشان بجست
خونبہای اشتری شہری درست

صالح از خلوت بسوی شہر رفت
شہر دید اندر میان دود وتفت

زاستخوانہاشان شنید او نالہا
اشک خوں از جان شاں چون ژالہا

صالح آں بشنید و گریہ ساز کرد
نوحہ بر نوحہ کناں آغاز کرد

گفت ای قومی بباطل زیستہ
وز شما من پیش حق بگریستہ

حق بگفتہ صبر کن بر جورشان
پند شاں دہ بس نماند از دورشاں

مَن بگفتہ پند شد بند از جفا
شیر پند از مہر جوشد وز صفا

بس کہ کردید از جفا بر جای من
شیر پند افسرد در رگہائے من

حق مرا گفتہ ترا لطفی دہم
بر سر آن زخمہا مرہم نہم

صاف کردہ حق دلم را چوں سما
روفتہ از خاطرم جَور شما

در نصیحت من شده بار دگر
گفت امثال سخنہا چوں شکر

شیر تازہ از شکر انگیختہ
شیر شہدی با سخن آمیختہ

در شما چوں زہر گشتہ آں سخن
زانکہ زہرستان بدید از بیخ وبن

چوں شوم غمگیں کہ غم شد سرنگوں
غم شما بودید ای قوم حروں

ہیچ کس بر مرگ غم نوحہ کند
ریش سر چوں شد کسی مو برکند

خلاصہ اشعار مثنوی حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی اونٹ جیسی تھی لیکن ظالم قوم نے انہیں قتل کرڈالا حالانکہ وہ اونٹنی تو آسمانی پانی پیتی تھی یہی بد بخت تھے جو اسے روکتے پر ان قہر خداوندی برسا تو سارے کے سارے تباہ و برباد ہوگئے صالح علیہ السلام ان کے شہر سے گذرے تو وہاں سے دھواں نکل رہا تھا ان کی ہڈیوں سے آواز آتی تھی اور ژالہ باری کی طرح گویا آنسو بہہ رہے تھے صالح علیہ السلام نے سن کر خوب روئے پھر قوم (مردہ) کو مخاطب ہوئے کہ مجھے تم نے ایسے رلایا تو مجھے اللہ نے فرمایا اے صالح صبر کر لیکن انہیں نصیحت کرتے رہو۔ میں نے خوب نصیحت کی تم نہ ملنے مجھے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہارے زخموں پر مرہم رکھوں گا اور سارا دکھ درد دور کردوں گا۔ بالآخر وہی ہوا کہ آج تم عذاب کی مار کھا رہے ہو اور مجھے اللہ نے آرام و سکون بخشا ہے۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں صالح سے مراد روح ہے جسے نفخۂ حق دیکر بلدۂ قلب اور اس کے ساکنین کی طرف بھیجا گیا تاکہ وہ انہیں اوصاف ردیہ سفلیہ ظلمانیہ حیوانیہ سے اخلاق حمیدہ علویہ نورانیہ روحانیہ کی دے لیکن نفس اور اس کی صفات نے سر الہٰی کی ناقہ قلب کو مخالفت حق اور استکبار کی چھری سے ذبح کرڈالا اور توحید و معرفت کے امر الہٰی سے روگردانی کرکے ہلاکت کے گڑھے میں پڑے۔ اسی طرح جہل انکار کی وادی میں رہے۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ ان امور سے محفوظ رکھے جو روح کو نقصان دہ اور فتوح سے مانع ہیں

تفسیر عالمانہ ۞ وَلُوطًا اور ہم نے لوط علیہ السلام کو بھیجا۔

لوط علیہ السلام کا نسب نامہ لوط علیہ السلام بن ہاران بن تارخ حضرت لوط حضرت ابراہیم علیہ السلام

کے بھتیجے تھے اور عراق میں بابل کے علاقہ کے باشی تھے۔ جنہوں نے اپنے چچا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ ہجرت کی اور شام کو چلے گئے اور اردن میں مقیم ہو گئے۔ یہ بھی ملک شام کے علاقے کا نام ہے۔ پھر انہیں اللہ تعالیٰ نے بلدہ حمص کے علاقہ سدوم کا رسول بنا کر بھیجا۔

ف: تفسیر فارسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو پیغمبری عطا کر کے اہل موتفکات کی طرف بھیجا اُن کے پانچ شہر تھے

(۱) سدوم : یہ تمام شہروں سے بڑا تھا۔
۲ : عامہ
۳ : درود
۴ : صالبورہ
۵ : صفور۔

منقول ہے کہ ان شہروں میں بارہ بارہ ہزار آدمی مقیم تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام نے سدوم میں مقیم ہو کر ان تمام بندگانِ خدا کو دعوتِ حق پیش فرمائی اور بیس سال تک انہیں وعظ فرمایا اور ہر نیکی کی ترغیب دی ان میں بہت سی خرابیاں تھیں زیادہ مشہور لواطت تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ اپنی قوم یعنی سدوم وغیرہ کے باشیوں سے فرمایا۔ اذ ظرفیہ ہے اور اَرْسَلْنَا محذوف کے متعلق ہے یعنی ہم نے لوط علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف بھیجا۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا۔

سوال: ان کا رسول ہونا تو اس قول سے پہلے ہونا چاہیے نہ یہ کہ جب قوم کو کہا تو اس وقت رسول بن گئے جیسا کہ اذ ظرفیہ سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب: یہاں مجاز سے جیسے تم کہتے ہو۔ زید فی ارض الدوم۔ اور قاعدہ ہے کہ ظروف کے کسی جزء میں فعل کا وقوع ہو تو وہاں کل بول کر جزء مراد لیا جاتا ہے۔

اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ ۔ کیا تم فاحشہ کا ارتکاب کرتے ہو۔ یہ استفہام انکاری ہے اور ظاہر کرنا مطلوب ہے کہ یہ فعل جو حد درجہ کا قبیح ہے۔ تم اس کے مرتکب ہوتے ہو۔ یعنی لواطت جو کہ ایک گندا فعل ہے تم وہی کرتے ہو۔ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا تم سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا۔ یہ با تعدیہ کی ہے۔ جیسے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادِ گرامی " سبقک بہا عکاشۃ یا اہل عرب کہتے ہیں سبقتہ بالکرۃ یعنی میں کرہ (گیند) اس سے پہلے مارا" میں با تعدیہ کی ہے۔ مِنْ اَحَدٍ من زائدہ نفی کی تاکید کے لئے اور استغراق کا فائدہ دیتی ہے۔ مِّنَ الْعٰلَمِیْنَ یہ من تبعیضیہ ہے۔ یہ جملہ مستانفہ نحویہ ہے۔ یعنی یہ برا کام تم نے ہی شروع کیا ہے۔ اسے انکار سابق کی تاکید کے لئے لایا گیا ہے گویا پہلے انہیں اس برائی پر زجر و توبیخ

فرمائی ۔ اس کے بعد مزید جھڑکا کہ تم نے ہی یہ برائی شروع کی ہے ۔
۸۱ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ یہ اس فاحشہ کا بیان ہے ۔
ف : حضرت نافع وحفص نے انکم بطریق مبتدار کے پڑھا ہے باقی آئمہ نے ائنکم الخ استفہام کے طور اتی یہ عربی جملہ ہے یہ اس وقت بولتے ہیں ۔ جب کوئی اپنی عورت سے ہمبستری کرے یعنی بے شک تم مردوں سے برائی (لواطت) کرتے ہو ۔

سوال : یہاں الغلمان یا المردان (یعنی چھوٹے لڑکے اور بے ریش) کا لفظ لانا تھا ۔ الرجال لانا تو موزوں نہیں اس لئے الرجال بڑے مردوں سے لواطت نہیں کی جاتی ۔
جواب : اس کی قباحت کے اظہار میں مبالغہ مقصود ہے کہ جیسے بڑے مردوں سے ایسی برائی لائق نہیں تو چھوٹے لڑکوں سے مناسب نہیں ۔ بلکہ یہ سخت گندا عمل ہے گویا اس سے بھی مزید توبیخ مطلوب ہے ۔ شَهْوَةً یہ مفعول لہٗ ہے اس سے مقید کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ فعل تمہارا جانوروں کی مثل ہے اور تنبیہ مطلوب ہے کہ سمجھدار کا کام یہ ہے کہ وہ طالب اولاد ہو اور بقاء نوع انسانی اس کی اصل غرض ہو نہ کہ شہوت رانی جو صرف جانوروں کا کام ہے ۔ اب تم سمجھو کہ اس گندے فعل سے تمہارا شمار کس گروہ میں ہے مِنْ دُوْنِ النِّسَاۗءِ عورتوں سے متجاوز ہو کر جب صرف وہی تمہارے لئے مباح رکھی گئی ہے ۔ بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ ۔ بلکہ تم حد سے بڑھنے والے لوگ ہو ۔ انکار مذکور سے اعراض کر کے اب ان کے اصلی حال کو بتایا گیا ہے کہ جو لوگ ایسے فعل کا ارتکاب کرتے ہیں وہی حد سے بڑھنے والے ہوتے ہیں اور ہر فعل میں ان کی اسراف کی عادت تھی اور حد سے متجاوز ہو جاتے تھے منجملہ ان کے یہ فعل لواطت بھی تھا کہ اسمیں اسراف اور تجاوز عن الحد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شہوت رانی کی ایک حد مقرر فرمادی ۔ لیکن وہ اس حد سے متجاوز ہو کر مسرفین میں داخل ہو گئے ۸۲ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهٖٓ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا یہ استثناء مفرغ ہے ۔ دراصل عبارت یوں تھی ۔ مَا كَانَ جَوَابًا مِنْ جِهَةِ قَوْمِهٖ شَیْءٌ مِنَ الْاَشْیَاءِ اِلَّا قَوْلُ لَهُمْ لِبَعْضٍ یعنی ان کا اور کوئی جواب نہ تھا سوائے اس کے کہ اس کے بعض نے بعض کو کہا ۔

اَخْرِجُوْهُمْ لوط علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کو نکال دو مِنْ قَرْيَتِكُمْ اپنی اس بستی سے جب کہ ان کے ہاں لوط علیہ السلام کے دلائل کا جواب نہ بن پڑا اور نہ ہی ان کے مواعظ ونصائح کے مطابق پورے اتر سکے تو لڑائی پر اتر آئے اور وہی بکواس کی جو اوپر مذکور ہوئی ۔ لیکن لوط علیہ السلام کی ابتدائی تبلیغ سے نہیں بلکہ آخر میں بہت عذاب کے وقوع کا وقت قریب آ گیا ۔ چنانچہ کلام کے سیاق وسباق سے معلوم ہوتا ہے ہاں اس سے قبل جب لوط علیہ السلام انہیں نصائح ومواعظ سناتے تو اور طریقے کے بکواسات بکتے

اور دیگر قسم کی بد گوئی سے پیش آتے۔ لیکن بکواس مذکورہ آخری تھی۔ چنانچہ جہاں بھی قرآنِ کریم میں اُن کا قصہ بیان ہوا ہے آخر میں یہی قول منقول ہے۔ اس سے اس معاملہ کو اسی حکم میں حصر کیا جائے تو بجا ہے۔

ف : مِنْ قَرْيَتِكُمْ سے ان کا بلدہ شہر مراد ہے اس لئے کہ اہلِ عرب کی عادت ہے کہ بہت بڑے شہر کو قریہ کہہ دیتے ہیں اور اس شہر سے سدوم مراد ہے جہاں لوط علیہ السلام سکونت پذیر تھے۔ اِنَّهُمْ اُنَاسٌ يَتَطَهَّرُوْنَ ۔ بے شک یہ ایسے ہیں کہ ہمارے افعال کو قبیح جان کر اس سے بچنا چاہتے ہیں یعنی ایسے پاکباز لوگوں کو اپنے شہر سے نکال دو۔ یہ انہوں نے حضرت لوط علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں سے استہزاءً کہا تھا ۸۳ فَاَنْجَيْنٰهُ پس ہم نے لوط علیہ السلام وَاَهْلَهٗ اور ان کے اہل وعیال کو نجات دی۔ اہل سے ان کی دونوں صاحبزادیاں رعوز اور ریثا اور باقی آپ کے تمام ساتھی مراد ہیں (رحمہم اللہ)۔

رَدِ شیعہ[1] اس سے معلوم ہوا کہ لفظ اہل کا اطلاق ازواج اولاد بلکہ نوکر اور نوکرانیوں اور تمام رشتہ داروں اور تمام دوستوں اور جمیع متعلقین پر ہوتا ہے اور اصطلاح میں تمام وہ لوگ (مخصوص) جو صرف اس کی طرف منسوب ہوتے ہیں[2] اِلَّا امْرَاَتَهٗ (زوجہ) مگر لوط علیہ السلام کی اہلیہ کو وہ اندرونی طور کافرہ تھی بلکہ اُلٹا کفار کو لوط علیہ السلام کے خلاف بھڑکاتی تھی استثناء من اہلہ سے ہے كَانَتْ مِنَ الْغٰبِرِيْنَ ۔ یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے والوں میں سے تھی یہ استیناف بیانی ہے اور مقدر کا جواب ہے۔ گویا سوال ہوا کہ لوط علیہ السلام کا کیا ہوا تو اس کے جواب میں فرمایا كانت من الغٰبرين یعنی وہ ہلاک ہونے والوں کے ساتھ اپنے گھروں میں رہ جانے سے تھی۔ یہ الغبور سے ہے معنی بماندن یعنی رہ جانا۔

سوال : ۔ مِنَ الغٰبرات کہنا چاہیے تھا من الغٰبرين کیوں کہا گیا ہے۔

جواب[1] : اگرچہ ان رہ جانے والوں میں مرد اور عورتیں ہر طرح کے لوگ تھے لیکن تغلیباً مردوں کا نام لیا گیا۔

جواب[2] : یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ اس لئے من الغٰبرين کے عموم میں داخل ہے۔

۸۴ وَاَمْطَرْنَا اور ہم نے برسایا عَلَيْهِمْ قوم لوط کے کافروں پر مَّطَرًا ایک قسم کی عجیب بارش یہ پتھر تھے یعنی ہم نے ان پر بارش کی طرح پتھر برسائے۔ فَانْظُرْ پس دیکھئے یہ خطاب ہر دیکھنے اور تامل کرنے والے کو ہے تاکہ ان کا عجیب حال کو دیکھ کر غور وفکر کیا جا سکے اور ان کے اعمال معلوم کر کے غلطیوں سے بچنے کی کوشش

---

[1] جب کہ شیعہ اہل بیت کا لفظ صرف پنجتن پاک پر محصور کرتے ہیں اور ہم حضور علیہ السلام کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت مانتے ہیں [2] اس سے صرف ازواج ہی اہل بیت ہی ہو سکتے۔ لیکن ہم نے دوسرے حضرات کو بھی مانا ان کے لئے مجازاً اہل بیت ہو گا اور ازواج مطہرات کا اطلاق حقیقتہً ہو گا۔

کی جائے۔

کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُجْرِمِیْنَ کیسا انجام ہوا مجرموں کا۔ یعنی تکذیب کرنے والے کافروں کے انجام پر غور کیجئے کہ انہیں بدکرداریوں پر سزا ملی

لواطت کا آغاز کیسے ہوا

مروی ہے کہ شام کے علاقوں میں سدوم و دیگر اس کے متعلق علاقے بہت بڑے سرسبز تھے ہر قسم کے اناج اور سبزیاں ترکاریاں یہاں دستیاب ہوتی تھیں۔ اطراف واکناف کے لوگ یہاں آنے لگے اور اتنے کثیر التعداد لوگ اطراف واکناف سے آئے کہ یہ لوگ اُن سے تنگ آگئے اور چاہتے کہ ان سے کسی طرح سے نجات میسر ہو کوئی چارہ کار نظر نہ آتا۔ ابلیس ایک بوڑھے کی شکل میں ان کے ہاں پہنچا اور کہا کہ اگر ان سے نجات چاہتے ہو تو ان سے لواطت کرو۔ جب لوگ ایسی گندی عادت سنیں گے تو پھر تمہارے ہاں نہیں آئیں گے پہلے تو اس گندے فعل سے نفرت کا اظہار کیا لیکن بہت زیادہ تنگ ہوئے تو باہر سے آنے والوں سے لواطت شروع کردی ان میں بہت بڑے حسین وجمیل بے ریش لڑکے انہیں میسر ہوئے تو ایسا چسکا پڑ گیا کہ عورتوں سے نکاح بھی ترک کردیا صرف ان میں غریب لوگ عورتوں سے نکاح کرتے تھے باقی سب کے سب لواطت کی بیماری میں مبتلا ہو گئے۔

سب سے پہلے لواطت کرنیوالا کون

کلبی نے کہا کہ سب سے پہلے لواطت ابلیس[1] نے کرائی۔ وہ اس طرح کہ قوم لوط کے سامنے حسین وجمیل بے ریش لڑکے کی شکل میں حاضر ہو کر اس گندے فعل کی انہیں دعوت دی ان کو اس کا چسکا پڑ گیا۔ اس کے بعد جو بے ریش لڑکا انہیں مل جاتا اس سے بدفعلی کرتے۔ خلاصہ یہ کہ ایک طرف تو انہوں نے شہوۃ رانی کی۔ دوسری طرف انہیں باہر سے آنے والے لوگوں سے نجات ملی۔ اس بدفعلی پر انہیں بہت بڑا عرصہ گزرا۔

لواطت کی مذمت

لواطت کی بدعملی سے زمین وآسمان اور عرش فریادی ہوئے

ان کی بدفعلی کو دیکھ کر زمین چیخی۔ جس کی چیخ وپکار آسمان نے سنی وہ چیخا تو اس کی چیخ عرش پہ پہنچی۔ عرش نے ان بدعملوں کی کہانی بارگاہ میں پیش کردی۔ اللہ تعالیٰ نے آسمان کو حکم فرمایا کہ ان پہ پتھر برسائے اور زمین کو فرمایا کہ انہیں اپنے اندر دھنسادے۔ پھر اُن پہ پتھر برسائے گئے۔ اس کے

---

[1] اس سے بے ریش عبرت پکڑیں کہ وہ از خود یا کسی کے ورغلانے سے فعل کراتے ہیں تو وہ سمجھیں کہ وہ اس بدعمل سے کس کے پیروکار ہیں۔۱۲۔

بعد انہیں زمین میں دھنسایا گیا۔ بعض کہتے ہیں کہ جو گھروں میں تھے انہیں زمین میں دھنسایا گیا اور جو سفر میں تھے ان پر پتھر برسائے گئے

اعجوبہ مروی ہے کہ ایک تاجر انہیں سے حرم شریف کو تجارت کے لئے چلا گیا تھا۔ چالیس روز تک وہ پتھر اس کا منتظر رہا۔ جب وہ حرم سے باہر نکلا تو اسے پتھر نے فنا کر دیا۔

نکتہ: آیت سے واضح ہوا کہ لواطت بہت ہی گندا فعل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی بھی بڑے سے بڑے گناہ پر پتھر نہیں برسائے سوائے اس لواطت کے۔ دیکھئے۔ زنا چوری والدین کی بے فرمانی قتل ناحق اسی طرح دیگر بہت بڑے کبیرہ گناہ یہاں تک کہ شرک بھی۔ مگر لواطت کوئی ایسا قبیح ترین فعل ہے کہ صرف اس کے ارتکاب سے پتھر برسے۔

خنزیر اور گدھا لوطی ا۔ جانوروں میں کوئی بھی جانور لواطت کا ارتکاب نہیں کرتا سوائے خنزیر اور گدھے کے۔

مسئلہ: لواطت بہت ہی بُرا فعل ہے اس سے بلکہ اس کے مبادی یعنی بے ریش لڑکے کے بوس و کنار اور شہوت سے ہاتھ لگانے سے بھی بچنا لازم ہے۔

بے ریش کو بوسہ دینے کے گناہ کا ایک نمونہ حضرت امام فرماتے ہیں کہ جس نے بے ریش کو شہوت سے بوسہ دیا اس نے گویا اپنی ماں کے ساتھ ستر بار زنا کیا اور جس نے ماں سے زنا کیا اس نے گویا ایک کنواری (باکرہ) لڑکی سے ستر بار زنا۔ اور جس نے باکرہ کنواری لڑکی سے زنا کیا اس نے دوسری ایک ہزار عورت سے زنا کیا۔

لواطت سے بچنے کا علاج بے ریش لڑکے کو شہوت سے دیکھنا ہی اس مرض کی بنیاد ہے اس لئے کہ اسے دیکھنے کے بعد بچنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اس لئے شریعت نے بے ریش لڑکے سے میل جول ناجائز قرار دیا ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا ؎

۱۔ خرابت کند شاہد خانہ کن
بر و خانہ آباد گرداں بزن

۲۔ نشاید ہوس باختن با گلے
کہ ہر بامدادش بود بلبلے

۳۔ مکن بد بفرزند مردم نگاہ
کہ فرزند خویشت بر آید تباہ

۴۔ چرا طفل یک روزہ ہوشش نبرد
کہ در صنع دیدن چہ بالغ چہ خرد

۵ محقق ہمی بیند اندر ابل
کہ در خوبرویان چین و چگل

ترجمہ ۱: تجھے یہ بے ریش (حسین) خراب کرے گا جا عورت سے نکاح کرکے گھر آباد کر۔
۲: اس گل سے خواہش رانی کا کیا فائدہ جس کی ہر نئے روز نئی بلبل (عاشق) ہو۔
۳: لوگوں کے لڑکوں کو بد نگاہ سے نہ دیکھ کہیں تیرا بیٹا تباہ نہ ہو جائے۔
۴: بھلا اس کا ننھے بچے نے ہوش کیوں نہیں اڑایا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی صفت دیکھنے میں بڑے چھوٹے کا کوئی فرق نہیں۔
۵: محقق تو اونٹ میں وہی دیکھتا ہے جو چین و چگل کے حسینوں میں دیکھتا ہے۔

مکالمہ سلیمان علیہ السلام مابین ابلیس دربارہ لوطی حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک روز عفریت جن سے فرمایا ابلیس کہاں ہے اس نے عرض کی آپ اسے کچھ فرمائیں گے۔ آپ نے فرمایا نہیں لیکن بتائیے وہ ہے کہاں۔ اُس نے کہا آپ میرے ساتھ چلیں جہاں ہوگا میں آپ کو دکھاؤں گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو دریا کے کنارے لے گیا۔ آپ نے شیطان کو تخت پر بیٹھا دیکھا ابلیس نے جب سلیمان علیہ السلام کو دیکھا تو گھبرا کر اُٹھا۔ آپ اس سے ملے۔ ابلیس نے عرض کی حضرت آج کیسے تشریف لائے کوئی حکم۔ آپ نے فرمایا تجھ سے یہی پوچھنے آیا ہوں کہ تیرا محبوب کون ہے جو اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین ہو۔ اس نے عرض کی یہ میری راز کی بات ہے اگر آپ یہاں تشریف نہ لاتے تو میں اسے ہرگز ظاہر نہ کرتا۔ لیکن مجبوراً عرض کرتا ہوں کہ میرا محبوب ترین اور اللہ تعالیٰ کا مبغوض ترین وہ مرد ہے جو مرد سے لواطت کرے اور وہ عورت جو عورت کے ساتھ برائی کرے (عورتوں کا رحم سے رحم ملا کر ایک دوسرے پر چڑھنا بھی زنا ہے)

مسئلہ: ملتقط الناصری میں ہے کہ لڑکا اگر بالغ ہو جائے اور وہ حسین و جمیل نہ ہو تو اس کا حکم مردوں جیسا ہے ورنہ عورتوں کے حکم میں ہے اسے سمجھو کہ سر سے پاؤں تک وہ عورت ہے فلہذا اسے شہوت سے دیکھنا حرام ہے۔

مسئلہ: اسے السلام علیکم اور اسے دیکھنا شہوۃ سے نہ ہو تو جائز ہے۔ اس لئے اسے پردہ کا حکم نہیں۔

مسئلہ: اگر بے ریش حسین و جمیل لڑکا تعلیم حاصل کرنے کے لئے باہر جائے تو باپ کو چاہیے کہ اسے باہر نہ جانے دے

امام اعظم رحمہ اللہ کا تقوی منقول ہے کہ امام محمد بن الحسن بچپن میں بہت بڑے حسین و جمیل تھے۔ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ انہیں سبق پڑھاتے وقت پیٹھ کے پیچھے بیٹھاتے تھے یا مسجد کے ستون کی اوٹ میں تاکہ ان پر غلط نگاہ نہ پڑ جائے۔ حالانکہ آپ کے تقویٰ سے بھی یہ بعید امر تھا۔

حکایت بے ریش کو غلط نگاہ سے دیکھنا : منقول ہے کہ ایک عالم دین کو ان کے مرنے کے بعد کسی نے انہیں خواب میں دیکھا کہ ان کا چہرہ سیاہ ہے۔ دیکھنے والے نے ماجرا پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ فلاں مقام پر مجھے ایک بے ریش لڑکا نظر آیا تو میں نے اسے غلط نگاہ سے دیکھا اس وجہ سے میرا چہرہ جہنم کی آگ سے جلا دیا گیا۔

بے ریش کے ساتھ اٹھارہ شیطان : حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ میں نے حضرت امام صاحب سے سنا ہے کہ ہر عورت کے ساتھ دو شیطان ہوتے ہیں لیکن ہر بے ریش لڑکے کے ساتھ اٹھارہ شیطان ہوتے ہیں۔

مسئلہ : بے ریش لڑکوں اور چھوٹے بچوں اور بے وقوفوں کے ساتھ ہمنشینی مکروہ ہونے کے علاوہ عوام کے دلوں سے ہیبت و وجاہت نہیں رہتی اور تہمت میں ملوث ہونے کا خطرہ ہے۔ حضرت شیخ سعدی قدس سرہ نے فرمایا

۱۔ چو خواہی کہ قدرت بماند بلند
دل اے خواجہ در سادہ رویاں مبند

۲۔ وگر خود نباشد غرض درمیاں
حذر کن کہ دارد بحرمت زیاں

ترجمہ ۱۔ اگر تو چاہتا ہے کہ تیرا قدر بلند ہو تو اے خواجہ بے ریش لڑکوں کے ساتھ عشق بازی نہ کر۔
۲۔ اگرچہ تیری ان سے اور کوئی غرض نہ ہو تب بھی خطرہ کر اس لئے کہ اس سے تیری عزت چلی جائے گی۔

مسئلہ : ایسے غلام بے ریش کو ایسے شخص کے ہاں بیچنا مکروہ ہے کہ جس سے غالب ہو کہ وہ اس کے ساتھ بد فعلی کرے گا اس لئے کہ اس سے اعانۃ علی المعصیۃ ہے۔

سوال : مانا کہ بے ریش لڑکا نسل کے اضافہ کا سبب نہیں لیکن اس سے شہوت رانی اور لذت تو حاصل ہوتی ہے بنابریں اگر زرخرید غلام سے مالک لواطت کرے تو کونسا حرج ہے جو فعل عقل کے تقاضا پر پورا اترتا ہو وہ شرعاً بھی عموماً جائز ہوتا ہے۔

جواب : شرع پاک نے بے ریش سے وطی کی اجازت اس کی قباحت اور نہایت درجہ کی خباثت کی وجہ نہیں بخشی (جیسا کہ اس کی خباثت و قباحت اطباء کو معلوم ہے) تو عقلاً بھی یہ فعل بُرا از گندگی ہے اور مالک ہونے پر ضروری نہیں کہ اس میں ہر طرح کا تصرف جائز ہو۔ مثلاً کوئی شخص مجوسیہ یا وثنیہ (بت پرست) عورت کا مالک ہو تو مسلمان کو اس سے وطی ہرگز ہرگز جائز نہیں جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کرے اسی طرح مسلمان مالکہ اپنے زرخرید غلام سے وطی نہیں کرا سکتی۔ بلکہ نہ صرف وطی بلکہ دوسرے اور امور بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بوسہ دینا، دلانا، مشت زنی وغیرہ وغیرہ جب مالکہ کو اپنے زرخرید غلام سے یہ امور بھی ناجائز ہیں۔ حالانکہ عقلاً

وشرعاً ہر طرح سے جواز کا امکان ہے تو پھر بے ریش لڑکے سے لبطریق اولیٰ ناجائز ہیں۔ جب کہ اُن سے ایسے امور عقلاً بھی ناجائز ہیں اور شرع نے لیسے ہی اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔

لواطت صغریٰ وکبریٰ مرد کی دبر میں وطی کرنا لواطت کبریٰ ہے اور عورت کی دُبر میں وطی کرنا لواطت صغریٰ ہے۔

لواطی لعنتی : حدیث شریف میں ہے کہ لواطت کرنے والا لعنتی ہے۔

بہشت میں لواطت کے متعلق تحقیق سوال پیدا ہوتا ہے کہ بہشت میں لواطت کی اجازت ہوگی یا نہ اس کے متعلق علمار کرام نے فرمایا ہے کہ اگر لواطت کی حرمت عقلاً وشرعاً ہر دو طرح ثابت ہوجائے تو پھر بہشت میں لواطت کے جواز کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اگر اس کی حرمت صرف شرعاً ہے اور عقلاً جواز کا ثبوت ملتا ہے تو پھر بہشت میں بھی جائز ہوگی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ بہشت میں اس گندے فعل کا تصور کسی گندے ذہن میں آسکتا ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ قبیح ترین فعل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کی قباحت میں فرمایا ما سبقکم بھا من احد من العٰلمین بلکہ اس فعل بد کو خبیث کہا۔ کما قال۔ کانت تعمل الخبائث اور بہشت میں خباثت اور گندگی کیسی۔

ازالۂ وہم حضرت مولانا زیرک زادہ الاشباہ والنظائر کے حواشی میں لکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں ہے کہ ویطوف علیھم ولدان مخلدون اذا رایتھم حسبتھم لؤلؤا منثورا دوسرے مقام پہ فرمایا ولکم فیھا ما تشتھی انفسکم۔ دونوں آیتوں کو ملانے سے نتیجہ نکلتا ہے کہ جب بہشت میں حسین وجمیل بے ریش لڑکے حاضر ہوں گے تو انسانی خواہش سے بعید ہے کہ اُن پر شہوت رانی کا خیال تک بھی نہ ہو۔ خیال اور تصور تو ضرور آئے گا البتہ اس کی خباثت وقباحت کی وجہ نفرت ہوتی ہے لیکن ضروری نہیں کہ جس شے کے لئے دنیا میں نفرت ہو اس سے آخرت میں نفرت ہو یا جو شے دنیا میں کسی سبب سے ناجائز کی گئی ہو ہر لحاظ سے آخرت میں بھی ناجائز ہو۔ اس کے متعلق (فقیر صاحب روح البیان رحمہ اللہ تعالیٰ) کہتا ہے کہ بہشت میں لواطت کے جواز پر دلائل مذکورہ نہایت بودے اور کمزور ہیں۔ جسے قلب سلیم اور عقل مستقیم کی دولت نصیب ہے وہ سمجھتا ہے کہ قبیح فعل کی قباحت کیسی ہوتی ہے اور اس کا حسن کیسا۔ اسے کھرے کھوٹے کی تمیز بھی ہوتی ہے۔ آیت طواف میں بے ریش لڑکوں کا بہشت میں حاضر ہونا مسلم ہو نا لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان سے وطی بھی ہوگی۔ البتہ آیت ثانیہ کے لفظ اشتہار سے کچھ اشتباہ ہوتا ہے لیکن اشتہا ضروری ہے کہ وہ لواطت سے ہو۔ بلکہ اُن کے حُسن وجمال اور ان کی طرز ادا وغیرہ پر نظر کرنے کا نام بھی اشتہا ہے۔ بہرصورت لفظ اشتہا سے بھی لواطت ثابت نہیں ہوتی۔ حور عین یعنی بے ریش لڑکے کا قیاس

نہیں ہو سکتا اس لئے کہ حور عین اس کی جنس نہیں بلکہ عورتوں کی جنس سے ہوں گی۔

وہم مذکور کے متعلق تقریر ثانی آیت مَا تَشْتَهِي أَنْفُسُكُمْ اگرچہ عام ہے لیکن یہ کب ضروری ہے کہ بہشت میں لواطت اشتہار کے انواع میں ہو۔ یعنی بہشت میں سرے سے اس کی چاہت بھی دلوں سے اٹھا لی جائے اس لئے کہ اس کی حرمت جمیع ادیان میں زنا کی حرمت کی طرح ہے تو جو شے حرام ابدی ہو وہ کس طرح بہشت میں حلال ہو جائے۔

سوال: شراب بھی تو حرام ابدی ہے۔ وہ تو بہشت میں جائز ہو گا۔

جواب ۱: چونکہ وہ ادیان میں جائز تھا یہ اس کی نفرت کی دلیل نہیں بلکہ اس سے طبیعت کے میلان کی دلیل ہے، اس لئے اسے بہشت کی نعمتوں میں داخل کیا جا سکتا ہے۔

جواب ۲: اگر لواطت کے لئے جنت میں مطلقاً موانع حرمت مرتفع ہو جائیں گے تو بھی حلت اور جواز کی دلیل نہیں اس لئے کہ بہت سے مسائل ایسے ہیں کہ جن کے موانع حرمت بھی مرتفع ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ناجائز ہیں۔ مثلاً بہشت میں جماع کرنا ہو گا۔ حالانکہ قیامت میں بہشتیوں کی عمریں خود بھی آخرت میں غیر محارم کے سامنے ظاہر نہیں ہونگی (کذا فی الواقعات المحمودیہ)

لوطی کی سزا لوطی کے متعلق امام شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا لواطت کرنے والے کو قتل کر دیا جائے حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسے سنگسار کیا جائے۔ اگرچہ غیر شادی شدہ ہو۔

مسئلہ: شرح وقایہ میں ہے کہ لواطت پر شرعی حد نہیں البتہ اسے سخت سزا دے کر قید خانہ میں ڈالا جائے یہاں تک کہ اس فعل سے وہ سچے دل سے توبہ کرے۔ صاحبین یعنی امام ابو یوسف و امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ نے فرمایا اسپر زنا کی حد ہے یعنی شادی شدہ کو سنگسار کیا جائے۔ اگر غیر شادی شدہ ہے تو اسے درے مارے جائیں۔

مسئلہ: احناف کے نزدیک یہ سزا اجنبی لڑکے یا کسی عورت سے لواطت کے متعلق ہے اگر اپنا زرخرید غلام یا اپنی لونڈی یا اپنی عورت سے لواطت کی ہے تو صاحبین رحمہما اللہ تعالیٰ نے امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اتفاق کیا ہے کہ ایسے آدمی پر حد ہے اس لئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اسطرح اتفاق کیا۔

فائدہ: لوطی کے تعزیر کے وجوہ میں اختلاف ہے بعض کہتے ہیں اسے ایسی بدبودار جگہ پہ قید کیا جائے کہ جب تک وہ مر نہ جائے اسے نہ چھوڑا جائے بعض نے کہا اس کو دیوار کے نیچے کھڑا کیا جائے پھر دیوار گرا دی جائے بعض کہتے ہیں اسے اوپر سے اونچی جگہ جیسے منارہ ہے سے نیچے گرایا جائے۔ یہاں تک کہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے۔ حضرت ابو دراق رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لوطی کو آگ میں جلایا جائے اسی طرح شرح مجمع میں تصریح کی۔

مسئلہ: زیادات میں لکھا ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ اگر کسی کو اس گندے فعل کی عادت پڑ جائے تو اسے قتل کر دیا جائے یا اسے قید میں ڈالا جائے یہاں تک کہ مر جائے (کذا فی شرح الاکمل)

فائدہ: اس سے واضح ہوا کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک یہ فعل بہت بڑا قبیح ہے۔ زنا۔ قتل کی طرح اس کی سزا مقرر نہیں فرمائی بلکہ صرف سے ایسے بدمعاش کو قتل کرنا ضروری سمجھا تاکہ دنیا پر سرے سے یہ فتنہ اٹھ جائے۔ جیسے یمین غموس کے متعلق ہے کہ اس میں کفارہ نہیں گناہ سخت ہے وہ بھی صرف اس لئے کہ اور قسمیں تو کفارہ سے اٹھ جاتی ہے لیکن یمین غموس (جھوٹی) کا گناہ کفارہ سے نہیں اٹھتا جب تک اس سے توبہ نہ کی جائے۔

جانوروں سے وطی کرنیوالے کے متعلق مسائل: کتاب الحظر والاباحۃ میں ہے کہ ایک شخص نے کسی جانور سے وطی کی تو حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے اس کے متعلق مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اگر جانور اسی کا اپنا ہے تو اسے کہو کہ وہ اس جانور کو ذبح کر کے جلائے اگر حرام جانور ہے اور اگر وہ جانور حلال ہے تو اسے ذبح کر کے جلایا نہ جائے۔

فائدہ: فتوحات مکیہ کے ترجمہ کی آخری جلد میں ہے کہ جانور کی وطی سے پرہیز کرنا چاہیے اس لئے کہ یہ فعل نہ کسی شرع کا ہے اور نہ کسی دین میں جائز ہے اور نہ ہی کسی نیک مرد کی مروت میں شامل ہے۔

حکایت: ایک بے عقل نے ایک جانور خریدا جس کی اُسے ضرورت نہ تھی کسی نے چند روز کے بعد اس سے پوچھا کہ تو نے اسے کیوں خریدا حالانکہ تجھے اس کی ضرورت ہی نہیں اور خواہ مخواہ اس کے پالنے کے خرچ کا اپنے سر پر کیا ہے اس نے جواب دیا کہ چونکہ میں غیر شادی شدہ ہوں اس لئے میں اس کے ذریعہ سے زنا سے بچتا ہوں۔ اسے کہا گیا کہ اس سے وطی بھی تو حرام ہے وہ چونکہ بے خبر تھا اس لئے رو دیا اور کہا مجھے اس کا علم نہیں تھا اس لئے میں آج کے بعد توبہ کرتا ہوں کہ آئندہ میں اس کے ساتھ وطی نہیں کروں گا اسے کہا گیا کہ تم علم پڑھ لو تاکہ تمہیں حلال و حرام کی تمیز ہو۔

زنا سے بچنے کی تدبیر حضور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو نکاح کرنے کی طاقت نہیں رکھتا اس پر لازم ہے کہ وہ روزہ رکھے۔

مشت زنی کی تحقیق اس حدیث سے مالکیہ رحمہم اللہ تعالیٰ نے استدلال کیا ہے کہ مشت زنی حرام ہے وہ اس لئے کہ اگر مشت زنی جائز ہوتی تو آپ بجائے روزے رکھنے کے اس کی اجازت بخشتے جو کہ ایک آسان عمل بھی ہے اور زنا سے بچنے کی تدبیر۔

مسئلہ: حنبلیوں نے مشت کو مباح بتایا ہے اس میں بعض حنفیوں کے متعلق بھی منقول ہے ان کی دلیل

یہ ہے کہ شہوۃ کے بجھانے کے لئے ہے اور شہوت بجھانے کی تدبیر شرعاً مباح ہے۔

مسئلہ: خلاصہ کتاب میں ہے کہ اگر کوئی روزے دار اپنے ذکر کو پکڑ کر کسی طریق سے منی نکالتا ہے تو اُس کا روزہ ٹوٹ گیا۔ اس پر قضاء کفارہ نہیں (لیکن اس پر فتوی نہیں اور وہ بھی بعض کا خیال ہے یہ تحقیقی قول نہیں

مسئلہ: یہ فعل نہ رمضان میں جائز ہے اور غیر رمضان میں۔

مسئلہ: یہ فعل اگر شہوت توڑنے کی نیت پر کرتا ہے شہوت رانی کیلئے نہیں کرتا تو بعض علماء کا فتویٰ ہے کہ یہ جائز ہے وہ کہتے ہیں کہ چونکہ اس کی نیت صحیح ہے اس لئے امید ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں۔ یہ بھی بعض کا خیال ہے تحقیقی قول نہیں۔

مسئلہ: بعض حواشی بخاری شریف میں ہے کہ مشت زنی حرام ہے یہی حکم قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور یہی قول حقیقی ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ الی ان قال فاولٰئك هم العادون علاددن کا معنی ظالمون ہے یعنی وہ لوگ حلال سے متجاوز ہو کر حرام کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مسئلہ: امام بغوی نے فرمایا کہ اس آیت سے ثابت ہوا کہ مشت زنی حرام ہے۔

حدیث شریف: حضرت ابن جریج نے فرمایا کہ میں نے حضرت عطاء سے مشت زنی کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت میں ایک قوم ایسی اٹھائی جائے گی جن کے ہاتھ حاملہ (گابھن) ہوں گے۔ یہ وہی مشت زنی کرنے والے ہوں گے۔

اعجوبہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کو صرف اس لئے عذاب میں مُبتلا کیا کہ وہ اپنے ذکروں سے کھیلا کرتے تھے یعنی مشت زنی کرتے تھے۔

مسئلہ: مشت زنی کرنے والے پر بھی تعزیر واجب ہے۔

مسئلہ: ابن الملقن وغیرہ نے فرمایا کہ ایک روایت امام اعظم سے اور امام احمد سے منقول ہے کہ مشت زنی جائز ہے اس شخص کے لئے جو اپنے نفس پر زنا کا خطرہ رکھتا ہے اسی طرح اپنی زوجہ اور اپنی لونڈی کے ہاتھ کے ذریعہ منی گرانا جائز ہے۔ (یہ قول بھی غیر تحقیقی ہے)

فائدہ: قاضی حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا رفع الکراہتہ جائز ہے کیوں کہ یہ بھی عزم میں داخل ہے اور عزل مکروہ ہے۔

فائدہ: تارتار خانیہ میں ہے کہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ اگر ایسے شخص کو نہ گناہ ہے نہ سزا ہے۔ یہ قول تحقیقی نہیں (کذا فی انوار المشارق لمفتی حلب الشہباء) واللہ اعلم۔

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا ؕ قَالَ یٰقَوْمِ
اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ ؕ قَدْ
جَآءَتْکُمْ بَیِّنَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ فَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ وَلَا تَبْخَسُوا
النَّاسَ اَشْیَآءَھُمْ وَلَا تُفْسِدُوْا فِی الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِھَا ؕ
ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ﴿۸۵﴾ وَلَا تَقْعُدُوْا بِکُلِّ صِرَاطٍ
تُوْعِدُوْنَ وَتَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِہٖ وَ
تَبْغُوْنَھَا عِوَجًا ۚ وَاذْکُرُوْٓا اِذْ کُنْتُمْ قَلِیْلًا فَکَثَّرَکُمْ ۪ وَانْظُرُوْا
کَیْفَ کَانَ عَاقِبَۃُ الْمُفْسِدِیْنَ ﴿۸۶﴾ وَاِنْ کَانَ طَآئِفَۃٌ مِّنْکُمْ
اٰمَنُوْا بِالَّذِیْٓ اُرْسِلْتُ بِہٖ وَطَآئِفَۃٌ لَّمْ یُؤْمِنُوْا فَاصْبِرُوْا حَتّٰی
یَحْکُمَ اللّٰہُ بَیْنَنَا ۚ وَھُوَ خَیْرُ الْحٰکِمِیْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور مدین کی طرف ان کی برادری سے شعیب علیہ السلام کو بھیجا گیا۔ کہا اے قوم میری اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے روشن دلیل آئی تو ناپ اور تول پوری کرو۔ اور لوگوں کی چیزیں گھٹا کر نہ دو اور زمین میں انتظام کے بعد فساد نہ پھیلاؤ یہ تمہارا بھلا ہے اگر ایمان لاؤ۔ ۸۵ ہر راستہ پر یوں نہ بیٹھو کہ راہ گیروں کو ڈراؤ اور اللہ کی راہ سے انہیں روکو جو اس پر ایمان لائے اور اس میں کجی چاہو اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے میں نے تمہیں بڑھایا اور دیکھو فسادیوں کا کیسا انجام ہوا ۸۶ اور اگر تم میں ایک گروہ اسی پر ایمان لایا جو میں لے کر بھیجا گیا اور ایک گروہ نے نہ مانا تو ٹھہرے رہو یہاں تک اللہ ہم میں فیصلہ کرے اور اللہ کا فیصلہ سب سے بہتر ہے ۔ ۸۷

۸۵ وَاِلٰی مَدْیَنَ ۵ اور مدین کی طرف ہم نے بھیجا۔ اس سے قبیلہ مدین مراد ہے یعنی مدین کی اولاد وہ بن ابراہیم علیہ السلام " اَخَاھُمْ ان کے بھائی کی طرف۔ اس سے اس کا نسبتی بھائی مراد ہے یعنی یہ بھی منجملہ ان میں سے تھے۔ شُعَیْبًا ؕ اَخَاھُمْ کا عطف بیان ہے۔

شعیب علیہ السلام کا نسب نامہ

شعیب بن میکیل بن یشجر بن مدین انہوں نے دیثا بنت لوط علیہ السلام سے نکاح کیا۔ ان سے اولاد ہوئی اور ان کی وجہ سے اُن کی نسل ایسی پھیلی کہ ان کا مستقل قبیلہ مدین بن گیا۔

حضرت شعیب علیہ السلام خوف خدا سے بہت زیادہ روتے تھے۔ یہاں تک کہ روتے روتے اپنی آنکھیں دے بیٹھے اور عوام میں مشہور ہے کہ) وہ نابینا ہوگئے (یہ قول تحقیقی ہے) آپ کو خطیب الانبیاء علیہم السلام کا لقب ملا اس لئے کہ آپکی قوم کو آپ کا زیادہ رجوع تھا۔ آپ کی قوم بھر تول کے متعلق کمی بیشی کرتے تھے اور یہ ان کی کفر کے علاوہ بیماری تھی۔

قَالَ حضرت شعیب علیہ السلام نے فرمایا یہ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ **يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** اے میری قوم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو یعنی اس کی توحید کا اقرار کرو۔ **مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ** اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود نہیں۔ اس کی تفسیر ہم نے پہلے کر دی۔

قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ بے شک تمہارے ہاں معجزات آئے ہیں۔ **مِّنْ رَّبِّكُمْ** تمہارے رب تعالیٰ کی طرف سے یہ جاءتکم کے متعلق ہے یا اس کا متعلق محذوف ہے یہ فاعل کی صفت ہے اس کی ذاتی عظم شان کی وجہ سے موکد ہے یہ اس کے نکرہ ہونے کی وجہ سے معلوم ہوا اور بینہ کی عظم شان اضافی ہے یعنی وہ بینہ عظیمہ تمہارے اپنے مالک امور کی طرف سے آئی ہے۔ لیکن دوسرے انبیاء علیہم السلام کے معجزات کی طرح ان کا معجزہ قرآن مجید میں بیان نہیں کیا گیا۔ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے معجزات قرآن مجید میں مذکور نہیں ہوئے۔

فائدہ : شعیب علیہ السلام کے معجزات نہ صرف قرآن مجید میں نہیں بلکہ احادیث شریف میں بھی نہیں۔
(کذا قال صاحب التفسیر الفارسی)

شعیب علیہ السلام کا معجزہ

حضرت شعیب علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ تھا کہ آپ بہت بڑے اونچے پہاڑ کو حکم فرماتے تو نیچے ہو جاتا تو اس پر آپ چڑھ جاتے اس کے علاوہ بھی اور معجزات صاحب کشاف نے اپنی تفسیر میں بیان فرمائے ہیں۔

فَاَوْفُوا الْكَيْلَ پس تول کو پورا کرو۔ الکیل مصدر ہے مثلاً کہا جاتا ہے کلت الطعام کیل میں نے طعام کو تولا۔ یہاں پر معنی مصدری نہیں بن سکتا اس لئے کہ کمی و بیشی تو اعیان میں ہوتی ہے مصدری معنی اعیان میں نہیں ہوتا۔

فائدہ: قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہاں پر مضاف محذوف ہے۔ دراصل عبارت فادموا آلۃ الکیل جسے مولانا ابو السعود مفسر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسے الکیال سے تعبیر کیا ہے اس قول کی تائید ہے "والمیزان" سے ہوتی ہے اس سے متبادر آلہ کا معنیٰ حاصل ہوتا ہے اگرچہ اس میں مصدری معنیٰ میعاد کی طرح پایا جاتا ہے لیکن آلہ کے معنی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس معنی پر الکیل بمعنی ما یکال بہ ہے جیسے العیش بمعنی ما یعاش بہ۔ ان کے دو پیمانے تھے ایک بڑا دوسرا چھوٹا۔ جب لوگوں سے کچھ لیتے تو اس بڑے پیمانہ کو استعمال کرتے جب کچھ کسی کو دیتے تو چھوٹے پیمانہ کو عمل میں لاتے۔

خلاصہ یہ کہ انہیں کہا گیا ہے کہ مکیال و میزان کے ساتھ مکمل طور لوگوں کے حقوق ادا کرو۔

وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اور لوگوں کے لئے کمی نہ کرو **اَشْيَاءَهُمْ** ان کی اشیاء میں جو ان کے ساتھ خرید و فروخت کرتے ہو۔ درآنحالیکہ تم ان کی تکمیل پر اعتماد کرو یعنی جیسے دو جیسی شے دو سب میں مکمل طور حقوق کو ملحوظ کرو۔ ان کی عادت تھی کہ ہر بڑی چھوٹی اچھی اور خراب شے میں کمی و بیشی کرتے تھے۔

سوال: حقوق کے بجائے اشیاء کا لفظ کیوں فرمایا۔

جواب: حقوق مخصوص باتیں ہوتی ہیں اور اشیاء ہر امر پر مشتمل ہے اور یہاں عموم مطلوب تھا اس لئے اشیاء کا لفظ فرمایا۔

نکتہ: خرید و فروخت میں کمی و بیشی کرنا ہیچ اور نہایت ہی خسیس انسان کا کام ہے اور یہ کام وہ کرتا ہے جس پر حرص و ہوا غالب ہوں اور ہر وہ انسان جو نفس کے خواہشات کے تابع بلکہ یوں کہو کہ وہ انسان پورے درجے کا ظالم ہے اور یہ تمام نفس امارہ کی صفات سے پاک کرنے کا حکم دیا ہے جسے تزکیہ نفس سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ بھی بندے سے اچھے امور دیکھنا چاہتا ہے اور حسین افعال سے اسے سخت نفرت ہے۔

حدیث شریف[۱] ان دو بھیڑیوں سے جو بکریوں میں چھوڑے جائیں زیادہ رذیل وہ انسان ہے جو مال کے حرص میں مبتلا ہے۔

حدیث شریف[۲]: نماز و وضو اور وزن و کیل یہ سب امانتیں ہیں۔

حدیث شریف[۳]: حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ تم کو وزن و کیل کا متولی بنایا گیا ہے۔ پہلی قومیں ان کی کمی و بیشی کرنے سے تباہ و برباد ہوئیں۔

وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ کفر و ظلم کر کے اللہ تعالیٰ کی زمین میں فساد برپا نہ کرو۔ **بَعْدَ إِصْلَاحِهَا** جب کہ انبیاء علیہم السلام اور ان کے اتباع نے زمین میں شرائع و احکام کا اجراء کر کے اصلاح کی۔

ذٰلِكُمْ یہ ان امور کی طرف اشارہ ہے جن کے متعلق اوامر و نواہی فرمائے۔ **خَيْرٌ لَّكُمْ** تمہارے لئے بہتر ہیں یعنی

اوامر و نواہی پر عمل کرنا کم تولنے بھرنے اور نقصان پہنچانے اور فساد ڈالنے سے بہتر ہے۔

ف : یہاں خیر افعل التفصیل کے معنی میں نہیں بلکہ یہاں پر معنی یہ ہے کہ وہ امور اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت مفید ہیں ۸۶ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ اگر تم اہل ایمان ہو یعنی اگر تم میرے امور کی تصدیق کروگے تو تمہارے لئے بہتر ہے۔ وَلَا تَقْعُدُوْا بِكُلِّ صِرَاطٍ اور تم سیدھے راستہ پر نہ بیٹھو۔ یا یہ باء الصاق یا مصاحبت کی ہے۔ اس لئے ان کا قعود مکان سے مطلق ہے اور قاعد اس سے ملص و ملابس ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ یہ باء بمعنی فی ہے اس لئے کہ قاعد اپنے قعود کے مکان میں نازل ہوتا ہے یا یہ باء بمعنی علی ہے اس لئے کہ قاعد مکان کے اوپر ہوتا ہے تُوْعِدُوْنَ ڈراتے ہو تم یہ لَا تَقْعُدُوْا سے حال ہے۔

سوال : اُن کے ڈرانے کے سبب ذکر کیوں نہیں۔

جواب : تاکہ سمجھنے والا سمجھے کہ وہ ہر طرح کے ڈرانے کے حربے استعمال کرتے تھے۔

اب معنی یہ ہوا کہ اے میری قوم ہر راستہ پر بیٹھ کر لوگوں کو دین سے مت ڈراؤ یہ تو شیطان کا کام ہے چنانچہ قرآن مجید نے شیطان کا طریقہ بتایا کہ اس نے کہا تھا لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ۔

سوال : اللہ تعالیٰ کا صرف ایک ہی راستہ ہے اور یہاں پر بہت سے راستوں کی نشاندہی کی گئی ہے

جواب : اگرچہ اللہ تعالیٰ کا ایک راستہ ہے لیکن اس کے مختلف انواع و اجناس تھیں۔ مثلاً معارف۔ حدود۔ احکام مخالفین ان پر قسم کے راستے کاٹنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے راستہ کو بکل صراط سے تعبیر فرمایا۔

فائدہ : مروی ہے کہ کفار شعیب علیہ السلام کی طرف مختلف آنے والے راستہ پر بیٹھ جاتے ہر راہگیر سے پوچھتے کہ کہاں جاتے ہو۔ اگر وہ کہتا کہ شعیب علیہ السلام کے پاس جاؤں گا تو اسے کہتے ان کے ہاں جاکر کیا کروگے وہ تو بہت بڑے جھوٹے ہیں (معاذ اللہ) وہ تو ایسے غلط کار ہیں کہ اگر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہیں تمہارے آباء کے دین سے بہکا دیں گے اسی طرح وہ ہر دین حق کے کہنے والے مومن کو طرح طرح کی باتیں سنا کر ڈراتے بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ ڈاکو تھے۔ لوگوں کا مال لوٹتے تھے۔ وَتَصُدُّوْنَ اس کا تو عدون پر عطف ہے یعنی تم روکتے اور پھیرتے ہو۔ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اللہ تعالیٰ کے راستہ سے یعنی اس راستہ سے جیسا وہ بیٹھے ہوتے مَنْ اٰمَنَ بِهٖ یہ تصدون کا مفعول بہ ہے اور یہ ضمیر کل صراط کی طرف لوٹتی ہے یعنی اسے جو سیدھے راستے پر ایمان رکھنے والے ہوتے ہیں۔ وَتَبْغُوْنَهَا یہ باب الحذف والایصال و التقدیر سے دراصل تبغون لها یعنی اس کے لئے طلب کرتے ہو یہ ضمیر سبیل اللہ کی طرف راجع ہے۔

سوال : لفظ سبیل مذکر ہے اور ھا ضمیر مونث ہے یہ کیسے۔

جواب : چونکہ لفظ سبیل مذکر بھی ہوتا ہے اور مونث بھی اس لئے یہاں پر اس کے لئے ضمیر مونث بولی گئی یعنی اللہ تعالیٰ کے راستہ کو طلب کرتے ہو۔ عِوَجًا یعنی حق سے ٹیڑھا کرکے اس پر طرح طرح کے شبہات ڈالتے ہو یا یہ کہ تم اسے لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہو اور کہتے ہو کہ شعیب علیہ السلام کا راستہ غلط ہے حالاں کہ ان کا راستہ اللہ تعالیٰ کا راستہ ہے اور اس کے ٹیڑھے ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

تفسیر صوفیانہ آیت میں اشارہ ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو طالبان حق سے وصول الی اللہ کا راستہ روکتے ہیں اور ان کے ساتھ کئی قسم کے حیلے اور مکر و فریب کرکے راہ حق سے انہیں دور رکھتے ہیں اور وہ اپنی شیخی بگھیر کر ان کے لئے کئی قسم کی غلط کاریاں پیدا کرتے ہیں۔ جیسے انہوں نے اپنے نفسوں کو راہ حق سے روک رکھا ہے اس لئے کہ قاعدہ ہے کہ معاصی اور جرائم کی نحوست مجرم تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اثرات دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔ پھر وہ اثرات خود معاصی کے مرتکب کو بہت زیادہ لپیٹ لیتے ہیں۔

وَاذْكُرُوٓا اِذْ كُنْتُمْ قَلِيْلًا فَكَثَّرَكُمْ اور یاد کرو جب تم بہت تھوڑے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمہیں زیادہ کثیر التعداد بنایا۔ یعنی تمہاری نسل بڑھائی اور تمہیں دولتمند بنایا۔ یعنی تمہارا ضعف قوت سے اور تمہارا فقر دولتمندی سے بدل گیا۔

وَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ اور دیکھو مفسدین کا انجام کیا ہوا۔ پس تم نے پہلے لوگ جیسے کہ نوح علیہ السلام کی قوم اور ان کے بعد قوم عاد اور ثمود اور اُن جیسے اوروں کا کیا حشر ہوا۔

ان کے حالات پڑھو پھر عبرت پکڑو اور اُن کے غلط طریقوں سے بچو۔

۸۷ وَاِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْٓ اُرْسِلْتُ بِهٖ اگر ایک گروہ اس پر ایمان لے جس کے لئے میں رسول بنایا گیا ہوں۔ یعنی ان شرائع و احکام کو ماننے اور ان پر عمل کرنے جو میں تمہارے ہاں اللہ تعالیٰ سے لایا ہوں وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوْا اور ایک گروہ جو اس پر ایمان لایا۔

فائدہ : تفسیر فارسی میں ہے کہ شعیب علیہ السلام نے اپنی نبوۃ کا اعلان کیا تو آپ پر ایک گروہ ایمان لے آیا اور دوسرا گروہ منکر ہوگیا اور کہنے لگا کہ قوت و ثروت ہمارے ہاں ہے اور ان پر ایمان لانے والے نہایت غریب اور کمزور ہیں۔ فلہٰذا حق ہمارے پلڑے میں ہے نہ ان کے ہاں اگر ان کے پاس حق ہوتا تو یہ دولتمند اور بہت بڑی قوت و طاقت کے مالک ہوتے حضرت شعیب علیہ السلام نے ان ہر دونوں گروہوں کو فرمایا کہ ایمان لاؤ یا نہ فَاصْبِرُوْا حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ بَيْنَنَا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے ابین یعنی ہر دونوں گروہوں کے درمیان فیصلہ فرمائے گا کہ حق والوں کی مدد فرمائے گا اور باطل والوں کو مٹا دے گا۔ اس آیت میں اہل ایمان سے وعدہ کریمہ اور اہل کفر کے لئے عید ہے۔ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ ۔ اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اس لئے کہ اس کے حکم کے خلاف نہیں ہو سکتا اور اس میں ظلم کا شائبہ تک بھی نہیں اس لئے کہ تمام فیصلہ کرنے والوں سے اعدل و احکم ہے۔

آٹھویں پارہ کی تفسیر ۱۴۰۱ھ کے شوال کے اواخر میں ختم ہوئی۔

نوٹ : فقیر اُویسی غفرلہٗ کے لئے بھی حسن اتفاق سے شوال کے اواخر یعنی ۲۷ شوال ۱۳۹۵ھ شب اتوار (احمد پور لمہ) بموقع جلسہ سالانہ اس کا یہاں ترجمہ ختم ہوا۔

فہرست فیوض الرحمٰن ترجمہ روح البیان پارہ ۸